دنیا و آخرت کی زندگی کو معطر کرنے والا
احادیثِ رسول ﷺ کا خوبصورت گلدستہ

ارمغانِ حدیث

محمد اسحاق بھٹی

www.KitaboSunnat.com

طارق اکیڈمی فیصل آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

ارمغانِ حدیث

المکتبۃ السلفیۃ
3/J-504 جوہر ٹاؤن لاہور
کتاب نمبر // 354

محمد اسحاق بھٹی

www.KitaboSunnat.com

طارق اکیڈمی فیصل آباد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا
اِنَّكَ اَنْتَ
السَّمِيْعُ الْعَلِيْم

جملہ حقوق برائے طارق اکیڈمی محفوظ ہیں

- نام کتاب ..... ارمغانِ حدیث
- مؤلف ..... محمد اسحاق بھٹی
- اہتمام ..... محمد سرور طارق
- اشاعتِ اول ..... جون 2008ء

ملنے کے پتے

نعمانی کتب خانہ: حق سٹریٹ، اردو بازار، لاہور
کتاب سرائے: الحمد سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور
اسلامی اکیڈمی: اردو بازار، لاہور
مکتبہ اہل حدیث: امین پور بازار، فیصل آباد
مکتبہ دارالسلام: F-10 مرکز، اسلام آباد
مکتبہ قدوسیہ: غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور
مکتبہ دارالسلام: غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور
مکتبہ اسلامیہ: غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور
مکتبہ اسلامیہ: کوتوالی روڈ، فیصل آباد
المسعود اسلامک بک سنٹر: کرن پلازہ، اسلام آباد

طارق اکیڈمی کی مطبوعات ملک کے تمام بڑے کتب خانوں پر بھی دستیاب ہیں

فروغ علم کے لئے کوشاں
طارق اکیڈمی
سلیمی چوک، بالمقابل الفتح گراؤنڈ فیصل آباد

Ph 0092-41-8546964,8715768 Fax 0092-41-8715768
Email:ilmoagahi74a@yahoo.com Web www.ilmoagahi.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست

1	عرضِ ناشر	5
2	مقدمہ	7
3	حرفے چند	9
4	افضل ترین اعمال	13
5	قابل احترام لوگ	15
6	شہرت و ناموری سے بچنے کی تاکید	17
7	اسلام کی بے مثال خوبی	20
8	باپ کے دوست کا احترام	23
9	بہترین آدمی	25
10	امانت میں خیانت کی ایک قسم	27
11	تکلیفوں سے محفوظ رہنے کا طریقہ	29
12	جزاک اللہ خیراً	31
13	صغیرہ گناہوں سے بچنے کی تاکید	33
14	آقا اور ملازم کے تعلقات	35
15	انسان کی ایک کمزوری	37
16	اخوت و ہمدردی کا بے مثال درس	39
17	مسلمان کا احترام	41
18	چھ باتوں پر بیعت	43
19	مریض کے لیے درازیٔ عمر کی دعا	46
20	تین چیزوں پر عمل کی تاکید	48
21	اللہ تعالیٰ کے ہاں دعا کی قبولیت	50
22	تین انتہائی اہم باتیں	52
23	بہترین لوگ	55
24	کھانے کے آداب	57
25	کون کس کو سلام کرے؟	59
26	یتیم کی کفالت کا اعزاز	61
27	انسانی زندگی کی پانچ حالتیں	63
28	مسلمان جسدِ واحد کی مانند	66
29	تجارت میں بنیادی شرط	68
30	ہر نیک کام صدقہ ہے	72
31	بہترین رزق اپنے ہاتھ کی کمائی ہے	74
32	مسکین کون ہے؟	76
33	نبی ﷺ کا طریق تفہیم	78
34	قابل رشک لوگ	80
35	نبی ﷺ کے نزدیک مزدور کا مرتبہ	85
36	مریض کی عیادت	87
37	دعوت قبول کرنے کا حکم	89
38	اہل و عیال پر خرچ بہترین صدقہ	91
39	سایۂ خداوندی کے مستحق لوگ	93
40	بنی نوع انسان کی ہمدردی کا حکم	96
41	کھیتی باڑی کرنے کا مرتبہ	99
42	گھر میں اتفاق کی ضرورت	101
43	خواہشاتِ نفس کی پیروی سے بچنا	103
44	نبی ﷺ کے اخلاق حسنہ	105
45	ایفائے عہد کا حکم	107
46	حدیثِ جبریل میں پنہاں اسباق	109
47	نری سے محروم بھلائی سے محروم	113
48	اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم	115
49	نو باتوں پر عمل کرنے کا حکم	117
50	ایک اخلاقی مسئلہ	120

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

51 رشوت ستانی..... جہنم کا داخلہ 122
52 مسلمان کے پانچ حقوق 125
53 ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا نظریہ معاشیات 128
54 ملک وقوم کے اصل خادم اور وفادار 131
55 سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی علمی فضیلت 135
56 کھانے پینے کے آداب 146
57 اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ لوگ 149
58 زیادہ سوالات سے بچنے کی تاکید 152
59 امن اور سلامتی کا راستہ 154
60 اللہ اور بندے کا باہمی تعلق 156
61 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین نصیحتیں 163
62 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انیس نصیحتیں 166
63 ہمسائے اور ان کے حقوق 168
64 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ ارشادات 171
65 بیوہ اور مسکین کی مدد کا حکم 174
66 اسلامی حکومت کا فرض 177
67 تحائف اور عمال حکومت 179
68 سلام کرنے کی تاکید 181
69 برا آدمی 184
70 دو مجلسیں 186
71 خطیبوں اور واعظوں کے لیے 188
72 کھانے کا مہذبانہ طریقہ 192
73 سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا خط 194
74 سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ارشاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم 197
75 السلام علیکم کہنے کے فوائد 199
76 قابل نفرت لوگ 202
77 شرک کی ایک قسم..... شگون اور فال 204
78 نماز کے آداب 206
79 چند معاشرتی برائیاں 209
80 اخلاص اور اللہ کا خوف 212
81 نیکی اور صدقے کی مختلف صورتیں 214
82 رمضان المبارک کے تین عشرے 217
83 دو کردار..... اچھا اور برا 219
84 آداب واخلاق کے چند ضروری پہلو 221
85 نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا طریقہ 223
86 برائی کے بعد نیکی کا حکم 226
87 جمائی کے وقت منہ پر ہاتھ رکھنا 228
88 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی 230
89 اللہ اور بندے کا تعلق 232
90 سات عالم گیر برائیاں 238
91 چار احکام 241
92 کھانے والی چیز کو معیوب کہنا 245
93 تقسیم اشیا میں اسلامی اخلاق 247
94 ذمے داریوں کی وسعت 249
95 بہت بڑی برائی 252
96 اکرام مہمان کا طریقہ 254
97 اللہ کے نزدیک پسندیدہ اعمال 256
98 حفاظت نظر کے فوائد 258
99 ایک فریضہ 264
100 عمر رسیدہ لوگوں کی تکریم کا حکم 266
101 مال و دولت سے رغبت کا نتیجہ 268
102 حفاظت کامیابی کی ضمانت 270

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی!

دین اسلام پر چلنے کے لیے واحد راستہ رسول اللہ ﷺ کا بتایا ہوا راستہ ہے، رسول اللہ ﷺ دنیا بھر کے لیے ایک کامل واکمل نمونہ بن کر تشریف لائے، زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کی بابت سرورِ کائنات ﷺ کی حیاتِ مبارکہ سے قابلِ تقلید رہنمائی نہ ملتی ہو..... آپ ﷺ نے زندگی بھر جو کیا، فرمایا اسی کو سنتِ مبارکہ اور احادیثِ مقدسہ کہا جاتا ہے، اسوہ حسنہ ﷺ پر عمل پیرا ہونے کے لیے محسن انسانیت ﷺ کے روزمرہ معمولات، رہن سہن، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا، آپ ﷺ کی مبارک نمازیں، روزہ، حج، جہاد، ذکر اذکار، صدقہ و خیرات غرضیکہ ہر بات کا علم ہونا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس علم کی روشنی عام کرنے کے لیے امتِ مسلمہ نے ہر دور میں سیرتِ مبارکہ اور احادیث کے چراغ روشن کیے۔ تاکہ مسلمان ان روشن راہوں پر چل کر اللہ کے حبیب ﷺ کی محبت حاصل کریں۔ فرمانِ الٰہی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (آل عمران:31)

ترجمہ: ''(اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا۔''

الحمدللہ! اسی جذبہ سے سرشار ہو کر طارق اکیڈمی پہلے دن سے سیرت وسنت ﷺ کے چراغوں کو روشن کرنے کے لیے مصروف عمل ہے۔ اللہ کے فضل وتوفیق سے طارق اکیڈمی اسوہ رسول ﷺ کی روشنی بکھیرتے تقریباً 100 کے قریب چراغ روشن کر چکی ہے۔ ذالك فضل الله يوتي من يشاء

اس مبارک ومقدس سلسلہ کا نیا چراغ ''ارمغانِ حدیث'' آپ کے ہاتھوں میں ہے، مخدومی محترم محمد اسحٰق بھٹی ﷾ کے رواں دواں اور شگفتہ قلم سے بلاشبہ یہ ایک خوبصورت تحفہ ہے، جس کے مطالعہ سے پڑھنے والے کے مشامِ جاں میں اسوہ حسنہ ﷺ کی خوشبو اس طرح پھیل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتی ہے کہ قاری کا دل بے اختیار اپنے ہر عمل کو اسوہ رسول ﷺ کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے بے قرار ہو جاتا ہے۔

محترم محمد اسحاق بھٹی ﷾ کو اللہ تعالیٰ نے خوبصورت اور دلنشیں انداز تحریر سے نوازا ہے۔ بلاشبہ بھٹی صاحب دورِ حاضر کے بہت بڑے ادیب اور مصنف ہیں۔ ان کے قلم سے درجنوں علمی کتب معرضِ وجود میں آ چکی ہیں۔ اس احسان فراموش دور میں محترم محمد اسحاق بھٹی ﷾ کا ایک بڑا کارنامہ ان محسنوں کی درخشاں زندگیوں کو زندہ کرنا ہے جنہوں نے اسوہ رسول ﷺ کے چراغوں کو روشن کرنے کے لیے زندگیاں وقف کر دیں اور ان چراغوں کی خونِ جگر سے آبیاری کرتے رہے..... ان محسنوں کی یادوں کے دیئے جلا کر بھٹی صاحب ﷾ نے نسلِ نو کی تربیت و کردار سازی کے لیے گراں قدر خدمت انجام دی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجر عظیم سے نوازے۔

طارق اکیڈمی کے ساتھ بھٹی صاحب ﷾ کی محبت و عنایت کا ایک طویل سلسلہ ہے، ان کی اس تازہ شفقت پر ہم دل کی گہرائیوں سے ان کے شکر گزار ہیں اور ان کے لیے دعا گو ہیں اللہ تعالیٰ ان کی بزرگی کو توانائیوں سے نوازے اور انہیں مزید صحت و عافیت عطا فرمائے تاکہ قوم ان کے علم و فضل سے فیض حاصل کرتی رہے.....

محترم بھٹی صاحب ﷾ کی گراں قدر کتاب ''ارمغانِ حدیث'' کی اشاعت ہمارے لیے بہت بڑی سعادت ہے۔ محسن کائنات ﷺ کے فرامین پر مشتمل یہ کتاب روشن خیالی کے اندھیروں سے نجات کی راہ ہموار کرے گی۔ ان شاء اللہ! اطاعت رسول ﷺ کے جذبوں کو بیدار کرنے والا یہ ''ارمغان'' جہاں مسلمانوں میں شوقِ عمل کا ذریعہ بنے گا، وہاں یہ کوشش مؤلف، ناشر اور طارق اکیڈمی کے تمام مخلص ساتھیوں اور معاونین کے لیے بھی باعث خیر و برکت اور توشہ آخرت بنے گی۔

قارئین کرام! عہد کریں کہ دنیا کو تاریکیوں سے نکالنے کیلئے پیغام محمد ﷺ کے اتنے چراغ روشن کر دیں کہ دنیا میں کہیں اندھیرا نہ رہے، اس لیے کہ یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی۔

والسلام

خاکسار

محمد سرور طارق

جمعۃ المبارک 22 فروری 2008ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُقدّمہ

دنیاوی زندگی میں کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی سیرت وسنت کے مطابق عمل کی بھی امت محمدیہ کو بہت تلقین کی گئی ہے۔ سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ساری انسانیت کے لیے رہبر ورہنما بنا کر مبعوث فرمایا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنی پاک کتاب قرآن مجید کی حفاظت کا اہتمام فرمایا، اسی طرح اس نے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کی پھول کی پتیوں کی چاندنی سے زیادہ اجلی اور بے داغ سیرت مبارکہ اور سنتِ مطہرہ کی حفاظت کے لیے بھی امت محمدیہ کو بطورِ خاص توفیق عطا فرمائی، جس نے نہ صرف اپنے پیارے رسول ﷺ کی سنت مطہرہ اور آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کی ایک ایک ادا اور آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے دنوں اور راتوں، صبحوں اور شاموں کی مکمل تفصیل، آپ کے اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، گفتگو کرنے، کھانا تناول فرمانے، صوم وصلوٰۃ سے لے کر میدان جہاد تک، درویشی و فقیری سے لے کر سلطانی وجہاں گیری تک آپ ﷺ کے ہر ہر قول وفعل، گفتار وکردار اور خلوت وجلوت کے ایک ایک جزء کی حفاظت کا اہتمام کیا بلکہ ہر اس چیز اور ہر اس شخص کی، جس کا ادنیٰ سا تعلق بھی رحمتِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی سے تھا، جس طرح حفاظت کی ہے، اس کی انسانی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ دیگر اقوام عالم ان کتب وصحف سماوی کی حفاظت نہ کر سکیں، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں عنایت ہوئے تھے، اپنے پیغمبروں کی زندگیوں کے حالات محفوظ کرنا تو بہت دور کی بات تھی لیکن امتِ محمدیہ کو یہ عظیم شرف حاصل ہے کہ اس نے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کی سیرت وسنت مطہرہ کے ساتھ ساتھ ان لاکھوں افراد کی زندگیاں بھی محفوظ کر دی ہیں، جنہوں نے امام کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات و فرامین، اقوال وافعال اور تعلقات زندگی کی روایت اور جمع وتدوین کا مقدس فرض سرانجام دیا تھا۔ مشہور جرمن ڈاکٹر اسپرنگر نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی مشہور کتاب ''الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ'' کے انگریزی مقدمہ مطبوعہ کلکتہ 1853ء میں بجا طور پر اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا:

''کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری، نہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ اشخاص کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حال معلوم ہوسکتا ہے۔"

سرورِ دنیا و دین، رحمۃ اللعالمین ﷺ کی حدیث کے موضوع پر مسلمانوں نے مختلف اسلوب و انداز سے ہزاروں کتابیں لکھیں، لکھ رہے ہیں اور قیامت تک لکھتے رہیں گے، اس کے باوصف اس موضوع کی شادابی اور تر و تازگی میں کوئی فرق آیا ہے اور نہ آئے گا، اسی سلسلۃ الذہب کی ایک تازہ کڑی، گل تازہ کی طرح تازہ، ہمارے فاضل اور بزرگ دوست مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف لطیف .....ارمغانِ حدیث..... ہے، جس میں انہوں نے معاملات، آداب و اخلاق اور حقوق سے متعلق ایک سو احادیث مبارکہ کو متن اور ترجمہ و تشریح کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی.....ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور اور ماہنامہ "المعارف" لاہور کے سابق مدیر دبیر، ادارہ ثقافت اسلامیہ کے سابق ریسرچ سکالر اور بہت سی کتب کے مصنف و مترجم ہیں۔ خاکہ نگاری میں تو انہیں اس قدر دسترس حاصل ہے کہ قاری اپنے آپ کو ان شخصیات کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے ہوئے محسوس کرتا ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ ان شخصیات کو اپنے سامنے بولتے ہوئے دیکھتا ہے، جن کے خاکے ان کے قلم معجز رقم نے ترتیب دیئے ہیں، اس وقت ان کی خاکہ نگاری یا ان کے فکر و فن کے بارے میں کچھ عرض کرنا مقصود نہیں بلکہ قارئین کرام کی توجہ اس جانب مبذول کرانا مطلوب ہے کہ مولانا بھٹی صاحب نے چمن زار نبوت سے ایک سو گلہائے رنگا رنگ کا انتخاب کر کے.....ارمغانِ حدیث..... کے نام سے یہ جو حسین و جمیل گلدستہ ترتیب دیا ہے، اس کے بوئے عطر بیز سے آپ کی مشام جاں یقیناً معطر ہوگی، آپ کے ایمان میں تازگی اور شادابی کی بہار آئے گی اور آپ کے دل کی دنیا میں کرن کرن اجالا ہو جائے گا، شرط صرف ایک ہے کہ آپ اس کتاب کا بہت توجہ سے اور تدبیر کے ساتھ مطالعہ کریں اور اس کی ایک ایک بات کے ساتھ آج ہی سے عمل شروع کر دیں۔

مقام مسرت ہے کہ طارق اکیڈمی کو "ارمغانِ حدیث" کے زیور طبع سے آراستہ کرانے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے، امید ہے قارئین کرام کے لیے یہ کتاب ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ ہوگی۔ اللہ رب ذوالجلال کے حضور دست بدعاء ہوں کہ وہ اس ادنیٰ سی کاوش کو شرف قبولیت سے نوازیں اور اس کے مصنف، ناشر اور جملہ قارئین کو دنیا و آخرت کے حسنات و برکات سے سرفراز فرمائیں۔ آمین یارب العالمین

محمد خالد سیف

12 ستمبر 2007ء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حرفے چند

اسلام کا قصرِ رفیع جن مضبوط ترین بنیادوں پر استوار ہے وہ ہیں عبادات اور معاملات.....
عبادات کا سلسلہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ عظیم الشان امور کی تفصیلات سے عبارت ہے، جن کی ادائیگی ہر مسلمان پر فرض ہے۔ جو شخص مالی اور بدنی استطاعت کے باوجود ان فرائض کو ادا کرنے سے گریزاں ہے، وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ اس کی صراحت قرآن وحدیث میں فرمادی گئی ہے اور علمائے امت نے اس بنیادی موضوع پر بے شمار کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

دوسرا سلسلہ معاملات کا ہے جو بہت پھیلا ہوا ہے اور انسان کی دنیوی زندگی کے ہر پہلو پر محیط ہے۔ اس میں مسلمان اور غیر مسلم سبھی شامل ہیں۔ تجارت، زراعت، اخلاق، آداب، آپس کے تعلقات، ایک دوسرے کے حقوق، بیع وشرا، ملازموں کے حقوق، مزدوروں کے حقوق، حتیٰ کہ جانوروں اور ڈنگر ڈھوروں کے حقوق، کھانے پینے کے آداب، معاشرتی روابط، غیر مسلموں سے میل جول کی نوعیت، حاکم ومحکوم اور رعیت وراعی کے باہمی علائق وغیرہ لاتعداد امور ہیں جو معاملات کے دائرے میں شامل ہیں، جن کی کتبِ احادیث میں باقاعدہ ابواب کے تحت وضاحت فرمائی گئی ہے اور اس موضوع کے ہر گوشے کو معرضِ بیان میں لایا گیا ہے۔ جس طرح عبادات کی بجاآوری ضروری ہے، اسی طرح معاملات پر عمل کرنا بھی اسلام کی رو سے ضروری قرار پاتا ہے۔ ہمارے ہاں لوگ عبادات پر تو زور دیتے ہیں، لیکن معاملات کے متعدد پہلوؤں کو نظر انداز کر جاتے ہیں، حالانکہ شرعی اعتبار سے معاملات کو بھی انتہائی اہمیت حاصل ہے۔

نبی ﷺ کو یہ عظیم الشان شرف حاصل ہے کہ آپ سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی اور قصرِ رسالت (ﷺ) کی آخری اینٹ ہیں جو گونا گوں برکات سے معمور اور بوقلموں سعادتوں سے بھرپور ہے۔ بارگاہِ خداوندی سے جن فرائض کار سے نبی ﷺ کو سرفراز فرمایا گیا ہے، انھیں ہم موٹے موٹے چار حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں اور وہ ہیں۔

o تعلیم o تبلیغ o تزکیہ.....اور o تبیین

اب ان چاروں کی چند الفاظ میں تشریح ملاحظہ ہو:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆تعلیم:

تعلیم کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم اور کائناتِ انسانی کو اس کے رموز واسرار سے آشنا فرمایا۔ قرآن کے الفاظ میں ﴿وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (البقرہ:۱۵۱)﴾ ''نبی ﷺ تمھیں کتاب اور دانائی کی باتیں سکھاتے ہیں۔''

یہاں کتاب سے مراد قرآن مجید اور حکمت سے مراد حدیث مبارکہ ہے۔ یعنی نبی ﷺ لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم بھی دیتے ہیں اور انھیں اپنے ارشادات کی دولت سے بھی مالا مال فرماتے ہیں۔

☆تبلیغ:

تبلیغ کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مطلع فرمایا ہے، وہ بلا کم وکاست لوگوں تک پہنچا دیں۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ۔ (المائدۃ:۶۷)

''اے پیغمبر (ﷺ) جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے، وہ سب کا سب لوگوں تک پہنچا دیجیے۔''

☆تزکیہ:

تزکیہ کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ اپنی تعلیم وتبلیغ کے ذریعے لوگوں کے ذہنوں کو جلا بخشتے ہیں، دلوں پر جمی ہوئی زنگ اتارنے کی سعی فرماتے ہیں، فکر ونظر کو تابندگی کی نعمت عظمیٰ سے بہرہ ور کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔

﴿وَيُزَكِّيكُمْ﴾ ''تمھیں پاک صاف بناتے ہیں۔''

☆تبیین:

تبیین سے مقصود یہ ہے کہ قرآنِ مجید میں جن احکام واوامر اور فرائض واعمال کا ذکر فرمایا گیا ہے، نبی ﷺ اپنے قول وعمل سے اس کی وضاحت فرماتے ہیں اور مناسب الفاظ اور خوب صورت اسلوب میں اپنی امت کو اس کی تشریح وتفصیل سے آگاہ کرتے ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نماز کا حکم دیا گیا ہے تو نبی ﷺ اس کی تشریح کرتے ہیں اور لوگوں کو بتاتے ہیں کہ دن رات میں کتنی نمازیں فرض ہیں، سنن ونوافل کیا ہیں اور رکوع وسجود میں کیا کچھ پڑھنا چاہیے؟ مناسک حج کون کون سے ہیں اور ان کے ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ روزے کی تفصیلات کیا ہیں؟ نصابِ زکوٰۃ کیا ہے؟ تجارت اور کاروبار میں کن امور کو پیش نگاہ رکھنا ضروری ہے؟ فرمایا:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ۔ (النحل:٤٣)

''اور (اے پیغمبر ﷺ) ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے تاکہ جو باتیں لوگوں پر نازل ہوئی ہیں وہ باتیں آپ کھول کر بیان کردیں تاکہ وہ غور وفکر سے کام لیں۔''

اس کے معنی یہ ہیں کہ قرآنِ مجید نے نبوت ورسالت کے تصور کو جس اسلوب سے نکھارا اور جس نہج سے بیان کیا اور جس انداز سے نبی ﷺ کی اطاعت کو ضروری قرار دیا، یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ امتِ مسلمہ نے ہر عہد اور ہر زمانے میں نبی ﷺ کے فرامین وارشادات کو مشعل راہ بنایا، ان کی حفاظت کا ہمیشہ پورا پورا اہتمام کیا، ان پر خود عامل ہوئے اور لوگوں کو ان پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے رہے، اب بھی حالات کے مطابق علماے امت کا یہی طرزِ عمل اور یہی نقطہ نظر ہے۔

گزارش کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ قرآن مجید کے معلم بھی تھے، مبلغ بھی تھے، مفسر بھی تھے اور شارح بھی تھے۔ آپ کی تعلیم، تبلیغ اور تربیت ہی کا فیض تھا اور فیض ہے کہ لوگ توحید خداوندی کے بنیادی حقائق سے باخبر ہوئے، ان کے ذہنی اُفق میں بلندی آئی، فکر ونظر کے زاویے بدلے، ان کی صلاحیتوں میں روشنی آئی، اسلامی تہذیب وتمدن نے ارتقا کی نئی سے نئی منزلیں تلاش کیں اور نہایت حسن وخوبی کے ساتھ ان منزلوں کو طے کیا اور اخلاق وکردار کی انتہائی خوش نما وادیوں میں قدم زن ہونے کی سعادت حاصل کی۔ اسی کو صبغۃ اللہ کہا جاتا ہے۔

وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً

یعنی ان کے ذہن وفکر پر جو رنگ چڑھا ہے، وہ اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت شعاری کا رنگ ہے، جس سے خوب صورت کوئی رنگ نہیں ہوسکتا۔ یہی اسوۂ حسنہ ہے اور یہی دنیوی کامیابیوں اور اُخروی کامرانیوں کا ضامن ہے۔

اس کتاب کا تعلق معاملات سے ہے.....اور اس موضوع سے متعلق نبی ﷺ کی احادیث

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مبارکہ اور آپ کے ارشاداتِ عالیہ کا دائرہ بے حد وسیع ہے جو دنیا میں پیش آنے والے ہر معاملے کا احاطہ کیے ہوئے ہے..... ہمسائے کے حقوق کو لیجیے..... اس کا حلقہ اپنے گھر سے لے کر دور دراز تک پھیلا ہوا ہے۔ تجارت اور کاروبار کی مختلف شکلوں پر غور فرمایئے بے حد وسعت پذیر ہیں۔

حقوق کا سلسلہ ہمہ گیر نوعیت کا ہے۔ عام انسانوں کے حقوق، والدین کے حقوق، بیوی بچوں کے حقوق، رشتے داروں کے حقوق، ملازموں اور ماتحتوں کے حقوق، آقا و غلام کے حقوق، معلم اور متعلم کے حقوق، دوستوں اور ملنے جلنے والوں کے حقوق، غربا و مساکین کے حقوق، مسافروں کے حقوق، مہمانوں کے حقوق۔ ان حقوق کی وسعت پذیری میں ایک جہانِ معنیٰ آباد ہے اور اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ کتبِ حدیث میں مذکور ہے۔

اس فقیر نے معاملات کے موضوع کے بارے میں اپنے محدود علم کے مطابق اس مختصر کتاب کی صورت میں ایک چھوٹی سی کہکشاں سجانے کی کوشش کی ہے۔ نبی ﷺ کی ایک سو احادیث متن اور ترجمہ و تشریح کے ساتھ اس میں جمع کر دی گئی ہیں۔ اگر کسی صاحب کے لیے یہ مجموعہ ذہنی اور فکری اعتبار سے نفع بخش ثابت ہو تو ازراہِ کرم وہ اس فقیر کے لیے دعائے خیر فرمائیں۔

اس مجموعہ احادیث کو "ارمغانِ حدیث" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یعنی خوانندگانِ محترم کی خدمت میں نبی ﷺ کی احادیثِ پاک کا تحفہ اور ارشاداتِ پیغمبر کی سوغات!

امید ہے قارئین کرام اس فقیرِ بے نوا کی طرف سے دربارِ پیغمبری کے اس تحفے اور بارگاہِ نبوت کی اس سوغات کو شرفِ قبول بخشیں گے۔

بندۂ عاجز

محمد اسحاق بھٹی

اسلامیہ کالونی، ساندہ، لاہور

ٹیلی فون: 7143677

25 جون 2006ء

۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ

بروز اتوار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

افضل ترین اعمال

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ سُئِلَ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ؟ فَقَالَ اِیْمَانٌ لَاشَکَّ فِیْهِ وَجِهَادٌ لَاغُلُوْلَ فِیْهِ وَحَجَّةٌ مَبْرُوْرَةٌ۔ (نسائی، کتاب الایمان، باب ذکر افضل الاعمال)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ کون سے اعمال سب سے افضل ہیں؟ آپ نے فرمایا، وہ ایمان جس میں کوئی شک نہ ہو، وہ جہاد جس میں کوئی خیانت نہ ہو اور حج مبرور۔!

اس مختصر حدیث میں تبلیغ دین، اشاعتِ اسلام اور اعمالِ حسنہ کے تین اصول بیان کیے گئے ہیں، یہ وہ اصول ہیں جو عمل میں استحکام اور کردار میں مضبوطی کا سبب بنتے ہیں۔

ان میں ایک اصول یہ ہے کہ جو شخص زبان سے ایمان کا اقرار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ، میں اللہ پر ایمان لایا۔ وہ دل کی گہرائی اور قلب کی صفائی کے ساتھ ایمان لائے۔ اسلام جو تعلیم دیتا ہے، اس پر پوری طرح عمل کرے۔ اس کی زندگی کے شب و روز اسلام کی رہنمائی میں بسر ہوں۔ اس کی عبادات کا مرکز و مرجع رضائے الٰہی ہو اور اس کے تمام معاملات شریعت اسلامی کے پیکر حسین کا صحیح نمونہ پیش کریں۔ وہ کسی سے مصروفِ گفتگو ہو تو اللہ کی رضا مندی کے لیے، کسی سے کوئی معاملہ کرے تو فقط لوجہ اللہ، نہ کسی سلسلے میں کسی کو پریشان کرے، نہ کام کرنے کے بعد احسان جتائے، خود بھی صاف ستھری اور بے لاگ اور بے ریا زندگی بسر کرے اور اپنے ملنے جلنے والوں کو بھی اسی کی تلقین کرے۔ اس کی کوشش ہونی چاہیے کہ کسی کو اس کے عمل و حرکت سے کوئی نقصان نہ پہنچے۔ وہ جو قدم بھی اٹھائے، اس میں مخلوق خدا کی بھلائی، اس کا بنیادی مقصد ہو۔ اس کا قول، اس کے فعل سے ہم آہنگ ہو اور اسے دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں اسلام کی محبت اور اس کی تبلیغ و اشاعت کا جذبہ کروٹ لینے لگے۔ اسلام کی حقانیت اور دین کی صداقت اس کے دل میں اس قدر راسخ اور پیوست ہو جائے کہ اس کے کسی گوشے اور کسی پہلو پر بھی اُسے قطعاً

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی شک اور شبہ باقی نہ رہے، وہ اسی کو اپنی زندگی کا مقصدِ وحید اور اوڑھنا بچھونا بنالے۔

یہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مسلمان کی ہر ادائے مخلصانہ نیکی ہے اور اس کا ہر اسلوبِ حیات جو ریاو سُمعہ سے پاک ہو، اسلامی تعلیم کا حصہ ہے۔ ماں باپ کی خدمت، بڑوں کی توقیر، چھوٹوں پر نگاہِ شفقت، بیوی بچوں کے لیے رزقِ حلال کی تلاش، رشتے داروں اور عزیزوں سے میل جول، بہن بھائیوں سے حسنِ سلوک، دفتری اوقات کی پابندی اور اپنے مفوضہ کام کی انجام دہی، دوستوں سے بہتر تعلقات، ہمسائیوں سے اچھے مراسم، اپنے رفقائے کار سے ہمدردی وغیرہ تمام امور تعلیماتِ اسلامی میں داخل ہیں اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔ ان باتوں سے ایمان مکمل ہوتا ہے اور اس کی صحت و تکمیل میں شک و شبہے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

افضلیتِ اعمال اور حسنِ کردار کا دوسرا اصول اس حدیث میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ انسان جہاد میں خیانت کا ارتکاب نہ کرے۔ جہاد ہر اس کوشش اور جدوجہد کو کہا جاتا ہے جو اللہ کی راہ میں اور اس کے دین کو پھیلانے کے لیے کی جائے۔ اس میں میدان جنگ میں تلوار لے کر نکلنا بھی شامل ہے اور قول و عمل سے اسلام کی تبلیغ و اشاعت بھی داخل ہے۔

جہاد کا یہ سلسلہ کامل خلوص اور پوری نیک نیتی سے جاری رہنا چاہیے۔ کسی قسم کی خیانت اور بدنیتی ہرگز نہیں ہونی چاہیے۔ اگر میدانِ جنگ میں ہو تو مقصد محض مالِ غنیمت کا حصول، اسلحہ حرب کی چوری، لوگوں میں شہرت و ناموری کا جذبہ اور اپنی بہادری و شجاعت کے جوہر دکھانا نہ ہو۔ بلکہ اصل مقصد رضائے الٰہی اور خدمتِ اسلام ہو۔ اگر کسی اور صورت میں نشرِ اسلام میں مصروف ہے تو بھی دل میں وہی داعیہ کارفرما ہونا چاہیے جس سے اللہ کی خوشنودی کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ فقط اپنے علم و فضل کا اظہار پیشِ نظر نہیں رہنا چاہیے۔

تیسری چیز جو افضل اور بہترین اعمال میں شامل ہے، حجِ مبرور ہے۔ یعنی وہ حج جو محض اس لیے کیا جائے کہ صاحبِ استطاعت اور مال دار پر فرض ہے اور اس فرض کو ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔ حج میں دنیا کا لالچ اور طمع پنہاں نہ ہو۔ یعنی تجارت اور نفع اندوزی مقصد نہ ہو۔ نہ یہ بات ہو کہ لوگ اسے حاجی کہیں اور اس کی شہرت میں اضافہ ہو۔

یہ تینوں افضل ترین اعمال اور دین کے عمدہ ترین اصول ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قابلِ احترام لوگ

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ اللّٰہِ اِکْرَامُ ذِی الشَّیْبَۃِ الْمُسْلِمِ وَحَامِلِ الْقُرْاٰنِ غَیْرَ الْغَالِیْ فِیْہِ وَلَاالْجَافِیْ عَنْہُ وَاِکْرَامُ السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ۔

(ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی تنزیل الناس منازلھم)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی عمر رسیدہ مسلمان کی عزت کرنا اور اس حافظِ قرآن کی تعظیم بجالانا جو اس میں کمی بیشی سے کام نہ لیتا ہو اور عادل بادشاہ کی توقیر کرنا، اللہ تعالیٰ کی تکریم میں سے ہے۔

حدیث کے الفاظ بالکل واضح ہیں۔ اس میں تین قسم کے لوگوں کی تکریم و توقیر مسلمان پر ضروری قرار دی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ یہ اللہ عزوجل کے اجلال کا حصہ ہے کہ ان افراد کا اکرام کیا جائے، جو ان تین اوصاف کے حامل ہوں۔

۱۔ وہ مسلمان جس کی زندگی احکام اسلامی کی بجا آوری اور اللہ کے دین کی نشر و اشاعت میں گزری اور وہ عمر کی آخری منزل میں پہنچ گیا، لیکن اپنے آپ کو کبھی اسلام کی رہنمائی سے آزاد نہیں کیا۔ اس کی حیاتِ مستعار کا ہر گوشہ اور اس کی زندگی کا ہر پہلو ہمیشہ اسلام اور اس کے اوامر و نواہی کی ذمہ داریوں میں جکڑا رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اس کی عزت کرنا ضروری ہے۔ جو شخص اللہ کے اس نیک بندے کی تکریم کرتا ہے، وہ اللہ کی تکریم کے تقاضوں کو پورا کرتا اور اس کی جلالتِ قدر کو ملحوظ رکھتا ہے اور اس کے برعکس جو اس کی بے عزتی یا تذلیل کے درپے ہے، وہ اللہ کی نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے، جو خود اس کی اہانت و رسوائی پر منتج ہوگی۔

۲۔ وہ حافظِ قرآن یا حاملِ قرآن جو قرآن حکیم کے احکام و مضامین بلاکم و کاست بیان بھی کرتا ہے اور ان پر عامل بھی ہے اور اس باب میں وہ اس درجہ دیانت دار بھی ہے کہ افراط اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تفریط سے قطعاً کام نہیں لیتا اور نہ قرآن کی قرأت وغیرہ میں کسی نوع کے تکلف کا مظاہرہ کرتا ہے۔ نہ الفاظ و معانی اور مطالب و مفہوم میں اپنی طرف سے کچھ بڑھاتا ہے اور نہ کسی کی رعایت کرتا اور نہ کسی کو خوش کرنے کی غرض سے یا طمع و حرص میں آ کر اصل مضمون کے کسی حصے میں کمی بیشی کرتا ہے۔ یہ شخص صحیح معنوں میں حاملِ قرآن اور مبلغ احکام الٰہی ہے اور اس نے زندگی کا اصل مقصد اسی کو قرار دے لیا ہے۔ یہ شخص بے حد خوش نصیب ہے اور اس کی عزت کرنا ہمارے فرائض میں شامل ہے۔ چونکہ اس نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر رکھا ہے اور خود کو قرآن کے حوالے کر دیا ہے، اس لیے اس کا اکرام، اللہ کے اجلال پر دلالت کناں ہے۔

۳۔ تیسرا درجہ اس سلطان کا ہے جو حق و انصاف کے معاملے میں کسی کی رعایت نہیں کرتا۔ اس کے تمام فیصلے عدل و انصاف کی میزان میں تُل کر صادر ہوتے ہیں۔ نہ وہ کسی پر ظلم کرتا ہے اور نہ ظالم کو قابلِ معافی سمجھتا ہے۔ اس کا ہر قدم جادۂ حق پر ہے اور وہ قسط و عدل کی سیدھی راہ پر گامزن ہے۔

یہ شخص سلطانی و اختیارات کی اونچی مسند پر فائز ہونے کے باوجود حق کا حامی اور ظلم کا دشمن ہے اور وہی کام کرتا ہے جس کی اسلام اجازت دیتا ہے۔ یعنی اس نے اپنے آپ کو کُلی طور پر اسلام کی تحویل میں دے رکھا ہے۔ اس کا احترام و وقار ضروری ہے۔ اس لیے نہیں کہ وہ حکمران ہے بلکہ اس لیے کہ وہ عادل سلطان اور منصف حکمران ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ''سلطان'' سے مراد، ان معروف اور متوارد معنی میں سلطان نہیں ہے جو واقعتہً کسی ملک یا سلطنت کے تخت و تاج کا مالک اور فرماں روا ہو، بلکہ اس سے ہر وہ شخص مراد ہے جو کسی معنی میں بھی بااختیار ہے اور کسی ایسی مسند پر فائز ہے، جہاں اس سے عدل و انصاف اور ظلم و جور دونوں کا صدور ممکن ہے۔ اس کے معنی بہت وسیع ہیں جو بڑے چھوٹے ہر بااختیار کو اپنی وسعت میں لیے ہوئے ہیں اور بادشاہ و وزیر سے لے کر نچلے درجے تک ہر صاحبِ اختیار پر ان کا اطلاق ہوتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شہرت و ناموری سے بچنے کی تاکید

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ مَنْ سَمَّعَ النَّاسَ بِعَمَلِهٖ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ اَسَامِعَ خَلْقِهٖ وَحَقَّرَهٗ وَصَغَّرَهٗ۔ (مشکوٰۃ فصل ثانی، باب الریاء والسمعۃ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، جو شخص لوگوں میں اپنے عمل کی تشہیر کرتا ہے، اللہ ان لوگوں کے کانوں میں اس کی بدنیتی کی سب باتیں پہنچا دیتا ہے، اور اسے حقیر اور ذلیل بنا دیتا ہے۔

بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے چھوٹے بڑے ہر کام کی تشہیر کرتے ہیں، اسے لوگوں میں پھیلاتے اور ہر شخص کے سامنے اس کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کے لیے جو ذرائع بھی انھیں میسر آ سکتے ہوں، انھیں استعمال میں لاتے ہیں اور ہر بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔ اپنی تعریف میں اخباروں میں خطوط چھپواتے ہیں اور پروپیگنڈے کا جو ذریعہ بھی مفید مطلب ہو سکتا ہے، اس سے کام لیتے اور اپنے نام کو اونچا کرنے کے لیے ہر طریقہ اختیار کرتے ہیں۔

وہ لوگ سماجی کاموں میں حصہ لیتے اور چندہ دیتے ہیں، مسجدوں کی تعمیر میں روپے خرچ کرتے ہیں، دینی درس گاہوں کی مدد کرتے ہیں، ضرورت مندوں، مستحقوں، یتیموں، مسکینوں، بیواؤں کو صدقات و خیرات دیتے ہیں، مذہبی جماعتوں کو عطیات سے نوازتے ہیں، معاشرتی بہبود کے اداروں کی اعانت کرتے ہیں، مگر اس سے ان کے دل میں یہ خواہش پنہاں ہوتی ہے کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عوام میں ان کی شہرت ہو، لوگ ان کا بہتر الفاظ میں ذکر کریں، اخباروں میں اچھے تعارف کے ساتھ ان کی تصویریں چھپیں، جگہ جگہ ان کی سخاوت کے تذکرے ہوں، مسجدوں اور جلسوں میں ان کے چندے کا تعریفی الفاظ کے ساتھ اعلان کیا جائے۔ جن اداروں کی تعمیر و ترقی میں وہ حصہ لیتے ہیں، ان میں ان کے نام اور چندے کی تختی نصب کی جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث مبارکہ میں فرمایا ہے کہ نام ونمود کی یہ سب تمنائیں اور شہرت وناموری کی یہ تمام خواہشیں سراسر غلط، منافیِ اسلام، خلافِ انسانیت اور قابلِ مذمت ہیں۔

جو لوگ شہرت اور ناموری کے لیے دوڑ دھوپ کرتے اور کئی قسم کے تکلفات میں پڑتے ہیں، دراصل نفسیاتی طور پر وہ احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں۔ وہ اپنے اندر کی اصل کمزوری سے اچھی طرح باخبر ہوتے ہیں اور انھیں خوب معلوم ہوتا ہے کہ وہ اخلاق کی بلندی اور علمی وعملی کمالات سے محروم ہیں۔ اس کمی کو پورا کرنے کی ان کے نزدیک یہی آسان صورت ہوتی ہے کہ عوام میں شہرت حاصل ہو اور لوگ ان کی عزت کریں۔ حالانکہ اس طرح حاصل کی گئی عزت ہمیشہ عارضی ثابت ہوتی ہے اور لوگوں کے دلوں میں ان کا کوئی احترام جاگزیں نہیں ہوتا۔ اصل عزت اور اصل آبرو وہی ہے جو اخلاق کی بلندی، کردار کی رفعت اور اخلاص کی دولت سے حاصل ہو۔ اپنی بڑائی کی ناجائز خواہش سے معاشرے میں کوئی اہم جگہ نہیں مل سکتی۔

معاشرے میں صحیح احترام کے لیے خلوص کی دولت سے مالا مال ہونا ضروری شرط ہے۔ جن لوگوں کا خزانۂ قلب خلوص کی دولت سے خالی اور صحیح ہمدردانہ جذبات سے تہی ہوگا، وہ معاشرے میں اس مرتبے کو نہیں پہنچ سکتے، جس کے وہ طالب ہیں۔ ان کی نیک نامی کی شہرت کی بجائے قدرتی طور پر ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں سے ان کا اثر ختم ہو جاتا ہے اور آہستہ آہستہ تکمیلِ تمنا کی تمام امیدیں منقطع ہو جاتی ہیں۔

اس قسم کے لوگوں کی غلط تمناؤں کا جب لوگوں کو علم ہوتا ہے اور ان کی ناروا خواہش مختلف مقامات سے گردش کرتی ہوئی معاشرے کے اچھے افراد کے کانوں میں پہنچتی ہے، تو ان کی رہی سہی آبرو بھی جاتی رہتی ہے اور وہ لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہو جاتے ہیں۔ اصل چیز جو انسان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی متاعِ عظیم ہے اور جسے اللہ، اس کے رسول ﷺ اور لوگوں کے نزدیک قدر و منزلت حاصل ہے، وہ اخلاص ہے۔ ریا و سمعہ اور دکھلاوے کو اللہ کی بارگاہِ عالی میں قطعاً کوئی اہمیت حاصل نہیں..... دکھلاوے اور ریا کے لیے خواہ کتنا ہی مال و دولت خرچ کیا جائے اور لوگوں کی خدمت کا بے شک کتنا ہی ڈھنڈورا پیٹا جائے، اللہ کے حضور اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں، بلکہ اس کے نتائج ہمیشہ غلط نکلتے ہیں اور لوگ بالآخر اس قسم کی ذہنیت کے لوگوں سے نفرت کا اظہار کرنے لگتے ہیں یہ بالکل سیدھی بات ہے کہ جو کام جس نیت سے کیا جائے، اسی پس منظر میں اس کا صلہ ملتا ہے۔ اللہ کی طرف سے بہتر بدلہ اسی کام کا ملتا ہے جو صرف اللہ کی رضا مندی اور خوش نودی کے لیے کیا جائے اور جس میں خدمتِ خلق کا مخلصانہ جذبہ کارفرما ہو۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے یہی فرمایا ہے کہ جو شخص اپنی ذاتی شہرت اور ناموری کے لیے کوئی عمل کرے گا، اللہ کی طرف سے ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے کہ وہ لوگوں کی نظروں سے گر جائے گا اور معاشرے میں اس کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہے گی۔ اس لیے انسان کا فرض ہے کہ وہ لوجہ اللہ انسانیت کی خدمت کو اپنا مطمحِ نظر ٹھہرائے اور وہی کام کرے جس میں اللہ کی رضا اور مخلوقِ خدا کی بھلائی مضمر ہو۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام کی بے مثال خوبی

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَءُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ۔ (صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب افشاء السلام من الاسلام)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اسلام کی کون سی خوبی اپنے اندر بہتری لیے ہوئے ہے؟ فرمایا یہ کہ لوگوں کو کھانا کھلاؤ اور ہر اس شخص کو جس کو تم جانتے ہو یا نہیں جانتے ہو، سلام کہو۔

اسلام بے شمار خصائل وخصوصیات کا حامل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر اس کی مختلف خصوصیات کی وضاحت صحابہ کرام کے بعض سوالات کے جواب میں بھی فرمائی ہے اور از خود بھی اس کی بہت سی شقوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔ آپ کی یہ عادتِ مبارکہ تھی کہ آپ سائل کی نفسیات اور موقع ومحل کے مطابق جواب دیتے تھے۔ جس شخص میں آپ جو کوئی کمی محسوس فرماتے، مناسب الفاظ اور خاص اسلوب میں اس کی نشان دہی کرتے اور اسے تلقین فرماتے کہ اس کمی کو دور کرنا چاہیے مثلاً کسی شخص میں زیادہ باتیں کرنے اور جھگڑنے کی عادت ہے تو اسے خاموش رہنے اور نزاع وخصومت سے دامن بچانے کی تاکید فرمائی، کوئی بیوی بچوں پر سختی کرنے کا عادی ہے تو اسے نرمی اور شفقت سے پیش آنے کی تلقین کی، کوئی سخت مزاج ہے تو اس کو لینت کا ثبوت بہم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہنچانے کے لیے کہا، کوئی گھر کے کام کاج میں سست ہے تو اسے خانگی امور میں مصروف رہنے کا درس دیا۔ کوئی سلام کہنے کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا تو اس کو دعا و سلام کی خوبیاں بتائیں۔

صحیح بخاری کی یہ حدیث بھی اسی ضمن میں آتی ہے اور اس میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں جن کو حضور ﷺ نے اسلام کے بہترین خصائل سے تعبیر فرمایا ہے۔ ایک یہ کہ لوگوں کو کھانا کھلاتے رہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کنجوسی اور بخل سے کام نہ لو۔ جہاں تک ہو سکے سخاوت کا مظاہرہ کرو۔ بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ خود تو خرچ کرنے سے ہاتھ کھینچتے ہیں اور دوسرے کی جیب کی طرف دیکھتے رہتے ہیں۔ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور اپنی گرہ سے خرچ کرنے اور لوگوں کو کھلانے پلانے کا درس دیا ہے۔

دوسری بات نبی ﷺ نے اس حدیث میں یہ ارشاد فرمائی ہے کہ ایک دوسرے کو سلام کرتے رہو۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ اس شخص کو سلام کیا جائے جس سے جان پہچان ہو، بلکہ ہر شخص کو سلام کیا جائے، اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہو۔

''سلام'' کے معنی ہیں، سلامتی کی دعا کرنا اور اس کا مطلب یہی ہے کہ انسان امن و سلامتی کے دائرے میں داخل ہو جائے۔ یعنی جب کوئی شخص دوسرے کو سلام کہتا ہے تو اس کے لیے سلامتی اور امن کی دعا کرتا ہے، پھر جواب دینے والا بھی اس کے لیے یہی دعا کرتا ہے۔ گویا دونوں نے ایک دوسرے کے لیے اللہ سے خیر و عافیت میں رہنے اور امن و سلامتی کی زندگی بسر کرنے کی دعا کی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث ''باب افشاء السلام من الاسلام'' میں درج کی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ سلام کو عام کرنا اور پھیلانا اسلام کا ایک جز ہے۔ یہاں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ عَمَّار ثلث من جمعهن فقد جمع الايمان الانصاف من نفسك وبذل السلام للعالم والانفاق من الاقتار۔

ترجمہ: حضرت عمار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس نے تین چیزوں کو جمع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرلیا ، اس نے پورے ایمان کو اپنے اندر جمع کرلیا۔ (وہ تین چیزیں ہیں) اپنے آپ کے ساتھ انصاف کرنا، لوگوں میں سلام پھیلانا اور فقر وفاقے کی حالت میں خرچ کرنا۔

اس میں پہلی بات یہ بتائی گئی ہے کہ اپنے آپ سے انصاف کرنا: اس کا مطلب یہ ہے کہ خود کو برائیوں سے بچانا، ظلم وتعدی اور ستم وطغیانی سے محفوظ رکھنا اور اپنی جان کے لیے آسودگی، راحت اور سلامتی کا سامان بہم پہنچانا۔ خواہ مخواہ تکلیف اور مشقت میں مبتلا نہ ہونا۔ روحانی سکون، قلبی اطمینان اور جسمانی آرام کے لیے فضا ہموار کرنا۔

دوسری بات یہ ہے کہ لوگوں کو ''السلام علیکم'' کہنا، یعنی سب کے لیے اللہ سے سلامتی اور امن کی دعا کرتے رہنا اور دوسرے کو یہ یقین دلانا کہ میں تمھارا بہی خواہ ہوں اور ہر لحاظ سے تمھاری خیر وعافیت کا طالب ہوں۔

تیسری بات یہ کہ غربت اور فقر کی حالت میں بھی اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق خرچ کرتے رہنا۔ مثلاً قومی کاموں میں روپے پیسے کی ضرورت ہو تو جو کچھ آسانی سے دے سکتا ہو دینا چاہیے۔ جو لوگ مالی لحاظ سے کمزور ہوں اور ضرورت مند ہوں ان کی مدد کرنی چاہیے۔ مہمان کی خدمت کرنی چاہیے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان صرف اس لیے خرچ نہیں کرتا کہ لوگ زیادہ خرچ کر رہے ہیں اور وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا، وہ چند روپے ہی دے سکتا ہے، زیادہ دینے کی استطاعت نہیں ہے اور تھوڑا دینے سے شرم آتی ہے۔ اس کی پروا نہیں کرنی چاہیے جو کچھ اپنی ہمت کے مطابق خرچ کرسکتا ہو، بلا جھجک کرنا چاہیے۔ اپنی حیثیت کے مطابق اس کا تھوڑا خرچ کرنا بھی بارگاہِ الٰہی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باپ کے دوست کا احترام

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ إِنَّ أَبَرَّ الْبِرِّ أَنْ يَصِلَ الرَّجُلُ أَهْلَ وُدِّ أَبِيْهِ۔ (ترمذی، ابوب البر والصلۃ باب ماجاء اکرام صدیق الوالد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے، سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ انسان اپنے باپ کے حلقۂ احباب سے تعلقات قائم رکھے۔

رسول اللہ نے ان تمام امور کی وضاحت فرمادی ہے جو اخلاقیات کے مختلف دائروں سے تعلق رکھتے ہیں۔ عام لوگوں سے میل جول کے آداب، رشتے داروں سے مراسم استوار رکھنے کے طریقے، بہن بھائیوں سے برتاؤ کا انداز، ماں باپ سے پیش آنے کے اسالیب، اولاد و احفاد سے تعلقات کے اصول، چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی تکریم۔ یہ اور اس قسم کی تمام باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل سے بیان فرمادی ہیں اور اس کی صراحت کردی ہے کہ معاشرے کے کن لوگوں سے کس نوعیت کے مراسم قائم رکھنے چاہئیں۔

جیسا کہ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی وضاحت فرمادی ہے کہ باپ کے دوستوں اور حلقۂ احباب سے بھی تعلقات قائم رکھنے چاہئیں اور ان کی پوری عزت کرنی چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرزِ عمل کو بہت بڑی نیکی قرار دیا ہے۔

بات یہ ہے کہ اسلام کے احکام کسی خاص دائرے تک محدود نہیں ہیں اور اس کے اوامر و نواہی کا سلسلہ کسی ایک ہی موضوع میں سمٹا اور سکڑا ہوا نہیں ہے، بلکہ اس کی حدیں دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ وہ زندگی کے ہر شعبے پر محیط اور انسان کو پیش آنے والی ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔ اس کے نزدیک نیکی کی تعریف بڑی وسعت پذیر ہے اور اپنے اندر انتہائی جامعیت رکھتی ہے۔ اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ نہایت خوب صورت طریقے سے جچے تلے الفاظ میں ان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اقدار کی تصریح کرتا ہے جو انسان کے فکر و عمل سے عین مطابقت رکھتی ہیں اور معاشرے کے افراد میں باہمی محبت اور ایک دوسرے سے الفت اور یگانگت کو زیادہ سے زیادہ مضبوط و مستحکم بنانے کا ذریعہ ثابت ہوتی ہیں۔

اس حدیث کو لیجیے، یہ چند الفاظ ایک چھوٹے سے جملے پر مشتمل ہیں۔ مگر اس میں جس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، وہ انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ باپ کا اگر کوئی مخلص دوست ہو تو وہ لازماً اپنی ہمدردیوں کا مرکز اپنے دوست کی اولاد کو سمجھتا ہے۔ اس کی زندگی میں بھی وہ اس کی اولاد سے ہمدردانہ برتاؤ کرتا ہے اور اگر وہ فوت ہو جائے تو اس کے ہمدردانہ رویے میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ کوشش کرتا ہے کہ دوست کی وفات کے بعد اس کی اولاد کو کسی ذہنی پریشانی سے دوچار نہ ہونا پڑے اور وہ کسی قسم کی تکلیف میں مبتلا نہ ہو۔ لیکن اس کا زیادہ تر انحصار خود ان کے مرحوم دوست کی اولاد کے اس طرزِ عمل پر ہوتا ہے، جو وہ اس کے بارے میں اختیار کرتی ہے۔ اگر وہ اپنے باپ کے دوست سے تعلقات استوار رکھے گی تو ظاہر ہے وہ بھی اس کو اپنی ہمدردیوں کا مستحق سمجھے گا اور کوشش کرے گا کہ ہمارے مراسم میں مزید استحکام پیدا ہو اور بالفرض اس کی اولاد اپنے باپ کے دوست کو ناقابلِ اعتنا سمجھنے لگے تو فطرتاً خود اس کے دل میں بھی ان کے بارے میں وہ جذبات باقی نہ رہیں گے جو آئندہ زندگی میں بہتر نتائج کا باعث بن سکیں۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی انسانی نفسیات سے عین ہم آہنگ ہے کہ اولاد کو باپ کے دوست سے تعلقات قائم رکھنے چاہئیں اور ضروری معاملات میں مناسب حد تک اس سے مشورہ لیتے رہنا چاہیے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ دوست کی اولاد ہی سے یہ توقع رکھے کہ انہی پر اس کی عزت و تکریم کا فریضہ عائد ہوتا ہے، خود اس کا بھی فرض ہے کہ وہ بھی اس کی اولاد کی طرف دستِ تعاون بڑھاتا رہے اور انھیں مستحق اعانت سمجھتا رہے۔ ان پر شفقت کا ہاتھ رکھے اور دین و دنیا کے ہر معاملے میں ان کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتا رہے۔ تعلقات کو اپنے دوست کی زندگی کے بعد ختم نہ کر دے بلکہ جہاں تک ممکن ہو، ان سے میل جول قائم رکھے اور ان کی برابر خبر گیری کرتا رہے۔ یعنی جس طرح اولاد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے باپ کے دوست کے اکرام کو ملحوظ رکھے، اسی طرح دوست کی بھی ذمے داری ہے کہ وہ بھی اس کی اولاد کو شفقت و مہربانی کا مستحق گردانے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہترین آدمی

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ۔

(صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب خیرکم من تعلم القرآن وعلمه)

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں بہتر وہ شخص ہے جو قرآن کی تعلیم حاصل کرتا ہے اور پھر لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔

قرآن مجید اللہ کا وہ کلام ہے جو جبریل کے ذریعے اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ یہ افشردۂ نور اور مرکز ایمان ہے۔ دین کی تمام سچائیاں اور اسلام کی تمام صداقتیں اس میں جمع ہیں۔ دنیا و عقبیٰ کی کامیابیاں اس کی تعلیم میں موجود ہیں۔ اس کی ہر بات مبنی برصحت اور اس کا ہر بول حق وصداقت کا مظہر ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ اس میں شک وریب کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ آج بھی اسی صورت اور شکل میں ہمارے سامنے ہے، جس طرح کہ چودہ سو سال پہلے تھا۔ یہ وہ نطق جبریل ہے جس کے کسی لفظ، کسی حرف اور کسی نقطے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور نہ قیامت تک ہوگی۔ اللہ نے خود اس کی حفاظت کی ذمے داری قبول فرمائی۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:۹) یعنی ہم ہی نے اس نامۂ نصیحت کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

قرآن مجید کے بے شمار فضائل خود قرآن میں بھی اور کتبِ حدیث میں بھی بیان ہوئے ہیں، جو خوش قسمت حضرات اس کی تلاوت کی سعادت حاصل کرتے ہیں، ان کی بے حد فضیلت بیان کی گئی ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قرآن کی تلاوت کرنے والے کو اس کے ایک ایک حرف کے بدلے دس دس نیکیاں بارگاہِ خداوندی سے حاصل ہوتی ہیں۔ پھر جو لوگ اس کے مطالب ومعانی پر غور کرتے اور سمجھ سمجھ کر پڑھتے ہیں۔ انھیں اور بھی مستحق خیر وفضیلت قرار دیا جاتا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ جس مجلس میں قرآن مجید پڑھا جا رہا ہو، وہ بھی اللہ کے نزدیک نہایت بابرکت مجلس ہے۔

اس حدیث میں جو ابتدا میں درج کی گئی ہے، قرآن کا علم حاصل کرنے والے اور پھر آگے اس کی تعلیم کو پھیلانے والے کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو خود بھی قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دیتا ہے۔

اس حدیث کے ساتھ ہی سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ایک اور حدیث مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

اِنَّ اَفْضَلَكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ اَوْ عَلَّمَهٗ

کہ تم میں سے افضل ترین وہ شخص ہے، جو قرآن کی تعلیم حاصل کرتا ہے یا اس کی پاکیزہ تعلیم سے لوگوں کو بہرہ ور کرتا ہے۔

قرآن کی تعلیم کو عام کرنے اور پھیلانے میں جو کوشش بھی کی جائے گی، وہ خیر و فضیلت کا باعث ہوگی۔ اس کو پڑھنا، سننا، سمجھنا، لوگوں کو پڑھانا، پڑھنے اور پڑھانے والوں کی مالی امداد کرنا، قرآن مجید خرید کر مسجدوں میں رکھنا اور پڑھنے والوں میں تقسیم کرنا، سب نیکی ہے اور اس قسم کے لوگ خیر و سعادت کے حامل ہیں۔

قرآن مجید نے دنیا میں جو انقلاب پیدا کیا اور اس کی تعلیم سے انسانی ذہن اور انسانی فکر میں جو تبدیلی آئی، اس کو تاریخ میں عظیم الشان حیثیت حاصل ہے۔ اس سے تاریخ کا دھارا بالکل بدل گیا اور ایک ایسی قوم منصۂ شہود پر آئی جس نے حیرت انگیز کارنامے انجام دیے اور اقوامِ عالم میں سب سے آگے نکل گئی۔ علم و عمل، اخلاق و کردار، نظم و نسق اور شجاعت و بسالت میں کوئی اس کا حریف نہ تھا۔ آج بھی اگر قرآن کو مطمحِ نظر ٹھہرایا جائے اور اس کے احکام و ہدایات کو رسول اللہ ﷺ کے ارشادات و فرامین کی روشنی میں سمجھا جائے اور اس پر عمل کی دیواریں استوار کی جائیں تو ارتقا و تقدم کی وہی فضا پیدا ہو سکتی ہے جو چودہ سو سال پہلے پیدا ہوئی تھی اور جس کے چرچوں سے تاریخ بھری پڑی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امانت میں خیانت کی ایک قسم

جن چیزوں کے ارتکاب سے شریعت نے انسان کو سختی کے ساتھ روکا ہے، ان میں ایک چیز خیانت ہے۔ امانت میں خیانت کرنا نہایت مذموم فعل ہے۔

خیانت صرف یہی نہیں کہ کسی کے روپے پیسے میں خیانت کی جائے یا کوئی اور ایسی چیز جو کوئی شخص بطور امانت کسی کے سپرد کردے اور وہ اس کو دینے سے انکار کردے یا کہہ دے کہ آپ نے مجھے یہ چیز دی ہی نہیں یا میں نے اپنے پاس رکھی ہی نہیں۔ بلکہ امانت اور اس میں خیانت کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ کسی کو صحیح مشورہ دینا بھی امانت کو ٹھیک سے ادا کردینا ہے۔ کسی کی بات کو اپنے پاس محفوظ رکھنا، مجلس کی بات باہر نہ نکلنے دینا بھی امانت کی حفاظت میں داخل ہے اور اس کے خلاف عمل کرنا امانت میں خیانت ہے۔ امانت میں خیانت کی ان صورتوں کی ہم پروا نہیں کرتے اور اس خیانت کو خیانت ہی نہیں سمجھتے۔ حالانکہ شریعت نے اس سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ جامع ترمذی میں حدیث ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِاَبِی الْهَیْثَمِ بْنِ التَّیِّهَانِ اِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ۔ (ترمذی)

یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعے پر ابوالہیثم بن التیہان سے فرمایا: جس شخص سے کسی معاملے میں مشورہ لیا جائے، وہ اس میں امین کا درجہ رکھتا ہے اور مشورہ طلب کرنا اس کو امانت سپرد کردینے کے مترادف ہے۔

مطلب یہ کہ جو شخص کسی معاملے میں کسی سے مشورہ لیتا ہے وہ اس پر ایک طرح سے اعتماد کرتا ہے اور صدقِ نیت سے سمجھتا ہے کہ یہ شخص اسے صحیح مشورہ دے گا۔ بہ الفاظِ دیگر اسے امین اور دیانت دار تصور کرتا ہے اور اسے خیال ہوتا ہے کہ یہ شخص اس معاملے میں اس کی رہنمائی کے فرائض انجام دے گا۔ اس لیے جس شخص سے مشورہ لیا جائے اس کا فرض ہے کہ وہ پوری دیانت اور اخلاص سے مشورہ دے اور مشورہ دیتے وقت یہ محسوس کرے کہ اس نے مجھے قابلِ اعتماد سمجھا ہے اور میں اس کے اعتماد کو ضائع نہ ہونے دوں اور جس معاملے میں یہ مشورہ لے رہا ہے اس میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحیح صحیح مشورہ دوں۔ اگر وہ اسے صحیح مشورہ نہیں دے گا تو امانت میں خیانت کرے گا اور اس کی اسے وہی سزا ملے گی جو کسی اور قسم کی خیانت کے ارتکاب سے ملنی چاہیے۔ جو شخص بات چیت میں دوسرے کو دھوکے میں رکھتا اور غلط مشورہ دیتا ہے، اس سے اور کس معاملے میں دیانت وامانت کی توقع کی جاسکتی ہے؟ اسی طرح کسی کے راز کی بات اپنے پاس محفوظ رکھنا امانت ہے اور اس کو آگے بیان کرنا امانت میں خیانت کے مترادف ہے۔ اس ضمن میں ابوداؤد اور ترمذی شریف میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے حسب ذیل روایت مروی ہے:

عَنْ جَابِرِبْنِ عَبْدِاللّٰہِ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ الْحَدِیْثَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَھِیَ اَمَانَۃٌ۔ (ترمذی، ابواب البر والصلة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باب ماجاء ان المجالس بالامانة)

یعنی سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے راویت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص اپنی کوئی بات کہے اور پھر اِدھر اُدھر دیکھے تو سمجھ لو کہ یہ بات امانت ہے۔

اس حدیث کا مطلب بالکل صاف ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص کسی سے بات کرے اور وہ زبان سے یہ نہ کہے کہ یہ بات امانت ہے، کسی اور سے اس کا ذکر نہ کرنا۔ بلکہ وہ بات کرتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھتا ہے اور ایسا انداز اختیار کرتا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ یہ شخص کسی دوسرے سے یہ بات نہیں کہنا چاہتا اور اسے راز میں رکھنے کا خواہاں ہے تو یہ بات کسی سے بیان نہیں کرنی چاہیے اور اسے امانت کے طور پر اپنے دل میں محفوظ رکھنا چاہیے۔

اگر یہ جاننے اور سمجھ لینے کے باوجود کہ یہ شخص کسی دوسرے کو یہ بات پہنچانا نہیں چاہتا، اس کی بات آگے بیان کی جائے گی، تو یہ امانت میں خیانت ہوگی اور رازداری کی یہ بات آگے بیان کرنے والے کو اس کی سزا ملے گی۔

ہم میں سے کتنے ہی لوگ ہیں جن سے مشورہ لیا جاتا ہے لیکن غلط مشورہ دیتے اور دوسرے کو دھوکے میں رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح ان کے پاس ایک شخص بات کرتا ہے اور انھیں معلوم ہے کہ یہ راز کی بات ہے، مگر وہ اس راز کی بات کو محفوظ نہیں رکھتے اور اس کا سلسلہ بے تکلفی کے ساتھ آگے چلا دیتے ہیں، ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ شریعت کی رو سے یہ فعل ناجائز ہے اور یہ امانت میں خیانت کے حکم میں آتا ہے.....!

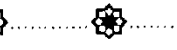

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تکلیفوں سے محفوظ رہنے کا طریقہ

حدیث میں بے شمار دعاؤں کا ذکر فرمایا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ سے یہ وضاحت بھی مذکور ہے کہ کون کون سی دعائیں کن کن اوقات میں پڑھی جائیں۔ پھر ان دعاؤں کے اثر و تاثیر کی وضاحت بھی فرمائی گئی ہے۔ ان کے فوائد کی تفصیل بھی نبی ﷺ کے ارشاداتِ گرامی میں پائی جاتی ہے۔ ان ادعیہ ماثورہ میں جامع ترمذی اور ابن ماجہ کی ایک حدیث میں ایک دعا بیان فرمائی گئی ہے۔ اس دعا کے الفاظ بھی حدیث میں مذکور ہیں۔

عَنْ اَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ اَبِیْ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَامِنْ عَبْدٍ یَقُوْلُ فِیْ صَبَاحِ کُلِّ یَوْمٍ وَمَسَاءِ کُلِّ لَیْلَۃٍ بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَایَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ لَمْ یَضُرَّہٗ شَیْءٌ۔ فَکَانَ اَبَانٌ قَدْ اَصَابَہٗ طَرَفُ فَالِجٍ فَجَعَلَ الرَّجُلُ یَنْظُرُ اِلَیْہِ فَقَالَ لَہٗ اَبَانٌ مَاتَنْظُرُ؟ اَمَا اِنَّ الْحَدِیْثَ کَمَا حَدَّثْتُکَ وَلٰکِنِّیْ لَمْ اَقُلْہُ یَوْمَئِذٍ۔ لِیُمْضِیَ اللّٰہُ عَلَیَّ قَدَرَہٗ۔ (رواہ الترمذی، کتاب الدعوات، باب ماجاء فی الدعاء اذا اصبح واذا امسٰی)

یعنی ابان بن عثمان روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے یہ بیان کرتے ہوئے خود سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی بندہ ہر صبح اور ہر شام کو تین بار یہ کلمات پڑھ لیا کرے تو کوئی چیز اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَایَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔

یعنی اللہ کے نام کے ساتھ جس کے نام کی برکت سے نہ زمین میں کوئی چیز نقصان پہنچا سکتی ہے اور نہ آسمان میں اور وہ سننے اور جاننے والا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابان رضی اللہ عنہ پر اتفاق سے فالج کا حملہ ہوگیا تھا۔ جس شخص سے ابان یہ روایت بیان کر رہے تھے، وہ یہ سن کر ابان کو تعجب سے دیکھنے لگا۔ اس پر ابان نے اس سے کہا میری طرف کیا دیکھتے ہو؟ یاد رکھو.....! حدیث تو یقیناً اسی طرح ہے، جس طرح میں نے تم سے بیان کی ہے، لیکن آج مجھے یہ دعا پڑھنا ہی یاد نہ رہی تا کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی تقدیر جاری فرما دے.....!

اس سے معلوم ہوا کہ انسان پر دعاؤں کا اثر ہوتا ہے۔ اگر دعائیں اسی طرح باقاعدہ پڑھی جائیں جس طرح کہ حدیث میں مذکور ہیں تو انسان تکلیفوں اور ہر قسم کے غم واندوہ سے محفوظ رہتا ہے۔ اس حدیث میں روزانہ صبح اور شام کو تین تین دفعہ یہ دعا پڑھنے کے لیے فرمایا گیا ہے۔ اگر باقاعدگی سے فجر و مغرب کی نماز کے بعد یہ دعا پڑھی جائے تو انسان کے لیے ہر قسم کی آفتوں اور رنجشوں سے تحفظ کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔

ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں۔ انھوں نے جس شخص سے یہ روایت آگے بیان کی، اس نے ابان رضی اللہ عنہ کی طرف تعجب اور حیرت سے دیکھا، کیونکہ ان پر فالج کا حملہ ہوگیا تھا۔ دیکھنے والا دراصل کہنا یہ چاہتا تھا اور متعجب تھا کہ یہ حدیث بھی بیان کر رہے ہیں اور یہ بھی فرما رہے ہیں کہ اگر صبح و شام تین تین دفعہ یہ دعا پڑھی جائے تو انسان تکلیفوں سے محفوظ رہتا ہے اور خود فالج زدہ ہیں، ان پر اس دعا کا کیوں اچھا اثر نہیں ہوا؟ یا اگر یہ بات صحیح ہے تو خود انھوں نے یہ دعا کیوں نہیں پڑھی اور کیوں فالج کے مرض سے محفوظ نہیں رہے؟

ابان رضی اللہ عنہ اس شخص کے مطلب کو سمجھ کر فرمانے لگے کہ حدیث تو اسی طرح ہے جس طرح میں نے بیان کی ہے لیکن مجھ پر چونکہ اللہ کی تقدیر کو وارد ہونا تھا اور مجھ پر فالج کا حملہ اللہ کے ہاں مقدر ہو چکا تھا۔ اس لیے مجھے آج یہ دعا پڑھنا ہی یاد نہ رہی۔ یعنی ایک سلسلۂ اسباب ہے جو تقدیر کے ساتھ وابستہ ہے۔ افسوس ہے غلطی کے صدور نے مجھے نقصان پہنچایا.....!

بہر حال احادیث میں جن دعاؤں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر ہے انھیں باقاعدہ پڑھنا چاہیے، ان دعاؤں میں یہ دعا بھی شامل ہے۔ ہر شخص کو یاد کر کے اسی طریقے سے اس کو پڑھنا چاہیے، جو طریقہ اس حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جزاک اللہ خیرا

اسلام نے انسان کو تہذیب وشائستگی سکھانے اور حسن اخلاق کی نعمت سے بہرہ ور کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ اس کا چھوٹے چھوٹے امور میں بھی خیال رکھا ہے اور بڑے بڑے امور میں بھی۔

کوئی شخص کسی پر احسان کرے یا اسے کوئی چیز ازراہِ مہربانی عطا کرے تو اخلاق و شرافت، تہذیب اور انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا شکریہ ادا کیا جائے اور اسے اپنا محسن و کرم فرما سمجھا جائے۔

ترمذی شریف میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صُنِعَ اِلَيْهِ مَعْرُوْفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِهٖ جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا فَقَدْ اَبْلَغَ فِي الثَّنَاءِ۔ (ترمذی۔ ابواب البر و الصلۃ، باب ماجاء في الثناء بالمعروف)

ترجمہ: جس شخص کے ساتھ کوئی اچھا سلوک کیا گیا اور اس نے اپنے محسن سے جزاک اللہ خیراً (یعنی اللہ آپ کو اس کا بہتر بدلہ دے) کہا، تو اس نے تعریف کا حق پورا کر دیا۔

احسان کے بدلے میں اپنے محسن سے شکریہ یا جزاک اللہ کا لفظ کہہ دینا بھی بڑی نیکی اور شرافت کا کام ہے۔

جو شخص اپنے محسن سے شکریہ کا لفظ بھی زبان سے نہیں کہتا اور الفاظ کے استعمال میں بخیل اور تنگ ظرف واقع ہوا ہے، وہ احسان فراموش اور ناشکر گزار ہے۔ ابوداؤد اور ترمذی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اُعْطِيَ عَطَاءً فَلْيَجْزِبِهٖ وَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَلْيُثْنِ بِهٖ فَاِنَّ مَنْ اَثْنٰى بِهٖ فَقَدْ شَكَرَهٗ وَمَنْ كَتَمَهٗ فَقَدْ كَفَرَهٗ۔ وَمَنْ تَعَلّٰى بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ۔ (ترمذی۔ ابواب البر والصلۃ باب في المتشبع بما لم يعطه)

ترجمہ: ''جس شخص کو کوئی چیز دی جائے تو اس کا بدلہ دے اگر میسر ہو، ورنہ محسن کی تعریف کرے (کہ آپ نے بڑا کرم کیا) جس شخص نے اپنے محسن کی تعریف کی اس نے اس کا شکریہ ادا کر دیا اور جس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے چھپایا اور احسان مندی کا کوئی لفظ زبان سے نہ نکالا، تو اس نے ناشکری کی اور احسان فراموشی کا ثبوت دیا۔ اور جس شخص نے اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے ایسی صورت میں پیش کیا جو درحقیقت اس کو نہیں دی گئی تو وہ ایسا ہے جیسا کہ جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والا ہو.....!''

اس حدیث میں دو چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ انسان کو احسان فراموش نہیں ہونا چاہیے۔ اگر کوئی شخص کسی پر احسان کرے تو اوّل تو اسے اس پر اسی قسم کا احسان کرنا چاہیے۔ اگر ایسا کرنا اس کے بس میں نہیں تو کم سے کم اس کا شکریہ تو ادا کرے۔

جو شخص اپنے محسن کا زبان سے شکریہ بھی ادا نہیں کرتا۔ اس کے بارے میں سمجھ لو کہ وہ احسان فراموش ہے۔

دوسری چیز اس حدیث میں یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ انسان کو ہر قسم کے تکلفات اور تصنع سے پاک رہنا چاہیے۔

جو شخص تکلف کر کے زاہدانہ اور صوفیانہ شکل بناتا اور لوگوں پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ بڑا متقی، صوفی اور پرہیزگار ہے تاکہ لوگ اس کے معتقد بنیں لیکن حقیقت میں وہ کذاب اور غلط کردار ہے۔ اس نے اپنی اس حرکت سے دو جھوٹ ظاہر کیے۔

ایک یہ کہ وہ بڑا نیک اور پرہیزگار ہے، حال آں کہ یہ چیز اسے حاصل نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اللہ نے اسے نیک اور متقی بنایا ہے جب کہ اللہ نے اسے یہ نعمت عطا نہیں کی، یعنی اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے کہ اس نے اسے نیک بنایا۔

ایسے شخص کے بارے میں جھوٹ کے دو کپڑے پہننے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے بہ یک وقت دو جھوٹ تراشے۔ ایک اپنے آپ پر.....اور ایک اللہ تعالیٰ پر.....!

دو کپڑے کی مثال اس لیے دی گئی ہے کہ عرب دو کپڑے پہنتے تھے۔ ایک تہبند اور ایک چادر۔

یہ مثال بات کو آسان تر پیرائے میں بیان کرنے کی غرض سے دی گئی ہے۔ یہ دونوں حدیثیں ان احادیث میں سے ہیں جو انسانوں کو تہذیب، اخلاق، شرافت، شائستگی اور انسانیت کا درس دیتی ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صغیرہ گناہوں سے بچنے کی تاکید

انسان دنیا میں نیک کام بھی کرتا ہے اور برے کام بھی۔ نیک کاموں کا اسے اللہ کی طرف سے اجر وثواب ملے گا اور برے کاموں کی سزا بھگتنا پڑے گی۔ پھر نیکیوں کا میدان بھی بہت وسیع ہے اور برائیوں کا سلسلہ بھی طویل وعریض ہے۔ شریعت نے جہاں انسان کو نیکی کا حکم دیا اور عمل خیر کی طرف رغبت دلائی ہے، وہاں برائی سے بھی سختی کے ساتھ روکا ہے اور اس میں اس حد تک محتاط رہنے کی تلقین کی ہے کہ چھوٹی چھوٹی برائیوں کے ارتکاب سے بھی منع فرمایا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس ضمن میں ایک روایت ہے جو اگرچہ چند الفاظ پر مشتمل ہے لیکن ہر شخص کے لیے قابل غور اور لائق عمل ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يَاعَائِشَةُ اِيَّاكِ وَمُحَقَّرَاتِ الْاَعْمَالِ [الذُّنُوْبِ] فَاِنَّ لَهَا مِنَ اللّٰهِ طَالِبًا (ابن ماجة والدارمي، والبيهقي في شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کی بہت زیادہ کوشش کرو، جنھیں معمولی گناہ سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان گناہوں کے بارے میں باز پرس ہونے والی ہے۔

انسان سے چلتے پھرتے اور اٹھتے بیٹھتے صبح سے شام تک کئی قسم کے گناہ سرزد ہو جاتے ہیں۔ لیکن وہ یہ احساس نہیں کرتا کہ یہ گناہ ہیں اور ان کے ارتکاب سے بچنا چاہیے۔ چھوٹے چھوٹے گناہوں کا (جنھیں شرعی زبان میں صغیرہ گناہ کہا جاتا ہے) تو کوئی حساب ہی نہیں رہتا۔ مثلاً کسی کو بغیر کسی وجہ کے جھڑک دیا، ڈانٹ پلا دی۔ باتیں کرتے کرتے کوئی ایسی بات کہہ دی جس سے اس کا دل دکھتا ہو اور اسے ذہنی اور روحانی تکلیف پہنچتی ہو۔ کسی نے اپنی ضرورت کے لیے عاریۃً کوئی چیز مانگی لیکن نہ دی۔ راستے میں چلتے ہوئے کوئی اذیت رساں چیز پڑی دکھائی دی مگر دور نہ کی، جیسے کانٹا، اینٹ، روڑا، چھلکا وغیرہ جس سے راہ گیروں کے پھسل جانے، گر پڑنے اور تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہو یا خود تو گناہ گار نہیں بلکہ نیک اور پرہیز گار ہے، مگر ایسی مجلس میں بیٹھتا ہے، جس میں غلط قسم کی باتیں ہو رہی ہیں۔ لیکن اخلاقی جرأت کی کمی یا مروّت کی وجہ سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاموش ہے اور کسی کو ناجائز گفتگو سے نہیں روک سکتا اور خود ایسے حسن بیان، یا طلاقت لسانی کا مالک نہیں کہ اپنی بات اچھی طرح کر سکے اور دوسروں کی گفتگو کے رُخ کو اچھائی کی طرف موڑ سکے۔ ایسی مجلس میں بیٹھنا اور اس کی رونق کا باعث بننا اور ان جیسی دیگر بے شمار چیزیں صغائر میں داخل ہیں۔ ان کے ارتکاب سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ اگر انسان ان کو معمولی حیثیت دیتا رہے تو صغائر یعنی چھوٹے چھوٹے گناہوں کا یہ سلسلہ دراز ہوتا جائے گا اور ان میں شب و روز اضافہ ہوتا رہے گا۔

یہ نصیحت رسول اللہ ﷺ نے اگرچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمائی ہے، لیکن آپ (ﷺ) کے مخاطب درحقیقت تمام لوگ ہیں اور سب مسلمانوں کو آپ نے صغیرہ گناہوں کی اہمیت سے آگاہ اور متنبہ فرمایا ہے اور اس انتباہ و آگاہی کی ضرورت زیادہ تر اس لیے بھی نبی ﷺ نے محسوس فرمائی کہ کبیرہ گناہوں سے تو انسان عام طور سے دامن بچا لیتا ہے اور ان میں مرتکب ہونے سے اپنی حفاظت کر لیتا ہے۔ لیکن چھوٹے گناہوں کی اکثر پروا نہیں کی جاتی اور بسا اوقات بلا ارادہ انسان اپنے آپ کو گناہوں کی اس دلدل میں پھنسا دیتا ہے۔ بعد میں اس سے نکلنا انتہائی مشکل ہو جاتا ہے۔

اس حدیث میں ہمارے لیے غور طلب اور بہت ہی لائق توجہ بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اہل و عیال اور اپنے اصحابِ خانہ کو بھی صغیرہ گناہوں سے روکا ہے اور ان کے نقصان سے ان کو مطلع فرمایا ہے، اس سے آپ خود ہی سوچ لیجیے کہ ہماری اور آپ کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کے اہلِ بیت سے بھی ان کے ارتکاب کا امکان ہے اور رسول اللہ ﷺ ان کو ان سے خبردار فرما رہے ہیں، تو ہمیں بالا ولیٰ اپنے آپ کو ان سے محفوظ رکھنا چاہیے، مبادا یہ بڑھتے بڑھتے اعمالِ خیر پر حاوی ہو جائیں اور صغیرہ گناہوں کا یہ ڈھیر کبیرہ گناہوں کی صورت اختیار کر لے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان گناہوں کو ''محقرات'' سے تعبیر فرمایا ہے۔ یعنی ایسے گناہ جنھیں بظاہر ہم حقیر اور معمولی سمجھتے ہیں اور انھیں کوئی حیثیت نہیں دیتے، ان سے اپنے آپ کو محفوظ رکھو اور ان سے بچنے کی کوشش اور فکر کرو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے موت کے بعد ان گناہوں کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ بتاؤ ان کے مرتکب کیوں ہوئے اور کیوں اپنا دامن ان سے تر کیا؟

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اس حدیث پر عمل کرتے ہیں اور وہ گناہ جو بظاہر حقیر معلوم ہوتے ہیں اُن سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آقا اور ملازم کے تعلقات

شریعت نے آپس میں محبت والفت کے رشتے کو مستحکم رکھنے اور ایک دوسرے سے مہربانی سے پیش آنے پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ یہاں تک کہ خادم اور ملازم کے متعلق بھی تاکید کی ہے کہ اس کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کیا جائے۔ اگر وہ غلطی کرے اور اس کی غلطیوں کا سلسلہ دراز ہو جائے تو بھی اس کو سزا دینے سے ہاتھ کھینچنے کی کوشش کی جائے اور اس کی غلطیوں سے جہاں تک ممکن ہو اغماض برتا جائے۔ اس ضمن میں ترمذی شریف کی یہ حدیث یاد رکھنے کے لائق ہے:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَمْ اَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ فَصَمَتَ عَنْهُ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَمْ اَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ؟ قَالَ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً۔ (ترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی العفو عن الخادم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ میں اپنے خادم یعنی غلام کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں؟ آپ خاموش رہے اور اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے پھر وہی عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ میں اپنے خادم کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں؟ آپ نے فرمایا! ہر روز ستر دفعہ۔

سوال کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ملازم یا خادم کی غلطیوں سے درگزر کرنے اور اس کے قصور سے چشم پوشی کی بھی آخر کوئی حد ہے، اگر وہ بار بار غلطی کرے اور سمجھانے کے باوجود برابر غلطی کا ارتکاب کرتا رہے، تو ایسے شخص کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا جائے؟ اور کہاں تک اس کی غلطیوں سے درگزر کی جائے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اگر وہ ستر دفعہ بھی غلطی کا ارتکاب کرے تو اس کو معاف کر دو۔ مطلب یہ کہ عفو و درگزر بہر حال ضروری ہے اور اگر خادم بار بار غلطی کرتا ہے تب بھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کو سزا دینے اور اس سے باز پرس کرنے سے احتراز کرنا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا مفاد یہ ہے کہ غلطی ہر شخص کر سکتا ہے اور کرتا ہے۔ بڑے سے بڑے آدمی سے بھی غلطی سرزد ہو سکتی ہے۔ اصل چیز بلند اخلاقی اور رحمت و شفقت کی فراوانی ہے۔ جو شخص ان اوصاف حمیدہ سے متصف اور اخلاقِ حسنہ کی نعمت سے بہرہ ور ہے وہ انتہائی خوش قسمت اور عظیم المرتبت انسان ہے۔ خادم اور ملازم بھی انسان ہیں۔ وہ بھول بھی سکتے ہیں اور ان سے غلطی کا امکان بھی ہے۔ علو اخلاق اور انسانیت کی اعلیٰ اقدار کا تقاضا یہ ہے کہ ملازم پر باوجود پورے اختیار کے سختی نہ کی جائے، بلکہ اس کے ساتھ اخلاق کریمانہ کا مظاہرہ کیا جائے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہ سمجھ لیا جائے کہ ملازم جو چاہے کرتا پھرے اسے کچھ نہ کہا جائے اور اس کی کوتاہیوں پر اس سے بالکل سرزنش نہ کی جائے۔

خود ملازم اور خادم کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو پوری طرح محسوس کرے اور جو شخص اس کو تنخواہ دیتا اور اس کی ضروریات کی کفالت کرتا ہے، اس کی طرف سے مفوضہ کام کو ذمہ داری کے ساتھ انجام دے اور اپنے فرائض کو نبھائے۔ جہاں ملازم کی غلطیوں سے چشم پوشی کرنا آقا کے لیے باعثِ اجر و ثواب ہے، وہاں ملازم کا بھی فرض ہے کہ وہ بھی کام کی انجام دہی میں تیزی اور مستعدی کا ثبوت بہم پہنچائے اور اپنے آقا کو خوش رکھنے کی سعی کرے۔

جو شخص جس ادارے یا جس فرد سے تنخواہ لیتا ہے اس کا فرض ہے کہ جو کام اس کے سپرد کیا گیا ہے اس کو بجالانے میں کسی قسم کی سستی نہ کرے۔ اگر ایک شخص کسی سے تنخواہ لیتا ہے لیکن جو کام اس کے سپرد کیا گیا ہے اس کو بجالانے میں کوتاہی برتتا ہے وہ گناہگار ہے اور اللہ کے ہاں اس کوتاہی کی اس سے باز پرس ہوگی۔ اگر آقا ہی اس کو معاف کر دے تو یہ الگ بات ہے۔

ملازم کا فرض ہے کہ وہ جب یہ محسوس کرے کہ جن امور کی انجام دہی اس کے سپرد کی گئی ہے وہ بطریق احسن اس سے عہدہ برآ ہونے سے قاصر ہے اور اس کی اس غفلت کی وجہ سے اس کا آقا اس سے مطمئن نہیں ہے، تو اسے فوراً اس سے الگ ہو جانا چاہیے۔ اور اپنی جگہ کسی بہتر اور مفید و مناسب آدمی کے لیے خالی چھوڑ دینی چاہیے، چپڑاسی سے لے کر اونچے سے اونچے عہدے دار تک کے لیے اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسان کی ایک کمزوری اور اس کا علاج

انسان کی یہ فطری کمزوری ہے کہ جب وہ دنیا کے معاملات پر غور کرتا ہے تو اپنے سے بڑے شخص کی طرف دیکھتا ہے اور خواہش کرتا ہے کہ وہ بھی بڑا ہو۔ اس کے پاس دولت ہو، مال ہو، دنیوی عزت و جاہ ہو، اونچے اونچے مکان اور بڑے بڑے محل ہوں۔

اور جب اپنے سے کم تر اور چھوٹے درجے کے شخص کو دیکھتا ہے تو اس سے نفرت کرتا اور اس سے دور رہنے کی کوشش کرتا ہے۔

ترمذی شریف کی مندرجہ ذیل حدیث میں انسان کی کمزوری کو واضح کیا گیا اور اس کا بہترین علاج بتایا گیا ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ رضی اللہ عنہم عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ خَصْلَتَانِ مَنْ كَانَتَا فِيْهِ كَتَبَهُ اللّٰهُ شَاكِرًا صَابِرًا۔ مَنْ نَظَرَ فِيْ دِيْنِهٖ اِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَهٗ فَاقْتَدٰى بِهٖ وَنَظَرَ فِيْ دُنْيَاهُ اِلٰى مَنْ هُوَ دُوْنَهٗ فَحَمِدَ اللّٰهَ عَلٰى مَا فَضَّلَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ كَتَبَهُ اللّٰهُ شَاكِرًا صَابِرًا وَمَنْ نَظَرَ فِيْ دِيْنِهٖ اِلٰى مَنْ هُوَ دُوْنَهٗ وَنَظَرَ فِيْ دُنْيَاهُ اِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَهٗ فَاَسِفَ عَلٰى مَافَاتَهٗ مِنْهُ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ شَاكِرًا وَّلَا صَابِرًا۔ (رواہ الترمذی، کتاب صفة القیامة باب انظر والی من ھوا سفل منکم)

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص میں دو خصلتیں ہوں گی اللہ تعالیٰ اس کو شاکروں اور صابروں میں لکھے گا۔ یعنی جس شخص کی یہ عادت ہو کہ وہ دین کے معاملے میں تو اللہ کے ان بندوں کو سامنے رکھے جو دین میں اس سے بلند درجے کے ہوں اور انہی کی پیروی کرے اور دنیا کے معاملے میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُن غریب اور نادار لوگوں کو سامنے رکھے جو دنیوی حیثیت سے اس سے کم درجے کے ہوں اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرے کہ اس نے صرف اپنے فضل وکرم سے ان لوگوں سے زیادہ اس کو دنیا کی نعمتوں سے نواز رکھا ہے۔ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کے یہاں صابر اور شاکر لکھا جائے گا اور جس شخص کا یہ حال ہو کہ وہ دین کے معاملے میں تو ہمیشہ اپنے سے چھوٹے درجے کے لوگوں کو دیکھے اور دنیا کے بارے میں اپنے سے اونچے درجے کے لوگوں پر نظر رکھے اور دنیا کی جو نعمتیں اس کو نہیں ملی ہیں، ان کے نہ ملنے پر افسوس کرے۔ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کے یہاں شاکر اور صابر نہیں لکھا جائے گا۔

اونچے درجے کے آدمی پر رشک کرنا اور کم تر کو حقیر و ذلیل سمجھ کر نظر انداز کر دینا انسان کی بہت بڑی کمزوری ہے۔ اس حدیث میں انسان کی اسی کمزوری کی نشان دہی فرمائی گئی ہے اور اس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ فرمایا شاکر و صابر اور بہتر خصلت کا حامل وہ شخص ہے جو دین کے معاملات میں تو اس شخص کو قابل رشک سمجھے اور اس کی اقتدا اور رہنمائی میں چلے جو اس سے بہتر اور بلند تر اوصاف کا حامل ہو۔ مثلاً زیادہ نیک ہو، زیادہ عابد و زاہد ہو، زیادہ متبع سنت اور پابندِ شریعت ہو۔ اللہ کی راہ میں زیادہ خرچ کرنے کا عادی ہو، زیادہ رحم دل اور غریب پرور ہو۔ قرآن و حدیث کا زیادہ ماہر اور امورِ دینی کی انجام دہی میں زیادہ رغبت اور شوق رکھتا ہو۔

لیکن دنیوی معاملات میں اپنے سے بڑے اور اونچے آدمی کو بالکل نہ دیکھے۔ بلکہ ہمیشہ اپنے سے چھوٹے اور کم تر کو نظر میں رکھے۔ اگر انسان اپنے سے زیادہ مال دار اور زیادہ امیر آدمی کو دیکھنے لگے اور ہر معاملے میں اسی کی ریس کرنا شروع کر دے تو یہ نہایت بری عادت ہے۔ یہ تو الگ بات ہے کہ ایسا آدمی اپنے سے بلند تر آدمی کے مرتبے کو پہنچ سکے یا نہ پہنچ سکے، مگر یہ ضرور ہے کہ وہ صبر اور شکر کی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے اور ایسی باتوں کی فکر میں لگ جاتا ہے جن کا حصول بہ ظاہر مشکل ہوتا ہے۔

بے شک مال و دولت اللہ کی ایک نعمت ہے اور اس کے حصول کی کوشش کرنا خلافِ شریعت نہیں۔ لیکن صرف اسی کو اپنا مطمحِ نظر اور مقصودِ حیات ٹھہرا لینا نہایت معیوب فعل ہے۔ اگر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اخوّت و ہمدردی کا بے مثال درس

شریعت نے مسلمان کے لیے ضروری ٹھہرایا ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کی مدد کرے۔ اسے کسی قسم کی تکلیف نہ خود پہنچائے اور نہ کسی کو موقع دے کہ اس کو تکلیف پہنچا سکے۔ ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَايَظْلِمُهٗ وَلَا يَسْلِمُهٗ وَمَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَا كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ ابوداؤد، کتاب الأدب باب المؤاخاۃ)

ترجمہ: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ (کوئی مسلمان) اس پر خود ظلم کرے اور نہ اس کو ظالم کے سپرد کرے۔ جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت میں رہتا ہے، اللہ اس کی ضرورت پوری کرتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی ذرا سی پریشانی بھی دور کرے گا اللہ قیامت کے روز اس کی پریشانیوں میں سے سب سے بڑی پریشانی دور کرے گا اور جو کسی مسلمان کے عیبوں کو چھپاتا ہے اللہ قیامت کے روز اس کے عیبوں کو چھپائے گا۔

حدیث کا مطلب بالکل واضح ہے کہ مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی نوعیت بھائی چارے کی ہے اور ان میں اسلام کی ایک عالم گیر مواخات قائم ہے۔ تمام مسلمان اسلام کے سررشتہ اخوت میں مضبوطی سے بندھے ہوئے ہیں، کوئی اس سے باہر نہیں۔ اس لیے ضروری ٹھہرا کہ کوئی مسلمان کسی مسلمان پر ظلم نہ کرے، نہ اسے اپنی کسی ذاتی رنجش یا عداوت کی بنا پر کسی ظالم کے حوالے کرے۔ اگر ایسا کرے گا تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ اس نے اپنے آپ ہی پر ظلم کیا اور اپنے آپ ہی کو ظالم کے سپرد کر دیا۔

جہاں یہ ضروری ہے کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان سے ظلم کا سلوک نہ کرے، وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے باہمی تعلقات اتنے مضبوط ہونے چاہئیں کہ وہ ایک دوسرے کی امداد واعانت میں رہیں۔ یعنی ہر مسلمان اپنے پر لازم قرار دے لے کہ اسے دوسرے مسلمان کی امداد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتا ہے، اگر وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا رہے گا اور غیبی طور پر ایسے اسباب پیدا ہوتے رہیں گے کہ اللہ کی طرف سے اس کی ضروریات کی تکمیل ہوتی رہے۔

پھر مسلمانوں کو آپس میں یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ کوئی مسلمان کسی وجہ سے پریشان تو نہیں اور وہ کسی ذہنی الجھن یا جسمانی مشکل میں تو مبتلا نہیں۔ اگر ایسی صورت ہو تو مسلمانوں کو ایک دوسرے کی پریشانیوں کو رفع کرنے کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ یہ عمل اللہ کے نزدیک اتنا محبوب و مقبول ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کی ذرا سی مشکل بھی دور کر دے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کو اس کی مشکلوں میں سے سب سے بڑی مشکل سے نجات دلائے گا۔

جب مسلمانوں کے تعلقات اس منزل میں داخل ہو جائیں تو ان کے لیے ضروری قرار پایا کہ وہ ایک دوسرے کے عیوب و نقائص کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں اور ان کو چھپا کر رکھیں۔ اگر کوئی مسلمان اتنا بلند کردار ہو گیا ہے اور اس کی اخلاقی حالت نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ وہ اپنے دوسرے بھائی کی پردہ پوشی کرنا ضروری سمجھتا ہے تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

اندازہ کیجیے! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ خود جس شخص کے گناہوں کی پردہ پوشی کریں گے وہ کتنا خوش نصیب ہوگا۔ ایک حدیث میں مظلوم کی امداد کا ذکر بھی آتا ہے۔ فرمایا:

وَمَنْ مَشٰى مَعَ مَظْلُوْمٍ حَتّٰى يُثْبُتَ لَهٗ حَقَّهٗ ثَبَتَ اللّٰهُ قَدَمَيْهِ يَوْمَ تَزُوْلُ الْاَقْدَامُ۔

(کنز العمال رقم: ٥٦٠٤)

ترجمہ: جو شخص کسی مظلوم کے ساتھ اس کا حق ثابت کرنے کے لیے جائے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس دن ثابت قدم رکھے گا، جس دن کہ بہت سے پاؤں پھسل جائیں گے۔

یعنی جس طرح مسلمان کو ظالم سے محفوظ رکھنا ضروری اور باعثِ ثواب ہے، اسی طرح مظلوم کی امداد کے لیے اس کا ساتھ دینا بھی ضروری ہے۔ جو شخص مظلوم کی امداد کے لیے اس کا ساتھ دے گا، اللہ تعالیٰ اس دن اس کے پاؤں میں ثبات اور استقلال پیدا کر دے گا جس دن کہ بے شمار پاؤں لڑکھڑا جائیں گے۔ یعنی قیامت کے روز اللہ اس کا محافظ و نگہبان ہوگا اور اس کے پاؤں قیامت کی ہمہ گیر مصیبت کے وقت ثبات و استقلال کی نعمت سے بہرہ ور ہوں گے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے پاس آئے تو اس کا احترام کیا جائے

عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ فِی الْمَسْجِدِ قَاعِدًا فَتَزَحْزَحَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ الرَّجُلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ فِی الْمَكَانِ سِعَةً فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ لِلْمُسْلِمِ حَقًّا اِذَا رَاٰهُ اَخُوْهُ اَنْ يَتَزَحْزَحَ لَهٗ (رواہ البیھقی، فی شعب الایمان، رقم:۸۹۳۳)

واثلہ بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک روز) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس کے احترام میں اپنی جگہ سے کچھ حرکت کی اور اِدھر اُدھر پہلو بدلا۔ اس پر آنے والے شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں بیٹھنے کی گنجائش ہے۔ (آپ اپنی جگہ تشریف رکھیے میرے لیے تکلیف نہ فرمایئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (میرا حرکت کرنا اور اپنی جگہ سے پہلو بدلنا جگہ کی تنگی کی بنا پر نہیں ہے بلکہ) مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ جب کوئی مسلمان بھائی دوسرے مسلمان بھائی کو (اپنے پاس آتا ہوا) دیکھے تو وہ (اس کا احترام بجالائے) اپنی جگہ سے تھوڑی سی حرکت کرے اور اس کی آمد پر پہلو بدلے۔''

اسلام کی اخلاقی اور مجلسی تعلیم و تربیت کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ اسلام نے مسلمان پر مسلمان کے کچھ حقوق اور فرائض مقرر کیے ہیں اور ان حقوق و فرائض کی کچھ حدیں متعین ہیں جن کی حفاظت انتہائی ضروری ہے۔

ان میں سے مسلمانوں کا ایک دوسرے پر ایک بہت بڑا حق یہ ہے کہ وہ باہم عزت و وقار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے پیش آئیں اور اس ضمن میں یہاں تک احتیاط کا ثبوت بہم پہنچائیں کہ کوئی مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی سے ملاقات کے لیے آئے یا اہلِ اسلام کی کسی مجلس میں آئے تو احتراماً اس کے لیے کھڑے ہو جانا چاہیے اور اسے مجلس میں عزت و تکریم سے جگہ دینا اور بٹھانا چاہیے۔ اگر کوئی کھڑا نہ ہو تو کم سے کم اتنا ضرور کرے کہ آنے والے کے احترام میں اپنی جگہ سے تھوڑی بہت حرکت کرے اور اسے یہ محسوس کرائے کہ اس کے دل میں اس کا وقار ہے اور وہ اس کی عزت کا خواہاں ہے۔ اس کے احترام کے تقاضوں کو سمجھتا ہے اور اسے مجلس میں اعزاز کا مقام دینا چاہتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی حاشیہ خیال میں رہے کہ مسلمان کی عزت کی حدود کی پاسبانی اور اس کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا ہر جگہ اور ہر صورت میں ضروری ہے۔ خواہ وہ اپنے گھر میں ہو، مجلس میں ہو یا کسی اور مقام پر۔ یاد رہے کہ اس وقت نبی ﷺ اپنے مکان میں نہیں تھے، بلکہ مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ کوئی مسلمان نبی ﷺ کے مکان پر جاتا ہوگا تو آپ اس کا کس قدر احترام فرماتے ہوں گے۔

متعدد احادیث میں مسلمان کے احترام کی تاکید فرمائی گئی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اس کی حرمت دنیا کی ہر شے سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ مسلمان کے احترام کا خیال نہ رکھنا اور اس کی بے قدری و بے وقعتی کے درپے ہو جانا اسلامی تعلیمات کی رو سے انتہائی لائق مذمت ہے۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ ہر جگہ کے مسلمان کی توقیر کی جائے۔ اس میں مقام و مکان کی کوئی قید نہیں۔ مشرق کا مسلمان بھی قابلِ احترام ہے اور مغرب کا بھی۔ دنیا کے جس گوشے میں بھی کوئی مسلمان آباد ہے، شریعتِ اسلامی اس کے احترام کو ضروری ٹھہراتی ہے۔ اہل اسلام دنیوی لحاظ سے اونچی حیثیت کے مالک ہوں یا کم حیثیت کے، بلا امتیاز ان کی تکریم واجب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے قول و عمل کی روشنی میں یہ مسلمان کی توہین ہے اور اسلام اس کی قطعی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی کلمہ گو آپ کے پاس آئے اور آپ اسے جھڑک دیں۔ جب خود رسول اللہ ﷺ مسلمان کے احترام میں اتنا آگے بڑھتے ہیں کہ مجلس میں اس کی آمد پر اپنی جگہ سے حرکت فرماتے اور اٹھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسے عزت و آزادی سے بیٹھنے کے لیے جگہ مہیا فرماتے ہیں تو کوئی دوسرا کیوں اس کا خیال نہ رکھے اور کیوں کسی مسلمان بھائی کی آمد پر بے حس و حرکت بیٹھا رہے اور اس کے دل میں آنے والے کے احترام میں کوئی ادنیٰ جذبہ اور معمولی جنبش بھی پیدا نہ ہو۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھ باتوں پر بیعت

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ وَكَانَ شَهِدَ بَدْرًا وَهُوَ اَحَدُ النُّقَبَاءِ لَيْلَةَ الْعَقَبَةِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ وَحَوْلَهُ عِصَابَةٌ مِنْ اَصْحَابِهٖ بَايِعُوْنِيْ عَلٰى اَنْ لَّا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ وَلَا تَاْتُوْا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُوْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ وَلَا تَعْصُوْا فِيْ مَعْرُوْفٍ فَمَنْ وَّفٰى مِنْكُمْ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوْقِبَ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللّٰهُ فَهُوَ اِلَى اللّٰهِ اِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَاِنْ شَاءَ عَاقَبَهٗ فَبَايَعْنَاهُ عَلٰى ذٰلِكَ (صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب: ۱۱)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ جو جنگِ بدر میں حاضر تھے اور بیعت عقبہ کے موقعے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نقیب مقرر کیے تھے، ان میں ایک نقیب بھی تھے، کہتے ہیں کہ بیعتِ عقبہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت موجود تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے، کوئی بہتان تراشی نہیں کرو گے، نیکی کے کام میں نافرمانی نہیں کرو گے۔ جو شخص اس بیعت پر قائم رہا، اس کا اجر اسے اللہ دے گا۔ لیکن جو شخص ان گناہوں میں سے کسی گناہ میں مبتلا ہو گیا اور اسے دنیا میں اس کی سزا بھی مل گئی تو وہ اس کا کفارہ ہو گیا اور جو شخص ان میں سے کسی گناہ کا مرتکب ہوا اور اللہ نے اس کے گناہ پر پردہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈال دیا (یعنی اس کا کسی کو پتا نہیں چلا) تو اس کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، چاہے تو اسے معاف کر دے اور چاہے اس کی سزا دے (حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) ہم نے ان امور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔

یہ حدیث صحیح بخاری کی کتاب الایمان کے ابتدا میں ہے اور جس باب کے ذیل میں یہ درج ہے، اس کا عنوان صرف 'باب' ہے۔ اس کے راوی حضرت عبادہ بن صامت انصاری سالمی رضی اللہ عنہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر اور رفیع المرتبت صحابی تھے اور بیعتِ عقبہ میں حاضر تھے۔ ان بارہ نقباء میں سے تھے جو ہجرت سے کچھ عرصہ پیشتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کے مختلف قبیلوں میں تبلیغ اسلام کے لیے مقرر فرمائے تھے۔ جنگِ بدر اور تمام غزوات میں شامل ہوئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کے علم و فضل کی وجہ سے اپنے زمانۂ خلافت میں ان کو شام کا قاضی اور معلم بنا کر بھیجا تھا۔ حمص میں قیام پذیر رہے۔ پھر فلسطین چلے گئے تھے، وہیں ۳۴ھ میں بہتر سال کی عمر پا کر انتقال کیا۔ بعض حضرات نے مقامِ وفات رملہ اور بعض نے بیت المقدس تحریر کیا ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبوت کے بارھویں سال رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ کے چند افراد حاضر ہوئے، مکہ مکرمہ سے باہر رات کے وقت عقبہ کے مقام پر ان کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی۔ یہ وہ لوگ تھے جو اسلام کی دعوت سے آشنا ہو چکے تھے اور اس کی پاکیزہ تعلیمات سے نہایت متاثر تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات ہوئی تو آپ نے ان کو خدا کی عظمت و جلال سے آگاہ فرمایا، امورِ خیر کی تلقین کی اور برائی کے ارتکاب سے منع کیا۔ ان لوگوں سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی اور یہ شرط عائد کی کہ وہ چھ چیزوں کا ارتکاب نہیں کریں گے اور ہر صورت میں ان سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں گے۔ وہ چھ چیزیں یہ ہیں:

1. کسی کو کبھی اللہ کا شریک نہ ٹھہرائیں گے۔
2. چوری نہیں کریں گے۔
3. مرتکبِ زنا نہیں ہوں گے۔
4. اپنی اولاد یعنی لڑکیوں کو قتل نہیں کریں گے۔
5. کسی پر جھوٹی تہمت نہیں لگائیں گے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❻ امورِ خیر میں اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

اس بیعت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں میں سے ہر ایک کو مدینہ منورہ میں اسلام کی تبلیغ واشاعت پر مقرر فرمایا اور ہر مبلغ کو ''نقیب'' قرار دیا۔ جن امور کے ارتکاب سے ان کو روکا گیا وہ اسلامی اقدار وتہذیب کے یکسر منافی ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام اخلاقِ حسنہ پر سب سے زیادہ زور دیتا ہے اور اپنے ماننے والے کو نہایت بلند کردار، آلائشوں سے پاک اور قلب وذہن کے اعتبار سے صاف ستھرا دیکھنا چاہتا ہے۔

یہ چھ گناہ جن کے ارتکاب سے بچنے کا اس حدیث میں حکم دیا گیا ہے، انتہائی شدید نوعیت کے ہیں اور کتاب وسنت کی رو سے ان میں سے ہر گناہ اور ہر جرم حدود وتعزیرات کے ذیل میں آتا ہے۔ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرانا اور کسی طریقے اور صورت میں بھی اسے حاجت روا ومشکل کشا قرار دینا انتہائی سخت گناہ کا کام ہے۔ قرآن نے اسے ''ظلم عظیم'' سے تعبیر کیا ہے۔ کیوں کہ اس سے اللہ کی توحید کا تصور ختم ہوتا ہے، جو اسلام میں اصل اور اساس کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ چوری، زنا، قتل اور الزام تراشی وبہتان طرازی وہ جرائم ہیں جن کی قرآن وحدیث میں باقاعدہ سزائیں مقرر ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ارتکاب کا اثر صرف ایک ہی شخص یا کسی ایک ہی فرد تک محدود نہیں رہتا بلکہ دور دور تک پھیلتا ہے اور متعدد خاندان اس سے متاثر ہوتے ہیں اور مستقبل کی کئی نسلوں تک اس کے اثرات پھیلتے چلے جاتے ہیں اور خاندانوں کی تاریخ جرم ومعصیت کا ایک مستقل باب بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے پہلے ہی قدم پر اور اپنے دورِ آغاز ہی میں ان جرائم ومعاصی کی جڑ کاٹنا شروع کر دی اور بتایا کہ جو معاشرہ ان جرائم میں ملوث ہوگا، وہ کبھی اعلیٰ اخلاق اور اونچے کردار کا حامل نہیں ہوسکتا۔ روحانی اور ذہنی اعتبار سے ترقی کی منزلیں وہی معاشرہ طے کرسکتا ہے جو ان جرائم سے پاک ہو اور وہی لوگ عمدہ خصائل واقدار کو اپنے اندر جذب کر سکتے ہیں، جو صاف ستھری زندگی بسر کرنے کو اپنا معمول قرار دے لیں

اس حدیث میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ان جرائم سے کسی جرم کے مرتکب کا لوگوں کو پتا چل جائے اور پھر اسے دنیا میں اس کی سزا بھی مل جائے تو یہ سزا اس کے گناہ کا کفارہ ہوگی اور اگر جرم کا کسی کو پتا نہ چلے اور بات چھپی کی چھپی ہی رہ جائے تو معاملہ اللہ کے سپرد ہے، چاہے اس کو معاف کردے اور چاہے آخرت میں مستوجبِ سزا قرار دے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مریض کے لیے درازیٔ عمر کی دعا کی جائے

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا دَخَلْتُمْ عَلَی الْمَرِیْضِ فَنَفِّسُوْا لَہٗ فِی اَجَلِہٖ فَاِنَّ ذَالِکَ لَایَرُدُّ شَیْئًا وَیُطِیْبُ نَفْسَہٗ۔ (ترمذی، کتاب الطب باب تطییب نفس المریض)

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم کسی بیمار کے پاس اس کی بیمار پرسی کے لیے جاؤ تو اس کی درازیٔ عمر کے کلمات کہو۔ تمھارے یہ کلمات کسی معاملے کو ٹال تو نہیں سکتے، البتہ مریض کا دل اس سے خوش ہو جائے گا۔

انسانی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں، جس میں اسلام نے انسان کی رہنمائی نہ کی ہو اور واضح ہدایات نہ دی ہوں۔ وہ ہر معاملے میں مسلمانوں کا قائد ہے۔ کسی سے میل جول میں، ربط و تعلق میں، معاملات میں، لین دین میں، کہیں بھی انسان کو حیران و ششدر نہیں رہنے دیا اور کسی موڑ پر بھی اسے پریشانیوں کے حوالے نہیں کیا۔ بلکہ ہر موقعے اور ہر محل میں اس کو مناسب ہدایات سے نوازا ہے۔ حتیٰ کہ اس کو یہ تک بتا دیا ہے کہ بیمار کی بیمار پرسی کے لیے جاؤ تو تمھیں کیا انداز اختیار کرنا چاہیے اور اس موقعے پر کس اسلوبِ گفتگو سے کام لینا چاہیے۔ شریعت میں یہ صاف احکام ہیں کہ بیمار کی عیادت کے لیے جاؤ تو اس کے حق میں ایسے الفاظ استعمال کرو جو اس کے لیے راحت اور تسکین کا باعث ثابت ہوں۔ یہ نہ ہو کہ اس کی چارپائی کے گرد شور اور ہنگامہ بپا کر دو۔ وہ تو بے چارہ پہلے ہی سے تکلیف میں مبتلا ہے اور بستر مرض پر پڑا ہے اور آپ اس کے لیے مزید تکلیف رسانی کا موجب بن گئے ہیں اور ایسی گفتگو کرنے لگے ہیں جو اس کی بیماری اور تکلیف میں مزید اضافے کا سبب ہو۔ مریض کے پاس بات چیت کا انداز ایسا پیارا اور میٹھا ہونا چاہیے کہ وہ اس سے فرحت اور مسرت محسوس کرے اور آپ اس کے ہاں سے رخصت ہونے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لگیں تو وہ آپ سے اس درجے متاثر ہو کہ آپ سے مزید کچھ دیر بیٹھنے کی تمنا کرے۔

آپ اس سے بات کریں تو اسے تسلی دیں اور اس کی بحالیٔ صحت اور درازیٔ عمر کی دعا کریں۔ اس سے مریض مسرت محسوس کرتا ہے اور اس کا دل مطمئن ہو جاتا ہے۔ مندرجہ بالا حدیثِ مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ نے یہ کیسی حکیمانہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ ہوگا تو وہی کچھ جو اللہ کو منظور ہے اور مریض کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے، لیکن باتوں میں تو اس کے لیے اطمینانِ قلب کا سامان فراہم کرتے رہنا اور اس کا دل خوش رکھنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ یہ ایک بہت بڑی انسانی قدر ہے جس کی طرف نبی ﷺ نے توجہ دلائی ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی لوگوں کو تاکید فرمائی ہے۔

اگر مریض کے پاس اس کی بیماری کی شدت کی باتیں کی جائیں گی، اس کے مرض کے لاعلاج ہونے کا قصہ چھیڑا جائے گا، اس کے سامنے اس کے معالجوں کی رائے کا اظہار کیا جائے گا تو وہ لازماً مایوس ہوگا، اس کے دل پر بُرا اثر پڑے گا اور اس کی امیدیں منقطع ہو جائیں گی۔ اگر اس کو اپنے اندر صحت و تندرستی کے کچھ آثار محسوس بھی ہوتے تھے تو اس قسم کی مایوس کن باتوں سے وہ بھی ختم ہو جائیں گے اور بیماری سے زیادہ لوگوں کی یاس انگیز باتیں اس کی جان لیوا ثابت ہوں گی۔

یہ حدیث بہ ظاہر چند الفاظ پر مشتمل ہے، مگر در حقیقت ایسے انداز کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے جس میں انسانی نفسیات کی بنیادی قدر کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہاں تیمارداروں کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ مریض کو خوش رکھنے کی کوشش کریں، اس کا دل بڑھاتے رہیں اور اسے مایوسی سے دور رکھیں، وہاں اس کے معالجوں کے لیے بھی ضروری ہے کہ اسے تسلی دیں، اگرچہ اس کا مرض انھیں لاعلاج ہی معلوم ہوتا ہو اور خطرے کی حدود کو چھونے لگا ہو۔

اگر معالج اس کو تسلی دے گا اور اُسے پرامید رکھے گا تو اس کے دل میں خوشی کے جذبات کروٹ لیں گے اور اس کے اندر مسرت کے آثار اُبھریں گے۔

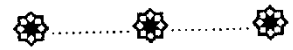

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تین چیزوں پر عمل کی تاکید

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ ثَلٰثٌ مَنْ کُنَّ فِیْہِ وَجَدَ حَلَاوَۃَ الْاِیْمَانِ اَنْ یَّکُوْنَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِمَّا سِوَاھُمَا وَاَنْ یُحِبَّ الْمَرْءَ لَایُحِبُّہٗ اِلَّا لِلّٰہِ وَاَنْ یَکْرَہَ اَنْ یَعُوْدَ فِی الْکُفْرِ کَمَا یَکْرَہُ اَنْ یُقْذَفَ فِی النَّارِ۔ (صحیح بخاری، کتاب الایمان باب حلاوۃ الایمان)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص میں تین چیزیں پائی جائیں، اس نے ایمان کی لذت حاصل کر لی۔

۱۔ یہ کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نزدیک تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں۔

۲۔ وہ جس شخص سے محبت کرے، صرف اللہ کے لیے کرے۔

۳۔ کفر اختیار کرنے کو اسی طرح برا سمجھے، جیسا کہ آگ میں ڈالے جانے کو برا سمجھتا ہے۔

اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص تین اوصاف سے بہرہ مند ہے، وہ ایمان کی حلاوت اور لذت سے بہرہ مند ہے۔

ایک یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ قابل محبت اور لائق الفت گردانتا ہے۔ یعنی جن امور کا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے، ان پر عمل کرتا اور جن سے روکا ہے، ان سے رک جاتا ہے۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، میل جول، گفتار و کردار، سب کچھ احکامِ الٰہی اور فرامینِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہے۔ اس کی زندگی کے شب و روز اسی طرح گزرتے ہیں، جس طرح شریعت نے حکم دیا ہے۔ اس کے تمام معاملات دین کے قالب میں ڈھلے ہوئے اور کتاب و سنت کے مطابق ہیں۔ وہ فقط زبان سے اللہ و رسول کی محبت کا اظہار نہیں کرتا بلکہ اس کے دل کی گہرائیوں میں ان کی محبت پیوست ہو چکی ہے۔ اس کی تجارت، اس کا کاروبار، اس کا اندازِ تعلیم، اس کی ثقافت، اس کی تہذیب، غرض ہر شے میں کتاب و سنت کے اصول کارفرما ہیں۔ عبادات سے لے کر تمام معاشرتی معاملات تک وہی خدوخال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمایاں ہیں، جن کی اسلام نے تاکید اور تلقین فرمائی ہے۔ کسی کو دھوکا نہیں دینا، اس لیے کہ اسلام نے اس سے منع فرمایا ہے، کسی کو پریشان نہیں کرتا کہ اسلام کی تعلیم یہی ہے، کسی کو غلط راستے پر نہیں لگاتا کہ قرآن وحدیث میں غلط رہنمائی کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ جھوٹ نہیں بولتا کہ اسلام نے اسے مذموم قرار دیا ہے، وہی کام کرتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک پسندیدہ ہیں اور جن میں ان کی رضا پائی جاتی ہے کیونکہ تعلق باللہ اور محبت رسول ﷺ کا یہی تقاضا ہے۔

دوسری صفت حلاوتِ ایمان سے بہرہ اندوز آدمی کی یہ ہے کہ وہ جس شخص سے تعلقاتِ مودت استوار کرے، محض اللہ کی خوشنودی کے لیے کرے۔ اس میں کوئی دنیوی مفاد یا ذاتی منفعت وابستہ نہ ہو۔ اگر کسی کی مالی امداد کرتا ہے تو اس جذبے کے تحت کرے کہ اللہ یہی چاہتا ہے اور اپنے بندے کی اعانت سے خوش ہوتا ہے۔ ریا، دکھلاوا یا ذاتی فائدہ اس سے بالکل مقصود نہ ہو۔ اگر دکھلاوے اور ریا کا کوئی عنصر اس میں پایا گیا تو یہ اللہ کی رضا کا باعث نہ ہوگا بلکہ اس کے غضب اور غصے کا موجب ہوگا۔

تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ ایمان لانے کے بعد انکار اور کفر کی راہ اختیار نہ کرے، کیوں کہ کفر کی راہ پر گامزن ہونا، اپنے آپ کو آگ کے گڑھے میں گرا دینا ہے، وہ جس طرح یہ پسند نہیں کرتا کہ آگ کی لپیٹ میں آجائے، اسی طرح کفر اور انکارِ خدا کا بھی تصور دل میں نہ لائے۔

یہ حدیث اسلام وایمان کے لیے بنیاد اور اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں قول کے ساتھ عمل کو بھی ضروری قرار دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اسلام قول اور عمل دونوں کو لازمی ٹھہراتا ہے۔ محض زبانی دعویٰ اسلام کافی نہیں، اس کے مطابق عمل کرنا، اپنے آپ کو اللہ و رسول ﷺ کے حوالے کر دینا اور ان کی اطاعت وفرماں برداری کو زندگی کا شعار بنالینا ضروری ہے۔

اگر کوئی شخص اسلام کا زبان سے دعویٰ تو کرتا ہے مگر اس کی زندگی کے طور طریقے احکامِ اسلام سے ہم آہنگ نہیں ہیں اور اس نے وہ ادائیں اپنالی ہیں جن کو اپنانے سے اسلام نے روکا ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اسلام کا مذاق اڑاتا اور اس کی صاف ستھری تعلیمات سے روگردانی کرتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی دعا قبول فرماتا ہے

عَنْ سَلْمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِي مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ اِلَيْهِ اَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا (مشکوٰۃ کتاب الدعوات، بحوالہ ترمذی، ابوداؤد، بیہقی فی الدعوات الکبیر)

ترجمہ: سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک تمھارا رب حیا اور کرم والا ہے، اس کو اپنے بندے سے شرم آتی ہے کہ جب وہ اس کے سامنے اپنی حاجت کے لیے دونوں ہاتھ اٹھائے، تو وہ ان کو خالی لوٹا دے۔

حیا وہ صفت ہے، جس کا درجہ اخلاقی اعتبار سے انتہائی بلند ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ: "اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْاِيْمَانِ" یعنی حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔ انسان جس قدر شرم وحیا کی صفت سے بہرہ ور ہوگا اسی قدر اللہ کے نزدیک اس کا رتبہ بلند ہوگا۔ صفتِ حیا کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ اس کی نسبت خود عالم قدس کی طرف بھی کی گئی ہے۔ جس صفت سے خود اللہ تعالیٰ موصوف ہے، اس کی بلندی اور پاکیزگی کا شمار کس طرح ہوسکتا ہے۔

اس حدیث میں پہلی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ جو کچھ مانگنا ہو، اللہ سے مانگو اور اسی کے حضور اپنا دامنِ طلب دراز کرو۔ اللہ کے سوا کوئی دینے والا نہیں۔

دوسری بات یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ وہ کریم ہے، تمام سخاوتیں اس کی ذاتِ بلند و بالا میں جمع ہیں۔ کرم وسخاوت کے سلسلے میں کسی ایسی چیز کا تصور نہیں کیا جاسکتا جو اللہ کے نہ ختم ہونے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والے خزانے میں موجود ہو اور وہ انسان کو عطا نہ کرتا ہو۔

تیسری بات یہ کہ وہ اس درجہ صفتِ حیا سے متصف ہے کہ کوئی شخص اگر اس کے حضور ہاتھ پھیلا دے تو وہ انھیں خالی نہیں لوٹاتا۔

مگر شرط یہ ہے کہ خود انسان بھی طلب و دعا کے وقت ان اوصاف سے مزیّن ہو، جو اللہ کو مطلوب ہیں۔ اس کا ذہن صاف ہو، قلب پاکیزہ ہو، لباس حلال کی کمائی سے بنایا گیا ہو، کھانے پینے کی چیزیں لوٹ مار کی نہ ہوں، بلکہ پاک اور صاف ستھری کمائی سے حاصل کی گئی ہوں۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ انسان نہایت عجز و انکسار اور گڑگڑاہٹ کے ساتھ اللہ سے دعا مانگتا ہے، مگر دعا قبول نہیں ہوتی، اس لیے کہ:

مَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَمَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهٗ حَرَامٌ (او کما قال رسول اللّٰہ ﷺ)

ترجمہ: اس کا لباس حرام کے پیسوں کا بنا ہوا ہے۔ اس کے کھانے کی چیزیں ذریعہ حرام سے حاصل کی گئی ہیں اور جو چیزیں وہ پینے کی غرض سے حلق سے نیچے اتارتا ہے، وہ حرام آمدنی کی ہیں۔

دعا قبول ہو تو کیوں کر ہو؟ قبولیتِ دعا کے تمام آداب اس نے ترک کر دیے ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ تو بے شک کریم اور سخی ہے اور اس سے کوئی مانگے تو نہ دینے میں اسے شرم آتی ہے لیکن مانگنے والے کا بھی تو ان اوصاف و آداب سے بہرہ ور ہونا ضروری ہے، جو اللہ اس میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔

اس حدیث سے پتا چلا کہ دعا کا اصل طریقہ یہ ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر کی جائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تین انتہائی اہم باتیں

عَنْ ثَوْبَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيْبُهٗ وَلَا يَرُدُّ الْقَدَرَ اِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا يَزِيْدُ فِي الْعُمُرِ اِلَّا الْبِرُّ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

- انسان گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، جس کی وجہ سے وہ رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔
- تقدیر کو دعا کے سوا کوئی چیز رد نہیں کر سکتی۔
- نیکی کے سوا عمر میں کوئی شے اضافہ نہیں کر سکتی۔

حدیث کے راوی حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کو شرفِ صحابیت حاصل ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ سند کے اعتبار سے یہ بالکل صحیح حدیث ہے۔ حدیث میں جیسا کہ الفاظ سے ظاہر ہے تین چیزیں ذکر کی گئی ہیں اور یہ تینوں چیزیں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔

ایک یہ کہ گناہوں کے مسلسل ارتکاب کی وجہ سے انسان رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ ابتدا میں انسان کسی وقتی اور فوری جذبے کے تحت مرتکبِ معصیت ہوتا ہے، اس وقت وہ گناہ کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتا۔ لیکن آہستہ آہستہ گناہوں کی دلدل میں پھنستا چلا جاتا ہے۔ ایک کے بعد دوسرے اور دوسرے کے بعد تیسرے کا ارتکاب اس کی زندگی کا جزو بن جاتا ہے اور وہ گناہ کے مسلسل ارتکاب سے اس کا عادی ہو جاتا ہے۔ پھر اسے اس وقت تک چین نہیں آتا جب تک گناہ اس سے سرزد نہ ہو جائے۔ جس طرح نیکی کا عادی نیکی کے بغیر چین نہیں لے سکتا، اسی طرح برائی کا عادی برائی کے بغیر مطمئن نہیں رہ سکتا۔ شرابی شراب کی طرف دوڑے گا، بھنگی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور چرسی بھنگ اور چرس کے لیے بے چین ہو جائے گا۔ سود خور سود خوری کو اپنا لازمۂ حیات ٹھہرائے گا، زانی اس فعل بد کے لیے بے قرار ہوگا، جھوٹ بولنے والا ہر وقت جھوٹ کی گاڑی چلا تا رہے گا، چغل خور چغل خوری میں زیادہ سے زیادہ آگے بڑھے گا، سازشی ذہن سازشوں کے نئے نئے طریقے سوچے گا بلکہ نئے سے نئے طریقے ایجاد کرے گا۔

غرض ہر گناہ کا عادی ممکن حد تک اس کے ارتکاب میں آگے بڑھنے کے لیے کوشاں ہوگا اور پھر یہی چیز اس کی شب و روزی کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بن جائے گی، جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ جو وقت وہ گھر کے کام کاج اور کاروبار میں خرچ کرتا ہے، وہ وقت گناہوں کے ارتکاب میں صرف کرے گا۔ اس کی توجہ کا مرکزی نقطہ معصیت کے مختلف شعبے قرار پائیں گے، جس کی وجہ سے لازماً کاروبار پر برا اثر پڑے گا۔ آمدنی میں کمی واقع ہوگی اور آہستہ آہستہ وہ رزق سے محروم ہوتا چلا جائے گا۔

دوسرا مطلب اس کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واقعتہً تو اس کی آمدنی میں کمی نہیں پیدا ہوگی، لیکن بے انتہا برائیوں کے ارتکاب کے باعث اس کا رزق خیر و برکت سے محروم ہو جائے گا۔ خیر و برکت سے محرومی درحقیقت رزق سے محرومی کے مترادف ہے۔ دونوں صورتوں میں کوئی صورت بھی ہو، نتیجہ ایک ہی ہے اور وہ ہے رزق اور اس کی خیر و برکت سے محرومی۔

دوسرے یہ کہ دعا ایک نہایت اہم اور بنیادی چیز ہے۔ دعا اگر خلوصِ قلب کے ساتھ کی جائے تو اللہ کے نزدیک لازماً درجۂ قبولیت کو پہنچتی ہے اور ایسی مصیبت جس کا وقوع اس کے خیال میں درجۂ یقین کو پہنچ چکا ہے، اللہ کی رحمتِ خاص سے ختم ہو جاتی ہے اور انسان کو دربارِ خداوندی سے سکون مل جاتا ہے۔

احادیث میں دعا کے بہت فضائل بیان کیے گئے ہیں۔ دعا اگر اخلاص قلب، دل جمعی اور الحاح وزاری کے ساتھ کی جائے اور اپنی تمام حاجتیں اور ضرورتیں اللہ ہی کے حضور پیش کی جائیں تو حقیقت یہ ہے کہ حالات بدل جاتے ہیں اور معاملات کا رخ دوسری صورت اختیار کر لیتا ہے۔ بہ ظاہر جو چیز ناممکن نظر آتی ہے وہ ممکن ہو جاتی ہے اور جس کے وقوع سے انسان خوف زدہ رہتا تھا، اس کے اثرات زائل ہو جاتے ہیں۔ اس لیے انسان کو دعا سے کبھی ہاتھ نہیں کھینچنا چاہیے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلکہ اپنی تمام ضروریات کی تکمیل کے لیے اللہ ہی کے حضور گڑگڑانا چاہیے۔ وہ اس کی دعا ضرور قبول کرتا ہے۔ اس کا قرآن میں وعدہ ہے:

أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي (سورہ البقرہ:۱۸۶)

ترجمہ: میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں، لوگوں کو چاہیے کہ مجھ سے مانگیں اور مجھ پر ہی ایمان لائیں۔

دعا کو حدیث میں عبادت کا مغز اور اصل قرار دیا گیا ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ

ترجمہ: دعا عبادت کا مغز ہے۔

یعنی دعا کے بغیر عبادت نامکمل ہے اور مغز سے محروم رہتی ہے۔

تیسرے یہ کہ نیکی پر تواتر و استقلال اور دوام، عمر میں اضافے کا موجب بنتا ہے۔ نیکی میں بے شمار برکتیں اور سعادتیں پنہاں ہیں۔ عمر تو وہی رہے گی، جو اللہ نے دی ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر انسان زندگی کے لمحات کو بہتر ذرائع سے گزارے گا اور اللہ کی عبادت میں مصروف رہے گا تو اُسے سکون و اطمینان نصیب ہوگا اور وہ گھبراہٹ، بے چینی اور اضطراب و بے قراری سے پاک اور طمانیتِ قلب اور سکونِ روح کی دولت سے معمور رہے گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہترین لوگ

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ اَحْسَنُكُمْ اَخْلَاقًا (مشکوٰۃ باب الرفق، الحیاء وحسن الخلق)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اخلاق کے اعتبار سے بہترین ہے۔

اس حدیث میں خوش خلقی کی تعلیم دی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ معاشرے کا بہترین شخص وہ ہے، جو بہترین اخلاق سے بہرہ ور ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ انسان کی بہتری اور اچھائی کا اصل معیار اخلاق ہے۔ جو شخص اخلاقِ حسنہ کی دولت سے مالا مال ہے، وہ دنیا کا نہایت قابل ستائش آدمی ہے۔

اخلاق نفسِ انسانی کی ایسی ہیئت اور کیفیت کا نام ہے، جس کی وجہ سے اعمال و افعال کا کارواں ایک خاص رُخ اختیار کرتا ہے اور فکر و نظر کے قافلے متعین راہوں پر گامزن ہوتے ہیں۔ اگر یہ راہیں انسانی ذہن کو جلا بخشنے اور صاف ستھری تہذیب سے آشنا کرنے کا ذریعہ ہوں تو اسے اخلاقِ حسنہ سے تعبیر کیا جائے گا۔ اگر یہ غلط موڑ پر لا کھڑا کریں اور انسان کے سامنے برائی کے دروازے کھول دیں تو اسے اخلاقِ سیئہ یا برے اخلاق سے موسوم کیا جائے گا۔ اسلام، جہاں نماز، روزے اور اصحابِ مال و دولت کو حج اور زکوٰۃ کا حکم دیتا ہے، وہاں اخلاق کی بلندی، دل کی پاکیزگی، روح کی صفائی، ذہن و فکر کی تطہیر، عمدہ تہذیب کو اپنانے اور بہترین ثقافت پر عمل پیرا ہونے کی بھی تاکید کرتا ہے۔ اس کے لیے وہ فرد اور معاشرہ دونوں کو مخاطب کرتا ہے۔ یعنی انفرادی طور پر بھی ہر شخص کو اوصافِ حمیدہ کا حامل دیکھنا چاہتا ہے۔ اور اجتماعی سطح پر بھی!

دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں جو اخلاقِ حسنہ کی تلقین نہ کرتا ہو اور خوش خلقی کو زندگی کی بہترین قدر نہ مانتا ہو۔ لیکن اسلام وہ مذہب ہے جس نے اس کے مختلف گوشوں کو تفصیل کے ساتھ وحی کے الفاظ میں بھی بیان کیا ہے اور خوب صورت الفاظ میں بیان کیا ہے..... بلاشبہ اخلاقی خوبیاں فطرتِ انسانی میں ودیعت کی گئی ہیں لیکن جہاں کسی بھی وجہ سے فطرت خاموش ہو وہاں احکامِ الٰہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی صدائے حق بلند ہوتی اور وحی ربانی کی ندائے دل نواز فضا میں گونجتی ہے، جو انسان کو اخلاق حسنہ کا درس دیتی ہے اور دنیا میں خیر وصلاح کی تبلیغ کے لیے آمادہ کرتی ہے۔

تمام انبیائے کرام اور مصلحین اپنے اپنے وقت میں لوگوں کو یہی تعلیم دیتے رہے کہ سچ بولو، دنیا میں عدل وانصاف پھیلاؤ، سب سے بھلائی اور نیکی کا برتاؤ کرو، کمزور کی مدد کرو، یتیم سے حسن سلوک سے پیش آؤ۔ یہ سب باتیں خوش خلقی کے وسعت پذیر مفہوم میں شامل ہیں۔ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلے میں جو کچھ ارشاد فرمایا، اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کی بعثت ہی اس لیے ہوئی کہ اخلاقِ حسنہ کو اتمام واکمال کی آخری حدوں تک پہنچا دیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں حسنِ اخلاق کو مکمل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔''

ایک اور مقام پر اس سے بھی زور دار الفاظ میں فرمایا:

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔

ترجمہ: میں تو بھیجا ہی اس لیے گیا ہوں کہ اَخلاق حسنہ کی تکمیل کر دوں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات میں خوش خلقی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اس کی دعوت کا پورا نقشہ اسی کی روشنی میں تیار ہوا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسلام کا وہ فریضہ ہے جس پر موقع ومحل کے مطابق عمل کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ انسان خوش اخلاق اور خوش اطوار ہو۔ اس کی عادات، گفتار، کردار، اعمال، غرض زندگی کے ہر پہلو میں اخلاق حسنہ نمایاں ہوں۔ وعدے کی پابندی، قول کی سچائی، عفو ودرگزر، عدل وانصاف، اعتدال وتوازن، اللہ کا خوف، اس کی رحمت کی امید، دل کی مسرت، رضائے الٰہی کا حصول، حقوق اللہ کی ادائیگی، حقوق العباد کا لحاظ، ہمسایوں سے حسن سلوک، خوش کلامی، نرم مزاجی، تواضع، انکسار وایثار، رحم وشفقت، عفت وپاک بازی، حلم وبردباری، سخاوت، استقامت، شجاعت اور بہادری..... یہ وہ اوصاف ہیں جو اخلاق حسنہ کی تکمیل کے لیے ضروری ہیں۔ اس سے اسلامی تہذیب نکھرتی ہے اور مسلمانوں کی صحیح ثقافت کا پتا چلتا ہے۔

جو لوگ ان اوصاف سے متصف ہیں، وہ یقیناً خوش خلق ہیں اور دنیا وآخرت میں قدر ومنزلت کے حامل ہیں۔ حدیث میں انہی لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ تم میں بہترین لوگ وہ ہیں، جو اخلاق کے اعتبار سے بہترین ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھانے کے آداب

عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ رضی اللہ عنہ يَقُوْلُ اِنَّهُ سَمِعَ عُمَرَ بْنِ اَبِيْ سَلْمَةَ رضی اللہ عنہ يَقُوْلُ كُنْتُ غُلَامًا فِي حِجْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَكَانَتْ يَدِيْ تَطِيْشُ فِي الصَّحْفَةِ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَاغُلَامُ سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ فَمَا زَالَتْ تِلْكَ طُعْمَتِيْ بَعْدُ۔ (صحیح بخاری، جلد ثانی، کتاب الاطعمۃ باب التسمیۃ علی الطعام والاکل بالیمین)

ترجمہ: وہب بن کیسان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انھوں نے حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ میں (عالمِ طفلی میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زیرِ تربیت تھا کہ (ایک مرتبہ آپ کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے) میرا ہاتھ پیالے کے اندر (کے کناروں میں) گھومنے لگا...... (میری یہ حرکت دیکھ کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے لڑکے! (کھانا کھاتے وقت) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھو اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور وہ کھاؤ جو تمھارے آگے ہے۔'' (عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) اس کے بعد کھانے کے بارے میں میری ہمیشہ یہی عادت رہی۔

حضرت وہب بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں اور حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ صحابی۔ یعنی تابعی سے صحابی نے وہ واقعہ بیان کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھاتے وقت انھیں پیش آیا تھا۔

کھانے پینے کے وہ آداب حدیث کی تمام کتابوں میں موجود ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو باقاعدہ سکھائے۔ ان آداب میں سے تین آداب اس حدیث میں بیان کیے گئے ہیں۔

ایک یہ کہ کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا چاہیے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے دائیں ہاتھ سے کھانا چاہیے۔

تیسرے اپنے آگے سے کھانا چاہیے، سارے برتن میں ہاتھ نہیں گھمانا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ نے جہاں لوگوں کو اتباعِ دین کی تعلیم دی ہے اور انھیں اللہ کی عبادت کے طریقے سکھائے ہیں، وہاں معاشرتی آداب اور مجلسی اصول بھی وضاحت سے بتائے ہیں اور انھیں دین کا لازمی اور ضروری حصہ قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام، دینِ فطرت ہے اور اس کے تمام احکام وہ عبادات سے متعلق ہوں یا معاملات سے، انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اس کا کوئی حکم دائرۂ فطرت سے باہر نہیں اور ایسا نہیں جس کو ماننے سے انسانی ذہن ابا کر سکے۔

اسی حدیث میں دیکھیے کہ حضور ﷺ نے جن تین چیزوں کا حکم فرمایا ہے، ان پر عمل کرنا کتنا ضروری ہے اور یہ چیزیں انسانی فطرت سے کس درجے ہم آہنگ ہیں۔

انسان دن میں کم از کم دو دفعہ کھانا کھاتا ہے۔ کھانے میں وہ بعض دفعہ تنہا بھی ہوتا ہے اور بعض دفعہ کسی کے ساتھ بھی! لیکن ان آداب کا تعلق دونوں صورتوں سے ہے۔!!

اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی بے مثال عظمت کے باوجود خادم یا بچے کو بھی کھانے میں شریک فرماتے اور اسے اپنے ساتھ کھانا کھلاتے تھے۔ جو خود کھاتے، وہی اس کو کھلاتے۔

اس عالمِ آب وگل میں رسول اللہ ﷺ کی شان کا نہ کوئی شخص پیدا ہوا، نہ پیدا ہوگا، لیکن آپ کی مہربانیوں اور رافتوں کا شامیانہ اتنا وسیع اور ہمہ گیر تھا کہ سب اس سے سعادت اندوز ہوتے تھے۔ بوڑھے، جوان اور بچے اس سے برابر فائدہ اٹھانے کا شرف حاصل کرتے تھے۔

اس حدیث کے مطلب کی وسعت میں بہت سی چیزیں آجاتی ہیں، کاش انھیں سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کون کس کو سلام کرے؟

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّهٗ قَالَ یُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِیْ وَالْمَاشِیْ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِیْلُ عَلَى الْكَثِیْرِ۔ (بخاری)

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، سوار، پیدل کو سلام کہے اور پیدل بیٹھے ہوئے کو سلام کہے اور کم لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کہیں۔

اس حدیث میں زندگی کے ایک ایسے پہلو کی وضاحت کی گئی ہے، جس سے ہمارا ہر وقت تعلق رہتا ہے، لیکن ہم اس کا زیادہ خیال نہیں رکھتے۔ اس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تم میں سے جو لوگ سواری پر آ رہے ہوں، وہ پیدل چلنے والوں کو سلام کہیں اور پیدل چلنے والوں کا گزر بیٹھے ہوئے لوگوں پر ہو تو وہ انھیں سلام کہیں۔ پھر اگر دو جماعتیں آمنے سامنے سے گزریں تو ان میں سے جو لوگ تعداد میں کم ہیں، وہ ان لوگوں کو سلام کہیں جو تعداد میں زیادہ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی، اسلام کی بہترین تہذیب اور عمدہ ترین ثقافت کا آئینہ دار ہے۔ اس میں مسلمانوں کے ہر طبقے کا وہ فریضہ بیان کیا گیا ہے، جو اس پر عائد ہوتا ہے اور بحیثیت مسلمان ایک دوسرے کے ادب و احترام کو واضح فرمایا گیا ہے۔

اسلام نے مسلمانوں کو جن تعلیماتِ عالیہ سے نوازا ہے، ان میں ایک یہ ہے کہ وہ آپس میں عزت و اکرام کا برتاؤ کریں، ایک مسلمان کے دوسرے پر جو حقوق و فرائض ہیں، انھیں پورا کریں، باہم ادب سے پیش آئیں اور ہر شخص دوسرے شخص کے صحیح مقام کو پہچانے۔ ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں:

یُسَلِّمُ الصَّغِیْرُ عَلَى الْكَبِیْرِ۔ (صحیح بخاری) ''چھوٹا بڑے کو سلام کہے۔''

یعنی چار قسم کے لوگوں کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ چار قسم کے لوگوں کو سلام کہیں۔

1. سوار، پیدل چلنے والے کو
2. پیدل، بیٹھے ہوئے کو
3. تھوڑے زیادہ لوگوں کو
4. چھوٹا، بڑے کو

سلام مسلمانوں کا اسلامی اور مذہبی شعار ہے۔ اس سے مسلمان اور غیر مسلمان میں جو فرق

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

و امتیاز ہے، اس کا پتا چلتا ہے۔ اس کے معنی سلامتی اور امن کے ہیں، یعنی ایک مسلمان جب دوسرے کو السلام علیکم کہتا ہے تو اس کے لیے سلامتی کی دعا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ آپ لوگوں کو امن وسلامتی میں رکھے۔ دوسرا وعلیکم السلام کہتا ہے تو وہ بھی جواب میں اس کے لیے سلامتی کی دعا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ آپ کو بھی امن وسلامتی کے سائے میں رکھے۔

اس حدیث میں ایک دوسرے کو سلام کہنے کا جو طریقہ بتایا گیا ہے، وہ تواضع اور انکساری کے لیے ہے۔ یعنی سواری پر بیٹھے ہوئے شخص کا پاپیادہ چلنے والے کو سلام کہنے کا مقصد انکساری اور عجز کا اظہار ہے اور یہ بتانا ہے کہ سواری پر سوار ہونے سے اس میں تکبر، غرور اور رعونت نہیں پیدا ہوگئی ہے۔ وہ اللہ کا معمولی بندہ ہے اور اس نے جس انعام واکرام سے اس کو نوازا ہے، اس پر اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ کسی قسم کی نخوت اور کبر نے اس پر قبضہ نہیں کیا اور وہ پیدل چلنے والوں کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتا ہے۔ اسی طرح تقاضائے ادب کے پیشِ نظر، پیدل چلنے والے، بیٹھے ہوئے کو، تھوڑے زیادہ لوگوں کو اور چھوٹے، اپنے سے بڑوں کو سلام کہتے ہیں۔

یہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ نبی ﷺ کا یہ حکم عام ہے اور ہر مسلمان پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ باہر سے کوئی چھوٹا آئے یا بڑا، حاکم آئے یا محکوم، افسر آئے یا ماتحت، وہ بیٹھے ہوئے لوگوں کو بہر حال سلام کہے۔ یہ توقع ہرگز نہ کرے کہ جو لوگ بیٹھے ہیں وہ اس کی تشریف آوری پر کھڑے ہو جائیں اور اسے حاکم، افسر یا دنیوی اعتبار سے بڑا آدمی سمجھ کر اسے سلام کریں۔ اگر بالفرض وہ اس کی آمد پر کسی وجہ سے کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ اسے سلام کرنے میں سبقت کرتے ہیں تو یہ ان کی مہربانی یا تواضع یا ادب ولحاظ ہے، شرعی حکم یا اسلامی ادب نہیں ہے۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ افسر حضرات ماتحت عملے کے پاس سے گزریں تو انھیں محض اس بنا پر سلام کہنے سے گریز کرتے ہیں کہ وہ ان کی ماتحتی میں کام کرتے ہیں اور عہدہ ومنصب میں ان سے کم درجے کے ہیں۔ بلکہ الٹا ان سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ ان کو سلام کریں۔ یہ انداز خلاف شریعت اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادِ گرامی کے منافی ہے۔

اسلام نے مسلمانوں کو جو تعلیم دی ہے، اس کے مطابق ضروری ہے کہ کبر وغرور اور نخوت ورعونت سے کام نہ لیا جائے، بلکہ ایک دوسرے کو سلام کہنے کے بارے میں نبی ﷺ نے جو طریقہ بیان فرمایا اور ترتیب بتائی ہے، اس پر عمل کیا جائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یتیم کی کفالت کرنے والے کا اعزاز

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا وَقَالَ بِاُصْبُعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى۔ (صحیح بخاری، کتاب الادب، باب فضل من یعول یتیما)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح اکٹھے ہوں گے جس طرح کہ ہاتھ کی دو انگلیاں، انگوٹھے کے ساتھ والی اور درمیانی انگلی آپس میں اکٹھی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پاک میں جو بات بیان فرمائی گئی ہے وہ انتہائی اہم ہے۔ آپ نے یتیم بچے کی پرورش اور کفالت کا ذکر فرمایا ہے اور جو لوگ یتیم کا خیال رکھتے ہیں اور اس کے لیے جائز ضروریات فراہم کرتے ہیں، ان کی فضیلت بیان کی ہے۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جن بچوں کے والدین وفات پا جاتے ہیں اور وہ یتیمی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، ان کے رشتے دار یا قریبی تعلق رکھنے والے ان سے کوئی رابطہ نہیں رکھتے اور وہ زمانے کے حوادث و آلام کی گرفت میں آ جاتے ہیں۔ اگر یہ بچے مال دار ہوں اور والدین نے ان کے لیے کوئی جائداد چھوڑی ہو تو ان کے کئی رشتے دار پیدا ہو جاتے ہیں جو ان کو اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس میں بالعموم ان کی نیت صاف نہیں ہوتی، اپنی ذاتی اغراض سامنے ہوتی ہیں۔ ان کا مقصد یا تو ان بے سہارا بچوں کی پرورش و پرداخت کے بہانے ان کی جائداد پر قبضہ کرنا ہوتا ہے، یا ان کی دولت کی وجہ سے ان کے ساتھ رشتے ناتے قائم کرنے کا لالچ ہوتا ہے۔ اگر یتیم لڑکا ہو تو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ بڑا ہو گا تو اس سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دیں گے اور اس طرح اس کے مال سے فائدہ اٹھائیں گے۔ اگر لڑکی یتیم ہو تو اس کو اپنے بیٹے کے عقد میں لانا مقصود ہوتا ہے۔

بلاشبہ یتیم بچوں کو عمر نکاح تک پہنچنے پر اپنی بیٹی دے دینا یا اپنے بیٹے سے یتیم لڑکی کا نکاح کر لینا باعثِ اجر ہے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خوش ہوتے ہیں۔ لیکن اس میں نیت کی پاکیزگی شرطِ اوّل ہے۔ ان کے مال و دولت کو ہڑپ کرنے کی غرض سے ان کی نگرانی اور حفاظت کرنا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہرگز شریعت کو منظور نہیں۔ اسلام یتیموں کی حفاظت کا حکم دیتا ہے، لیکن ساتھ ہی ان کے مال و دولت کی حفاظت وصیانت کی بھی تاکید کرتا ہے۔ جو لوگ محض ان کی دولت کی وجہ سے ان سے قرب و ربط رکھتے ہیں، وہ قطعاً سزاوارِ اجر نہیں ہیں، بلکہ بارگاہِ خداوندی میں عقوبت وعذاب کے مستحق ہیں۔

اگر بدقسمتی سے یتیموں کا تعلق غریب اور مفلس گھرانے سے ہو تو کوئی ان کی نگرانی کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ کوئی ان کی حفاظت کی ذمے داری قبول نہیں کرتا۔ کوئی ان کی تعلیم وتربیت کی حامی نہیں بھرتا۔ کوئی ان کو شفقت ومحبت کا مستحق نہیں گردانتا۔ کوئی ان کے سر پر پیار کا ہاتھ نہیں رکھتا اور کوئی انھیں روٹی کپڑا دینے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا، یہاں تک کہ ان بے کس و بے بس بچوں کو کوئی شخص یتیم خانوں میں بھی داخل نہیں کراتا۔ کیوں کہ یتیم خانوں میں داخل کرانے سے رشتے داروں کی انا مجروح ہوتی اور ان کی مصنوعی غیرت کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ وہ بے چارے زمانے کی بے رحم لہروں کی زد میں آجاتے ہیں۔ تعلیم سے محروم رہتے ہیں اور کوئی اچھی بات ان کے کانوں میں نہیں پڑتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آوارگی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور کئی قسم کی برائیاں ان میں پیدا ہو جاتی ہیں اور پھر بسا اوقات وہ ارتکابِ جرائم میں اتنا آگے بڑھ جاتے ہیں کہ معاشرے سے انتقام لینا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ درحقیقت ان یتیم بچوں کا قصور نہیں ہوتا بلکہ معاشرے کا قصور ہے جو انھیں زمانے کے حوادثِ گوناگوں کے سپرد کر دیتا ہے اور پھر خود ان کے قریبی رشتے دار ہی انھیں تنقید وملامت کا نشانہ بنا لیتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ خود انہی کی بے توجہی نے ان کو غلط راستے پر لگایا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی جو اوپر درج کیا گیا ہے، اپنے اندر بہت سی حکمتیں رکھتا ہے۔ یتیم کی کفالت بے شک بہت بڑی ذمے داری کا کام ہے، لیکن اس کے مستقبل کا خیال رکھنا اور اس کی اصلاح کے لیے کوشاں ہونا بھی تو ضروری ہے، جو شخص اس ذمے داری کو قبول کر لیتا ہے اور یتیم کی تربیت وکفالت کو اپنے لیے فرض قرار دے لیتا ہے، اس کے اجر وثواب کا دائرہ اتنا وسیع ہو جاتا ہے کہ اسے جنت میں رسول اللہ ﷺ کی صحبت ورفاقت کا استحقاق واعزاز حاصل ہو جاتا ہے، اس لیے کہ اس نے معاشرے کے ایسے فرد کی تربیت کی ہے جس سے اس کو کوئی دنیوی لالچ نہ تھا، جس کو کوئی پوچھنے والا نہ تھا اور جس سے بے التفاتی اختیار کر کے معاشرے میں بہت سی برائیوں کے پھیل جانے کا خطرہ تھا۔ یتیم کی کفالت کرنے والے نے برائیوں کے سیلاب کو چوں کہ روکنے کی کوشش کی ہے، اس لئے رحمۃ للعالمین ﷺ نے اسے جنت میں اپنی معیت کا افتخار بخشا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسانی زندگی کی پانچ حالتیں جن سے فائدہ اٹھانا چاہیے

انسانی زندگی کی تیز رو گاڑی کبھی ایک حالت میں نہیں رہتی۔ ہر آن متغیر اور ہر لمحہ منقلب ہوتی رہتی ہے۔ ابھی حالت کچھ اور تھی تو ذرا دیر بعد کو کچھ اور ہو جائے گی۔ اس تغیر و انقلاب کے بے پناہ لمحات میں کچھ ایسے لمحے بھی آتے ہیں کہ انسان کو ان سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور قبل اس کے کہ حالات کی گاڑی دوسرا کانٹا بدلے ان کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔

ترمذی شریف کی ایک حدیث میں زندگی کے مختلف ادوار کو موٹے موٹے پانچ ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے اور دوسرا دور آنے سے قبل پہلے دور کو مغتنم جاننے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ حدیث مبارکہ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِرَجُلٍ وَهُوَ يَعِظُهُ اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ وَغِنَاءَكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ۔ (مستدرک حاکم، کتاب الرقاق، باب نعمة مغبون فيها كثير من الناس)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: پانچ حالتوں کو پانچ حالتیں آنے سے پہلے غنیمت جانو (اور ان سے نیکی کی طرف بڑھنے کے لیے جتنا فائدہ اٹھا سکتے ہو اٹھا لو۔)

۱۔ جوانی کو بڑھاپا آنے سے پہلے۔

۲۔ تندرستی کو بیمار ہونے سے پہلے۔

۳۔ خوش حالی کو تنگ دستی آنے سے پہلے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ فرصت اور فراغت کو مشغولیت سے پہلے اور

۵۔ غنیمت جانو زندگی کو موت آنے سے پہلے۔

نصیحت کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کے اس ارشادِ گرامی پر غور کیجیے، کتنا عارفانہ اور حکیمانہ ہے اور چند الفاظ میں کس قدر حقیقت احوال کو منقح فرما دیا گیا ہے اور انسانی زندگی کی بے ثباتی کا پورا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے۔

دنیا کی بے پایاں وسعتوں کو فکر و نظر کے زاویوں میں لائیے تو معلوم ہوگا کہ اس کے تقدم و ترقی میں انسانی ہاتھ اور انسانی دل و دماغ حیرت انگیز طور پر کام کر رہا ہے اور اس کی تعمیرات مختلفہ کے متعدد مراحل انسان ہی کے فہم و شعور کی کرشمہ سازیوں کے مرہون منت ہیں۔ لیکن خود انسان کا اپنا کیا حال ہے؟ اور اس کی زندگی کتنی محدود ہے؟ اس کا نقشہ مذکورہ الفاظ میں فداہ ابی وامی محمد رسول اللہ ﷺ نے نہایت خوب صورت مگر مختصر الفاظ میں کھینچ دیا ہے۔

یعنی حیاتِ انسانی کا یہ سارا کارخانہ جس کا طول و عرض بہ ظاہر انتہائی پھیلا ہوا نظر آتا ہے، پانچ حالتوں میں سمٹا ہوا ہے اور اس کی ہر حالت کو دوسری حالت آنے سے قبل غنیمت جاننا چاہیے۔

انسان یا جوان ہوگا یا تندرست و توانا ہوگا یا خوش حال و فراخ دست ہوگا، یا فرصت و فراغت کے پُر مسرت لمحات میں مزے لوٹ رہا ہوگا اور ظاہر ہے کہ یہ تمام حالتیں موت سے قبل ہی پیش آ سکتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان حالتوں کو ضائع نہ کرو۔ ان کو غنیمت جان کر ان سے فائدہ اٹھاؤ۔

- اگر جوان ہو تو بڑھاپا آنے سے قبل اور اعصاب و اعضا پر ضعف و اضمحلال کا قبضہ ہونے سے پیشتر نیکیوں کی طرف قدم بڑھاؤ۔ نیکی کرنے کے لیے بڑھاپے کا انتظار نہ کرو اس لیے کہ وہ چارپائی اور بستر کا دور ہے۔ عمر کا سایہ ڈھل جائے تو اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے، اس وقت نیکیوں کی طرف قدم کب اٹھتا ہے۔ نیکی تو مستعدی اور تیز روی کی مقتضی ہے اور یہ چیز عالم پیری کی پرچھائیں پڑتے ہی عنقا ہو جاتی ہے۔
- اگر تندرستی اور توانائی کی نعمت میسر ہے تو بیماریوں کی معذوریوں اور مجبوریوں کا دور آنے سے قبل اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ بے شک حالتِ مرض میں دل نیکی کی طرف راغب ہوتا ہے اور ذہن و دماغ یہی فیصلہ کرتے ہیں کہ صالحیت کی زندگی بسر کی جائے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور تقویٰ و تدین کو شعار بنایا جائے۔ مگر اس کا تعلق تو تندرستی سے ہے۔ بیماری میں یہ فراوانی کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتی۔

- اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی سے خوش حالی سے نوازا ہے اور وسعتِ مال عطا کی ہے تو اس کو صحیح مصارف میں خرچ کرو۔ جہاں سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے روکا ہے، وہاں خرچ کرنے سے رک جاؤ اور جہاں خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، وہاں اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرو۔ مالی وسعت کا زمانہ افلاس اور تنگ دستی کے دور سے قبل نیکوکاروں کے لیے بہت ہی غنیمت کا زمانہ ہے۔
- اگر فراغت اور فرصت کے لمحات میسر ہیں تو ان کو برے کاموں میں ضائع نہ ہونے دو، بلکہ قبل اس کے مشغولیتوں کا دور آئے اور انسان پریشانیوں کے ہجوم میں گھر جائے، ان سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور ان کو اللہ کی اطاعت و فرماں برداری میں گزارنا چاہیے۔
- آخر میں موت کا وقت آتا ہے اور فرشتۂ اجل ناگہاں آ کر رشتۂ حیات منقطع کر دیتا ہے اور موت کے ساتھ توبہ و استغفار کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور انسان کے ساتھ وہی کچھ جاتا ہے جو اس نے اپنی زندگی میں عمل خیر کیا ہو۔ اس لیے زندگی کو غنیمت جاننا چاہیے اور موت آنے سے قبل اس کو اچھے کاموں مین خرچ کرنا چاہیے۔

کتنی بدقسمتی ہے کہ انسان جوانی کے عالم میں کہتا ہے کہ ابھی بہت عمر پڑی ہے، بڑھاپے میں نیکی کر لیں گے، تندرست ہوتا ہے تو خیال تک نہیں کرتا کہ بیماری بھی کوئی شے ہے۔ لیکن بیماری میں زمانۂ تندرستی کو یاد کرتا ہے۔ مال دار ہوتا ہے تو اپنا مال فضول کاموں میں خرچ کرتا ہے مگر جب افلاس کا زمانہ آتا ہے تو سوچتا ہے کہ اب مال آیا تو فلاں فلاں نیک کام پر خرچ کروں گا۔ فراغت و فرصت ہو تو اس کو بھی اچھے کاموں میں صرف کرنے کے بجائے غلط کاموں کی طرف راغب رہتا ہے۔

حدیث کے الفاظ پر پھر نظر ڈالیے کتنے جامع اور کس قدر مبنی بر حقیقت ہیں۔ انسانی زندگی کی تمام حالتیں ان الفاظ میں نہایت اختصار مگر جامعیت کے ساتھ بیان فرما دی گئی ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں کی حیثیت جسدِ واحد کی ہے

رسول اللہ ﷺ چونکہ آخری نبی ہیں اس لیے انسانیت کے اعلیٰ وارفع مقام پر فائز ہیں۔ آپ نے بنی نوع انسان کو ایسی تعلیم سے نوازا ہے کہ اس کا کہیں جواب نہیں۔ آپ نے اپنی اُمت کو یہ سبق دیا ہے کہ اس کے تمام افراد آپس میں محبت کے ساتھ رہیں۔ اُن کی اخوت و ہمدردی کا رشتہ مضبوط ہو، ان کے تعاون وتعلق میں کوئی مادی غرض اور کوئی دنیوی منفعت کارفرما نہ ہو، اس کے تمام عناصر آپس میں مخلص ہوں، ان کی وحدت و یک جہتی ''جسدِ واحد'' کی حیثیت رکھتی ہو.....

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكَى عُضْوٌ تَدَاعَى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى۔ (رواہ البخاری، کتاب الادب باب رحمة الناس والبهائم۔ مسلم: کتاب البر والصلة باب تراحم المومنین وتعاطفهم وتعاضدهم)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان والوں کو تم ایک دوسرے پر ترس کھانے، محبت سے پیش آنے اور شفقت و ہمدردی کرنے میں جسم انسانی کی طرح پاؤ گے۔ جب انسان کے کسی ایک حصے کو تکلیف پہنچتی ہے تو جسم کے سارے اعضا بخار اور بے چینی میں اس کے شریک ہوجاتے ہیں۔

اس حدیث کا مطلب بالکل صاف ہے۔ حضور علیہ السلام کا مقصد یہ ہے کہ ایمان داروں کو ایک دوسرے سے گہرا تعلق اور مضبوط رابطہ رکھنا چاہیے۔ ان میں ایسی الفت ومودّت، ایسی خیر خواہی اور ایسا قلبی لگاؤ ہونا چاہیے کہ یہ بے شک مکانی طور پر ایک دوسرے سے جدا جدا ہوں، مگر مصائب ومشکلات میں ایک دوسرے کے حامی وغم خوار ہوں۔ ہر شخص دوسرے کے درد کو اپنا درد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سمجھے اور سب اس کی فکر اور پریشانی میں شریک حال ہوں۔

اور اگر دعویٰ ایمان کے باوجود یہ تعلق و ہمدردی کے اس مقام رفیع تک نہیں پہنچ سکتے تو سمجھ لینا چاہیے کہ ابھی حقیقی اور کامل ایمان کی نعمت سے بہرہ ور نہیں ہو سکے۔ ان کو اپنے ایمان کا جائزہ لینا چاہیے کہ وہ کون سی چیز ہے جس نے ان کو باہمی ربط کی نعمت سے محروم کر رکھا ہے۔

حدیث کے علاوہ خود قرآن حکیم نے بھی ایمان داروں کے اوصاف میں رحم و تودد کو ایک اہم صفت قرار دیا ہے اور اس کا ذکر "رحماء بینھم" کے مختصر مگر جامع الفاظ کے ساتھ فرمایا ہے۔

دوسری حدیث میں فرمایا:

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ (بخاری، کتاب الأدب باب تعاون المومنین بعضھم بعضا)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ایک مومن کا تعلق دوسرے مومن سے ایک مضبوط عمارت کے اجزا کی طرح کا ہونا چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کی مضبوطی کا ذریعہ بنتے ہیں۔

یعنی ان کے جڑنے سے عمارت کھڑی رہتی ہے اور الگ الگ ہو جانے کی صورت میں پوری عمارت دھڑام سے زمین پر آ گرتی ہے۔ پھر آپ نے (مسلمانوں کے اتحاد کی مثال بیان فرماتے ہوئے) اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالیں اور فرمایا کہ مسلمانوں کو اس طرح آپس میں مل کر مضبوط دیوار کی طرح زندگی بسر کرنا چاہیے اور ان کی مثال ایسی دیوار کی ہو جس کی اینٹیں باہم پیوست اور ایک دوسرے سے ملی ہوں۔ ان میں کہیں کوئی کمزوری نہیں رہنی چاہیے۔

ظاہر ہے، محبت و ہمدردی کے اس تعلق کو ایمان کا رشتہ ہی مضبوط رکھ سکتا ہے اور اخلاص و للّٰہیت کے جذبات ہی اس میں مزید اضافے کا موجب بن سکتے ہیں، ورنہ دنیوی اور مادی تعلقات اس کو قطعاً مستحکم نہیں رکھ سکتے..... دنیا کے تمام رشتوں کی حیثیت تارِ عنکبوت کی سی ہے۔ یہ آج نہیں تو کل ٹوٹ جائیں گے۔ اصل رشتہ ایمان کا ہے جو ہمیشہ رہنے والا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تجارت میں بنیادی شرط.....ایمان داری

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنَا ثَالِثُ الشَّرِیْکَیْنِ مَالَمْ یَخُنْ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهٗ فَاِذَا خَانَهٗ خَرَجْتُ مِنْ بَیْنِهِمْ۔

(ابوداؤد، کتاب البیوع، باب فی الشرکة)

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا فرمان ہے، میں دو حصہ داروں میں تیسرا ہوتا ہوں، جب تک ان دونوں میں سے کوئی اپنے ساتھی کے ساتھ خیانت نہ کرے۔ جب وہ خیانت کرتا ہے تو میں درمیان سے نکل جاتا ہوں۔''

تجارت کو ہمیشہ انتہائی اہمیت حاصل رہی ہے۔ تجارت کا سلسلہ چونکہ بہت ہی اہم ہوتا ہے، اس لیے اس میں بعض ایسے امور پائے جاتے ہیں، جو دوسرے کاموں میں بالعموم نہیں پائے جاتے۔ مثلاً عام طور پر تجارت کا پھیلاؤ اتنا ہوتا ہے کہ ایک آدمی اس پر قابو نہیں پا سکتا، اس میں اکثر دو یا دو سے زائد آدمی شریک ہوتے ہیں۔

اس میں ایسے لوگوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے، جو تندرست و توانا ہوں اور محنت و مستعدی سے مال فروخت کریں۔ روپیہ پیسہ بے شک کچھ نہ لگائیں، ایسے لوگوں کو منافع سے مناسب حصہ دیا جاتا ہے۔

تجارت میں ایمان دار، تجربہ کار اور تعلیم یافتہ افراد کی ضرورت ہوتی ہے لیکن بعض دفعہ ان اوصاف کے حامل لوگ روپے سے تہی ہوتے ہیں اور جن کے پاس روپیہ ہوتا ہے وہ بسا اوقات ان اوصاف پسندیدہ سے محروم ہوتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو برابر کی یا تیسرے چوتھے، پانچویں حصے کی رقم ادا کر کے شریک کاروبار ہوتے ہیں، ان میں اس قسم کے افراد بھی ہوتے ہیں جو اپنے حصے کی رقم کے علاوہ اپنی محنت و کوشش کا ماہانہ معاوضہ بھی وصول کرتے ہیں۔

اسی طرح اور بھی بہت سی چیزیں تجارت میں پائی جاتی ہیں، جو دوسرے کاموں میں نہیں پائی جاتیں۔ شریعت میں ان کی نشان دہی بلکہ وضاحت کی گئی ہے اور اس میں شراکت کے لیے بہترین اصول بیان فرمائے گئے ہیں۔

تجارت میں شراکت کاروباری اعتبار سے بہت اچھی چیز ہے۔ جو محنت اور تگ و دو ایک آدمی کو کرنا پڑتی ہے، شراکت کی صورت میں وہ متعدد افراد کرتے ہیں۔ اس طرح مال کی کھپت اور فروخت کا حلقہ ہر ایک کی سعی و ہمت سے زیادہ وسیع ہوتا ہے اور جب ایک چیز پر ایک کی بجائے کئی آدمیوں کی توجہ مبذول رہے گی تو مال بھی اچھا اور جاذب نظر تیار ہوگا جس کی وجہ سے مارکیٹ میں ان کے مال کی قیمت زیادہ بڑھے گی۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ اتفاق میں برکت ہوتی ہے اور اس میں کامیابی کے امکانات زیادہ پائے جاتے ہیں۔ خود رسول اللہ ﷺ نے نبوت کی نعمت عظمیٰ پر سرفراز ہونے سے قبل تجارت کی ہے اور اس کی بعض شکلوں میں آپ باقاعدہ شریک و سہیم رہے ہیں۔ بلوغ المرام کے باب الشرکۃ والوکالۃ میں مسند امام احمد بن حنبل، سنن ابی داؤد اور ابن ماجہ کے حوالے سے ایک حدیث ہے، جس میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بعثت سے پہلے ایک صاحب کے ساتھ کاروبار میں شریک تھے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

وَعَنِ السَّائِبِ الْمَخْزُوْمِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ كَانَ شَرِيْكَ النَّبِيِّ ﷺ قَبْلَ الْبِعْثَةِ فَجَاءَ يَوْمَ الْفَتْحِ فَقَالَ مَرْحَبًا بِأَخِي وَشَرِيْكِي

ترجمہ: ''سائب مخزومی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی ﷺ کو نبوت ملنے سے پہلے آپ کے ساتھ تجارت میں شریک تھے۔ فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ اے میرے بھائی اور میرے شریک (کاروبار) میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ کو اس عظیم الشان کامیابی پر مبارک باد پیش کرتا ہوں اور آپ کو خوش آمدید و مرحبا کہتا ہوں۔"

تجارت میں شرکت احادیث سے ثابت ہے، لیکن اس میں اولین شرط ایمان داری اور دیانت داری ہے۔ حصہ داروں کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ دیانت داری سے کام کریں، کسی قسم کی خیانت اور بددیانتی کے ہرگز قریب نہ جائیں۔ جس شخص کے جو کام سپرد ہے، اس کو کامل دیانت داری کے ساتھ انجام دے، جس کے پاس رقم ہے، وہ رقم کی حفاظت کرے اور جس کے ذمہ کوئی دوسرا کام لگایا گیا ہے وہ حسن وخوب صورتی کے ساتھ وہ کام کرے۔ وقت مقررہ پر آئے، خود کام کرے، دوسروں سے کرائے۔ کام چور نہ خود بنے، نہ کسی کو بننے دے۔ جب تک یہ صورت حال رہے گی، ان کی حصہ داری اور شراکت میں برکت رہے گی اور اللہ تعالیٰ ان کے کاروبار میں اضافہ کرے گا۔ جب یہ صورت نہیں رہے گی اور ہر ایک اپنے اپنے مفوضہ فرائض میں خیانت کا ارتکاب کرنے لگے گا تو ان میں نہ برکت رہے گی، نہ ایک دوسرے پر اعتماد رہے گا اور نہ اللہ کی اعانت ان کے شاملِ حال رہے گی۔ اس سلسلے میں سنن ابوداؤد کی ایک حدیث اوپر بیان کی گئی ہے۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد دو حصہ داروں کو حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان پر اس وقت تک نظر کرم رکھتے اور ان کے کاروبار میں برکت پیدا کرتے ہیں، جب تک یہ آپس میں مخلص رہتے، ایک دوسرے کے ساتھ محبت وتعاون رکھتے اور باہم امانت داری کا ثبوت بہم پہنچاتے رہتے ہیں۔ جب یہ چیز درمیان سے اٹھ جائے اور حصہ دار بددیانتی وخیانت پر اتر آئیں تو اللہ کی مدد سے محروم ہو جاتے ہیں اور وہ برکت باقی نہیں رہتی جو ان کے زمانۂ امانت ودیانت میں پائی جاتی تھی۔

ظاہر ہے جب ایک خیانت کرے گا تو دوسرے کو لازماً کسی نہ کسی وقت شک گزرے گا۔ پھر اس کی بھی یہی کوشش ہوگی کہ وہ بھی وہی کچھ کرے جو دوسرے نے کیا ہے۔ اگر کسی کے پاس مشترکہ روپیہ ہے، تو اس میں خیانت کرے گا اور غلط حساب پیش کرے گا۔ اگر کوئی کاروبار میں محنت کرتا ہے اور وقت صرف کرتا ہے تو اس میں سستی کرے گا۔ دیر سے کام پر آئے گا اور جب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تک رہے گا نیم دلی سے رہے گا، خود بھی اچھی طرح کام نہیں کرے گا، دوسروں سے بھی نہیں کرائے گا، ہر حصہ دار دوسرے کو شک کی نظر سے دیکھے گا اور دل سے برا سمجھے گا۔ میل جول، گفتگو اور ضروری کاروباری مشوروں سے جو نہایت ضروری ہیں، گریز کیا جائے گا۔ آہستہ آہستہ دل کی بات زبان پر آئے گی۔ جب کارندے حصے داروں کے معاملے کے اس پہلو کو دیکھیں گے تو وہ بھی سستی کریں گے۔ اس کا اثر مال کی تیاری پر پڑے گا اور پھر مال کی کھپت اور فروخت کا دائرہ بھی سمٹ جائے گا اور اس طرح سارا کاروبار معطل ہو کر رہ جائے گا۔

کاروبار میں امانت، ایک دوسرے سے خیر خواہی، حصے داروں کا آپس میں حسن سلوک، نیتوں کی صفائی اور باہم تعاون و مشاورت نہایت ضروری ہے اور درحقیقت اسی میں کاروباری ترقی اور وسعت و فروغ کا راز مضمر ہے۔ کاروباری حضرات کو یہ حدیث ہر وقت پیش نگاہ رکھنی چاہیے۔ جو لوگ اس پر عامل رہیں گے اور اپنے کاروبار کو دیانت داری کے بلند اصولوں کے مطابق چلائیں گے، وہ یقیناً کامیاب رہیں گے اور جو لوگ اس بنیادی اصول کو نظر انداز کر دیں گے وہ ناکام اور خاسر رہیں گے اور بڑے سے بڑے کاروبار کو بھی تباہی و بربادی سے نہیں بچا سکیں گے۔ جب ان میں باہمی تعاون اور امانت باقی نہ رہی تو اللہ کی مدد اور برکت نہ رہی، جب اللہ کی مدد و برکت نہ رہے گی تو کاروبار کس طرح باقی رہے گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہر نیک کام صدقہ ہے

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ (صحیح بخاری، کتاب الآداب باب کل معروف صدقة)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نیکی صدقہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نہایت مختصر حدیث میں اجر وثواب اور نیکی وصالحیت کی بہت بڑی مقدار جمع کر دی گئی ہے۔ یہ کتنے آسان اور سادہ الفاظ ہیں کہ بھلائی کی ہر بات صدقے کا درجہ رکھتی ہے۔

انسان اپنی زندگی میں نیکی کے کام بھی کرتا ہے اور برائی کا مرتکب بھی ہوتا ہے۔ نیکی بھی اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہے اور برائی بھی اس کے کھاتے میں جمع ہوتی رہتی ہے۔ لیکن اس چھوٹی سی حدیث کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ نیکی کا مفہوم بہت وسیع ہے۔

حدیث میں نیکی اور بھلائی کے لیے ''معروف'' کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے۔ ''معروف'' کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جس میں خود اپنے آپ کو اور دوسرے کو ذہنی، قلبی اور روحانی مسرت اور جسمانی وبدنی راحت حاصل ہونے کے مواقع میسر آتے ہیں۔ یہ چھوٹی بھی ہو سکتی ہے اور بہت بڑی بھی..... مثلاً کسی سے اچھے انداز سے بات کرنا اور خوش مزاجی سے پیش آنا بھی نیکی کہلاتا ہے اور نیکی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''صدقہ'' قرار دیا ہے، یعنی اس پر عمل کرنے سے انسان اجر وثواب کا مستحق ہو جاتا ہے، چنانچہ صحیح بخاری کی کتاب الآداب کے ''باب طیب الکلام'' میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ

ترجمہ: ''اچھی اور صاف ستھری بات کرنا صدقہ ہے۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطلب یہ کہ مخاطب سے بہتر اسلوب سے گفتگو کرنا اور میٹھا بولنا، ایک مسلمان کے لیے صدقہ ہے، یعنی حصولِ اجر وثواب کا ذریعہ ہے۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بعض دفعہ بہ ظاہر اچھے بھلے لوگ بھی اس کا خیال نہیں رکھتے، جو منھ میں آتا ہے کہتے چلے جاتے ہیں۔ اس سے دوسرے کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ وہ جو توقع لے کر آیا تھا وہ ختم ہو جاتی ہے اور جو تاثر اس نے اپنے مخاطب کے بارے میں دل میں قائم کر رکھا تھا زائل ہو جاتا ہے۔ اس لیے مسلمان کا بالخصوص فرض ہے کہ وہ شیریں بیانی سے کام لے اور اس نہج سے بات کرے کہ سننے والا خوش ہو اور اس کی عذوبتِ لسان کا اس کے دل پر اچھا نقشہ قائم ہو جائے۔ بسا اوقات ایک ہی اچھا بول بڑے سے بڑے دشمن کا دل موہ لیتا ہے اور ایک تاریخی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک کڑوا لفظ جگری دوست کو بھی دشمن بنا دیتا ہے اور پھر اس کے برے نتائج دور تک پھیلتے چلے جاتے ہیں، جو آگے چل کر فریقین کے لیے انتہائی تکلیف اور اذیت کا باعث بن جاتے ہیں۔

معروف کا دائرہ ہمہ گیر ہے، کسی تکلیف دہ چیز کا راستے سے ہٹا دینا بھی معروف میں داخل ہے۔ مثلاً گزرگاہِ عام میں اینٹ پڑی ہے، اس کو اٹھا کر ایک طرف کر دینا، کیلے اور سنگترے وغیرہ کا چھلکا جو راہ چلتے ہوئے لوگوں کے لیے پھسلنے کا سبب بن سکتا ہے، دور کر دینا، کہیں کانٹا پڑا ہوا ہے اس کو اٹھا دینا، یہ سب بہ ظاہر چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں، لیکن درحقیقت یہ ایمان کا ضروری حصہ اور نیکی کے حصول کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ حدیث کی روشنی میں یہ صدقے کے ذیل میں آتی ہیں۔ جو شخص ان باتوں کا خیال رکھتا اور اذیت رساں چیزوں سے لوگوں کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے، اس نے نیکی کا کام کیا اور اپنا دامن معروف سے بھر لیا، لیکن جس نے اس کا خیال نہیں کیا اور تکلیف دہ چیزوں کو راستے میں پھینکتا اور پھیلاتا چلا گیا یا ان کو دیکھ کر آگے نکل گیا اور دور نہیں ہٹایا، اس نے غلط کام کیا اور لوگوں کو تکلیف میں مبتلا کرنے کا باعث بنا۔ ہمارا فرض ہے کہ نیکی کی کسی بات کو بھی معمولی نہ سمجھیں اور اس کے حصول کے جو مواقع کسی صورت میں میسر ہوں ان پر عمل کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہترین رزق اپنے ہاتھ کی کمائی ہے

عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا اَكَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ اَنْ يَاْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ وَاِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَاْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ۔ (بخاری)

ترجمہ: سیدنا مقداد بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین رزق جو کوئی شخص کھاتا ہے، وہ ہے جو اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتا ہے، اللہ کے نبی سیدنا داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔

اس چھوٹی سی حدیث میں اسلام کے ایک بنیادی مسئلے کا ذکر کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ کسبِ حلال، طلبِ حلال اور رزقِ حلال نہایت ضروری اور اساسی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر اور عمدہ رزق وہ ہے جو انسان اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتا ہے، اس سے اچھا اور کوئی ذریعۂ معاش نہیں ہے۔ ہاتھ سے کمانا اور طلبِ معاش کے لیے محنت اور جدوجہد کرنا کوئی طعن کی بات نہیں ہے اور اس میں کوئی برائی نہیں پائی جاتی، بلکہ اپنی اور اپنے بال بچوں کی ضروریات کو پورا کرنے اور پیٹ پالنے کے لیے خود انبیائے کرام علیہم السلام بھی ہاتھوں کو حرکت دیتے اور محنت و مشقت کرتے رہے ہیں۔ سیدنا داؤد علیہ السلام اللہ کے جلیل القدر پیغمبر تھے اور ان پر اللہ کی طرف سے کتاب بھی نازل ہوئی تھی، جس کا نام زبور تھا۔ ان میں بے شمار اوصاف پائے جاتے ہیں۔ وہ لوہے کی زرہیں بناتے تھے اور اس سے جو آمدنی ہوتی تھی، اس سے اپنی گزر اوقات کرتے تھے۔ لوہے کو کاٹنا، پگھلانا اور پھر اس کی کڑیوں کو خاص طریقے سے موڑ کر ان سے ایک انسانی لباس تیار کرنا، کوئی معمولی بات نہیں، بے حد محنت اور مشقت کا کام ہے، جو حضرت داؤد علیہ السلام کرتے تھے۔

وہ دور آج کل کی طرح مشینی دور نہ تھا، انسان سب کام اپنے ہاتھ سے کرتا تھا۔ اندازہ کیجیے اللہ کے پیغمبر حضرت داؤد علیہ السلام کس طرح یہ مشکل ترین کام کرتے ہوں گے۔ ہاتھ سے کام کرنے کا سلسلہ بہت وسیع ہے۔ ہاتھ کے ساتھ ذہن اور دماغ بھی برابر کام کرتے ہیں۔ ادھر انسان کا ہاتھ کسی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کام کے لیے حرکت میں آیا، ادھر پورا انسانی ڈھانچا مصروف کار ہو گیا۔ بڑھئی کوئی چیز تیار کرنے لگتا ہے تو ذہن و دماغ بھی اس کی مدد کرتے ہیں۔ کسان ہل چلاتا ہے، کھیتی باڑی کرتا ہے، فصل کاٹتا ہے، معمار مکان تعمیر کرتا ہے، ان تمام امور میں پورا جسمِ انسانی اس کا ساتھ دیتا ہے۔

ہاتھ سے کام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کسی کام میں عار اور شرم محسوس نہ کرے۔ جو کام کر سکتا ہو، کرنا چاہیے۔ سب سے غلط بات بے کار رہنا ہے۔ جو شخص بے کار بیٹھا رہتا ہے اور کسی کام کے لیے ہاتھ آگے نہیں بڑھاتا، وہ نہایت ناکام آدمی ہے۔ زندگی حرکت کا نام ہے، جو شخص عمل و حرکت سے عاری ہے، وہ زندگی کی دوڑ میں کامیابی سے ہم کنار نہیں ہو سکتا۔ کامیابی اس کے حصے میں آتی ہے، جو مشکل سے مشکل منزلیں طے کرنے کا عادی ہو اور کٹھن سے کٹھن حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہتا ہو۔

جس طرح رزق حلال حاصل کرنے والا شخص بارگاہِ خداوندی میں محبوب ہے اور اس کے اعمال مقبول و مبرور ہیں، اسی طرح رزقِ حرام حاصل کرنے والا شخص دربارِ الٰہی میں مستحق سزا و عقوبت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ ایک شخص اللہ کے حضور انتہائی خشوع و خضوع سے دعا کرتا ہے، مگر اس کی دعا قبول نہیں ہوتی، اس لیے کہ وہ مالِ حرام سے کھاتا پیتا ہے، مال حرام سے خرید کر کپڑا پہنتا ہے اور اپنی تمام ضرورتیں حرام کے مال سے پوری کرتا ہے۔ اس کی دعا قبول ہو، تو کیوں کر ہو.....؟ قبولیتِ دعا اور قبولیتِ عبادت کے لیے اوّلین شرط یہ ہے کہ اپنی ضرورتیں حلال کے مال سے پوری کی جائیں۔ ناجائز اور غلط ذرائع سے حاصل کی ہوئی نہ کوئی چیز حلق سے نیچے اتاری جائے، نہ ناجائز کپڑا پہنا جائے اور نہ کسی اور جگہ پر کوئی غلط چیز استعمال میں لائی جائے۔

رزقِ حلال کو اسلام میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس کو نظر انداز کر دیا جائے، تو پورے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا اور لوگ غلط اور مشکوک و مشتبہ ذرائع سے مال جمع کرنا شروع کر دیں گے، جسے مالِ حرام یا رزقِ حرام کہا جاتا ہے۔

ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہمارے حصولِ رزق کے ذرائع کیا ہیں۔ کیا ہم دھوکے اور فریب سے تو رزق حاصل نہیں کرتے؟ دفتری کام میں کوتاہی تو نہیں کرتے؟ چور بازاری تو نہیں کرتے؟ سمگلنگ تو نہیں کرتے؟ یتیموں، غریبوں اور کمزور لوگوں کی حق تلفی تو نہیں کرتے؟ رشتے داروں اور قریبیوں پر ظلم تو نہیں ڈھاتے؟ یہ تمام ذرائع رزقِ حرام کے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسکین کون ہے.....؟

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَيْسَ الْمِسْكِيْنُ يَطُوْفُ عَلَى النَّاسِ تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ وَلٰكِنَّ الْمِسْكِيْنَ الَّذِيْ لَا يَجِدُ غِنًى يُغْنِيْهِ وَلَا يُفْطَنُ لَهُ فَيُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ وَلَا يَقُوْمُ فَيَسْأَلُ النَّاسَ۔ (صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب قول اللہ تعالیٰ لا یسئلون الناس الحافاً)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسکین وہ نہیں جو لوگوں کے دروازوں کے چکر لگاتا ہے اور روٹی کے ایک یا دو لقموں یا ایک دو کھجوروں کا لالچ اسے اوھر اُدھر گھماتا رہتا ہے، بلکہ مسکین وہ ہے جو اپنے پاس کوئی ایسی چیز نہیں رکھتا جو اسے غنی کر دے، نہ کسی کو اس کی مالی حالت کا علم ہے کہ اس کو صدقہ دیا جائے اور نہ مانگنے کی غرض سے لوگوں کے پاس کھڑا ہوتا ہے۔

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ مسکین کسے کہتے ہیں اور اس لفظ کا اطلاق شرعی نقطہ نظر سے کس شخص پر ہوتا ہے۔ عام طور پر ہر مانگنے والے کو اور کاسۂ گدائی ہاتھ میں لے کر ہر شخص کے آگے کر دینے والے کو اور لوگوں کے دروازوں پر جا کر دستِ سوال دراز کرنے والے کو "مسکین" کہا جاتا ہے۔ کسی نے روٹی کا ٹکڑا دے دیا، کسی نے کشکول میں آٹا ڈال دیا اور کسی نے آنہ دو آنے دے دیئے، کیوں کہ ان کے نزدیک یہ مسکین ہے، غربت کا مارا ہوا ہے اور اس کی امداد کرنا ضروری ہے۔ حالاں کہ حدیث کی رو سے یہ مسکین نہیں ہے، پیشہ ور گداگر ہے، اس کو صدقہ دینا اور مستحق امداد سمجھ کر اس کی مالی مدد کرنا جائز نہیں۔ اسی لیے مشکوٰۃ میں یہ حدیث "باب من لاتحل لہ الصدقہ" میں درج کی گئی ہے، یعنی ایسے شخص کا شمار ان لوگوں میں کیا گیا ہے جو صدقے کا استحقاق نہیں رکھتے۔ ان لوگوں نے مانگنے کو آمدنی کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ اس قسم کے لوگوں کو کچھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دینے سے گداگری کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے، جب کہ معاشرتی طور سے اس کو ختم کرنا ضروری ہے۔ گداگروں کا گروہ معاشرے پر بوجھ ہے اور عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ان میں سے ہر شخص اچھی خاصی رقم کا مالک ہوتا ہے۔ ان کے لیے کسی صورت میں ''مسکین'' کا لفظ استعمال نہیں کیا جاسکتا۔

اس کے برعکس شرعی لحاظ سے مسکین، اس شخص کو کہا جاتا ہے، جس کے پاس کوئی ایسی چیز نہ ہو جو اس کی ضروریات کے لیے کفایت کر سکے اور جو اس کو تنگ دستی کے دائرے سے نکال کر فراخ دستی اور مالی وسعت کے دائرے میں داخل کرنے کا ذریعہ بن سکے۔ اس کی خودداریٔ نفس کا یہ عالم ہے کہ اس کی غربت ومسکنت اور مالی کمزوری کا کسی کو علم نہیں ہوتا کہ کوئی اس کی مالی امداد کر سکے اور اس کو صدقات وخیرات کا مستحق سمجھ کر اُسے کوئی چیز بطور صدقہ دے سکے۔ یہ شخص اس قدر صابر وشاکر ہے کہ ہر حال میں اللہ پر توکل کرتا ہے اور کسی وقت بھی کسی کے سامنے دستِ طلب دراز نہیں کرتا، کسی سے کچھ نہیں مانگتا اور جو کچھ اللہ نے دے رکھا ہے، گزر اوقات کے لیے اسی کو کافی سمجھتا ہے۔ وہ للچائی ہوئی نظروں سے لوگوں کی طرف نہیں دیکھتا، وہ اس نیت سے کسی کے پاس نہیں جاتا کہ اس کی مدد کی جائے۔ اس کی غیرت، اس کو کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلانے دیتی۔ وہ غریب اور مستحق ہونے کے باوجود اپنی غربت کا اظہار نہیں کرتا، اس لیے لوگ اسے غریب نہیں سمجھتے اور وہ بے چارہ اپنی خودداری اور ظاہری رکھ رکھاؤ کی وجہ سے روز بروز مالی کمزوری کا شکار ہوتا جاتا ہے۔

قرآن اور حدیث کی رُو سے اصحابِ ثروت کا فرض ہے کہ اس قسم کے لوگوں کی تلاش میں رہیں۔ ان کی مدد کریں اور ان کو مالی پریشانیوں سے نجات دلائیں۔ وہ صرف انہی لوگوں کو صدقے کا مستحق نہ قرار دیں، جو ان کا چلنا پھرنا دوبھر کر دیتے ہیں اور گھیرے میں لے کر ایک دوسرے سے آگے بڑھ بڑھ کر اپنا کشکول اس کے سامنے کرتے ہیں، بلکہ صدقے کے اصل مستحق وہ ہیں جو بے کاری کا شکار ہیں اور بھوک سے نڈھال ہیں، لیکن خاموشی کے ساتھ گھر میں بیٹھے ہیں اور مارے شرم کے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق تفہیم

سنن أبي داؤد اور جامع ترمذی کی ایک حدیث کے چند الفاظ میں اسلام کی پاکیزہ تعلیمات نہایت خوب صورتی سے بیان کی گئی ہیں۔ جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں مدینہ منورہ آیا تو وہاں میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ لوگ ان کی ہر بات پوری توجہ اور انہماک سے سنتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں، سب اس کو مانتے ہیں۔ میں نے پوچھا، یہ کون شخص ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، میں یہ سن کر ان کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ اس سے آگے حدیث کے اصل الفاظ پڑھیے:

قُلْتُ أَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ؟ فَقَالَ أَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ الَّذِيْ إِنْ أَصَابَكَ ضُرٌّ فَدَعَوْتَهُ كَشَفَهُ عَنْكَ، وَإِنْ أَصَابَكَ عَامُ سَنَةٍ فَدَعَوْتَهُ أَنْبَتَهَا لَكَ وَإِذَا كُنْتَ بِأَرْضٍ قَفْرٍ أَوْ فَلَاةٍ فَضَلَّتْ رَاحِلَتُكَ فَدَعَوْتَهُ رَدَّهَا عَلَيْكَ قُلْتُ اعْهَدْ إِلَيَّ قَالَ لَا تَسُبَّنَّ أَحَدًا۔ قَالَ فَمَا سَبَبْتُ بَعْدَهُ حُرًّا وَلَا عَبْدًا وَلَا بَعِيْرًا وَلَا شَاةً قَالَ وَلَا تَحْقِرَنَّ شَيْئًا مِنَ الْمَعْرُوْفِ وَأَنْ تُكَلِّمَ أَخَاكَ وَأَنْتَ مُنْبَسِطٌ إِلَيْهِ وَجْهُكَ إِنَّ ذٰلِكَ مِنَ الْمَعْرُوْفِ وَارْفَعْ إِزَارَكَ إِلَى نِصْفِ السَّاقِ فَإِنْ أَبَيْتَ فَإِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِيَّاكَ وَإِسْبَالَ الْإِزَارِ، فَإِنَّهَا مِنَ الْمَخِيْلَةِ وَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمَخِيْلَةَ وَإِنِ امْرُؤٌ شَتَمَكَ وَعَيَّرَكَ بِمَا يَعْلَمُ فِيْكَ فَلَا تُعَيِّرْهُ بِمَا تَعْلَمُ فِيْهِ فَإِنَّمَا وَبَالُ ذٰلِكَ عَلَيْهِ۔ (أبو داؤد)

ترجمہ: میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کیا، کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس اللہ کا رسول ہوں کہ اگر تمھیں کوئی تکلیف پہنچے اور تم اس سے دعا مانگو تو وہ تکلیف تم سے دور کر دے اور اگر تم قحط سالی میں مبتلا ہو جاؤ اور اس سے دعا مانگو تو وہ تمھارے لیے قحط زدہ زمین کو سبزہ زار بنا دے اور اگر تم کسی جنگل یا بیابان میں ہو اور تمھاری سواری تم سے گم ہو جائے، پھر تم اس سے دعا مانگو تو وہ تمھاری سواری تم کو عطا کر دے۔ میں یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض گزار ہوا کہ مجھے آپ کوئی نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: کسی کو کبھی گالی نہ دو (جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہتے ہیں، نبی ﷺ کے اس فرمان کے بعد نہ میں نے کسی آزاد انسان کو گالی دی اور نہ غلام کو، نہ کسی اونٹ اور نہ کسی بکری کو۔ آپ ﷺ نے فرمایا (ایک بات سنو!) کسی اچھی بات کو حقیر مت جانو، اپنے مسلمان بھائی سے بات کرو تو کشادہ روئی سے کرو۔ اس لیے کہ یہ بھی نیک کام ہے۔ (اور دیکھو!) اپنا تہبند آدھی پنڈلی تک رکھو، اگر یہ نہ ہو سکے تو ٹخنوں تک رکھو۔ ٹخنوں سے نیچے تہبند لٹکانے کی خصلت تکبر ہے اور اللہ تعالیٰ کو تکبر بہت ہی ناپسند ہے اور (سنو!) اگر تمھیں کوئی شخص گالی دے یا برا کہے اور تمھیں ایسے عیب کی عار دلائے جو تم میں ہے تو تم اس عیب کی عار اس کو مت دلاؤ، جو اس میں پایا جاتا ہے۔ (اگر تم صبر سے کام لو گے اور اس کے جواب میں خاموش رہو گے تو تمھیں اس کا ثواب ملے گا اور) اس کی حرکت کا وبال الٹا اسی پر پڑے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات نہایت پاکیزہ اور انتہائی سادہ ہیں۔ آپ کا طریق تبلیغ اور اسلوبِ دعوت بے حد عام فہم اور آسان ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ بدرجہ غایت جاذب اور باعثِ کشش بھی ہے۔ حضور علیہ السلام جو کچھ فرماتے، لوگوں کے دلوں میں اتر جاتا اور ان کے قلب وضمیر کی اندرونی تہوں میں گھر کر لیتا ہے۔ آپ کے ارشاداتِ گرامی چوں کہ لوگوں کے مزاج اور فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہیں، اس لیے صحت مند فکر وخیال کے حاملین کو نہ صرف ان سے جرأت انکار نہ ہوتی بلکہ وہ انھیں اپنی زندگی کا ہمیشہ کے لیے معمول بنا لیتے اور ان پر عمل کی دیواریں استوار کرنا ضروری قرار دیتے۔ حتیٰ کہ آپ کے مخالفین اور اسلام سے ناآشنا لوگ بھی فوراً متاثر ہو جاتے اور اسے قبول کرنے پر مجبور ہو جاتے۔ موجودہ دور میں بھی صورت حال یہی ہے، بشرطیکہ طبیعت میں صفائی، قلب میں پاکیزگی اور باطن میں بھلائی کا جذبہ کارفرما ہو۔

اس قسم کے نیک طینت اور بہتر خصلت کے لوگ اپنے آپ کو اسلام کے حوالے کر دیتے ہیں اور مجبور ہو جاتے ہیں کہ اسلام کی تعلیمات کو سمجھیں اور ان پر عمل پیرا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان تعلیمات اور احکام واوامر میں بنیادی خوبی یہ ہے کہ تکلفات سے پاک اور تصنع سے مبرا ہیں اور انسانی فطرت کے عین مطابق! جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ اس پر شاہد ہے اور اسلام بہترین تعلیمات پر مشتمل ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قابلِ رشک لوگ

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا حَسَدَ اِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهُ عَلٰى هَلَكَتِهٖ فِي الْحَقِّ وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِيْ بِهَا وَيُعَلِّمُهَا۔ (صحیح بخاری، کتاب العلم، باب الاغتباط فی العلم والحکمۃ۔ کتاب الزکوٰۃ باب انفاق المال فی حقہ۔ کتاب الاحکام باب اجر من قضی بالحکمۃ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رشک صرف دو شخصوں پر کرنا چاہیے، ایک اس شخص پر جس کو اللہ تعالیٰ نے دولت سے نوازا، پھر اس کو راہِ حق میں خرچ کرنے کی ہمت عطا کی۔ دوسرے اس شخص پر جس کو اللہ نے علم وحکمت سے بہرہ مند کیا اور وہ اس کی روشنی میں صحیح فیصلے کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔

فصلِ خصومات وقضایا اور فرائضِ قاضی کے سلسلے میں کتبِ احادیث میں بے شمار احادیث مروی ہیں اور اس اہم اور بنیادی مسئلے سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین نہایت واضح ہیں۔ اس ضمن میں پہلی بات یہ ہے کہ قاضی کو حکمت ودانائی اور فہم وادراک کی نعمت سے مالا مال ہونا چاہیے تاکہ اس کا ذہن فریقین کی بات سننے کے بعد فیصلہ کن نتیجے پر پہنچ سکے اور مسئلہ زیر بحث کے متعلق حتمی رائے قائم کرنے میں اسے کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ وہ حکمت ودانائی جس کے ذریعے انسان صحیح فیصلے کی منزل کو پالیتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی رو سے اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے جیسا کہ اس حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ پاک ہے کہ رشک دو شخصوں پر کرنا چاہیے، ایک اس شخص پر جس کو اللہ نے دولت دی اور اس نے فراخ دلی کے ساتھ صحیح جگہ پر خرچ کی۔ دوسرے اس شخص پر جس کو اللہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے حکمت و دانش سے نوازا اور وہ اس سے صحیح صحیح فیصلے کرتا ہے اور اس کی لوگوں کو تعلیم دیتا ہے۔ یعنی حکمت و دانش وہ زینت ہے، جس سے قاضی کو بہر کیف مزین ہونا چاہیے اور اس سے اپنے ذہن و فکر کو جلا دینی چاہیے اور پھر یہ چیز اس میں اتنی کثیر مقدار میں ہونی چاہیے کہ لوگ اس پر رشک کریں اور عوام میں اس کا نیکی پر مبنی شہرہ ہو اور ہر شخص کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص جو مسندِ قضا پر متمکن ہے، عقل و خرد اور حکمت و دانش سے پوری طرح بہرہ ور ہے اور فیصلہ کرنے میں عمداً لغزش کا مرتکب نہیں ہوگا۔ یہی وہ حکمت ہے جو قاضی کو کسی کا ہدفِ طعن بننے کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرتی اور اس کی اچھی شہرت کا باعث بنتی ہے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ جو شخص عقل و حکمت کی وافر مقدار کا حامل نہ ہو، اس کو محکمہ قضا کے منصبِ جلیلہ پر متعین نہیں کرنا چاہیے۔ اس سلسلے میں جہاں اس کے علم و تقویٰ کا امتحان ضروری ہے، وہاں اس کی حکمت و دانش کا معلوم کرنا اور اس کی تربیت دینا بھی لازمی امر ہے۔ اس ضمن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول پیش نگاہ رہنا چاہیے:

تَفَقَّهُوْا قَبْلَ اَنْ تُسَوَّدُوْا۔ (صحیح بخاری، باب الاغتباط فی العلم)

''یعنی قبل اس کے کہ تمھیں کسی عہدہ و منصب پر فائز کیا جائے، فقاہت و حکمت حاصل کرو۔''

فصلِ خصومات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ایک ضروری اور بنیادی ارشاد یہ ہے کہ حاکم اور قاضی غصے کی حالت میں فیصلہ نہ کریں۔ چنانچہ امام بخاری نے کتاب الاحکام میں ایک باب باندھا ہے ﴿هَلْ يَقْضِي الْحَاكِمُ اَوْ يُقْضِي وَهُوَ غَضْبَانُ﴾ (ایک نسخے میں ''الحاکم'' کی جگہ ''القاضی'' کا لفظ ہے) اس باب کے تحت امام نے یہ حدیث درج کی ہے:

كَتَبَ اَبُوْ بَكْرَةَ اِلٰى ابْنِهٖ وَكَانَ بِسِجِسْتَانَ اَنْ لَّا تَقْضِ بَيْنَ الْاِثْنَيْنِ وَاَنْتَ غَضْبَانُ۔ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا يَقْضِيَنَّ حَكَمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ۔

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو جو سجستان کا والی تھا، خط لکھا کہ جب تم غصے کی حالت میں ہو تو دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرنا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ حاکم جب غصے میں ہو تو فریقین کے درمیان فیصلہ نہ کرے۔

اس حدیث کی شرح کے ضمن میں بتایا گیا ہے کہ غضب چونکہ عقل وفہم میں خلل ڈال دیتا ہے، فکر ورائے کے زاویوں کو بدل دیتا ہے اور طبع انسانی میں تغیر برپا کر دیتا ہے، لہٰذا حالتِ غضب میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ شارح صحیح بخاری حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں کہ جو چیز بھی تغیر طبع، ضعفِ فہم اور عزلِ عقل کا باعث بنتی ہے، اس کی موجودگی میں قاضی کو مسندِ قضا پر متمکن نہیں ہونا چاہیے۔ بھوک، تنگ دستی، مرض اور دیگر عوارض جسمانی سب اسی زمرے میں آتے ہیں۔ جب تک ان کا ازالہ نہ ہو جائے، فصلِ خصومات کی ذمہ داری قبول نہیں کرنی چاہیے۔

قاضی کے فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ جب مدعی اور مدعیٰ علیہ کسی فیصلہ طلب معاملے کے لیے اس کے پاس آئیں تو وہ انھیں نصیحت وموعظت کرے اور سمجھائے کہ وہ اس کے سامنے غلط بیانی سے کام نہ لیں اور کوئی فریق اپنا دعویٰ اس طرح پیش نہ کرے کہ قاضی اس کی چرب زبانی اور تیز کلامی کی گرفت میں آ جائے، بلکہ وہ واقعات سے بحث کریں اور سادہ وآسان اسلوب میں اظہارِ مدعا کریں۔ الفاظ کے طوطے مینا بنانے اور بات کو حسین سے حسین انداز میں پیش کرنے کا محل قاضی کی عدالت نہیں ہے۔ اس طرزِ کلام سے خطرہ ہے کہ قاضی کا ذہن کسی فریق کے حسنِ کلام سے متاثر ہو جائے اور اسے بات کی تہہ تک پہنچنے کا موقع نہ ملے، جس کے نتیجے میں فیصلہ غلط رخ اختیار کر جائے اور دوسرے کا حق مارا جائے۔ اس ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَاِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ يَكُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِهٖ مِنْ بَعْضٍ فَاَقْضِيْ عَلٰى نَحْوِمَا اَسْمَعُ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهٗ بِحَقِّ اَخِيْهِ شَيْئًا فَلَا يَاْخُذْهُ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهٗ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ۔ (صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب موعظة الإمام للخصوم، الفاظ کی کچھ تبدیلی کے ساتھ یہ حدیث صحیح بخاری کے ابواب المظالم والقصاص کے باب اثم من خاصم فی باطل وهو يعلمه میں بھی درج ہے)

یعنی ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ایک انسان ہوں اور تم میرے پاس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے جھگڑے لے کر آتے ہو۔ ہوسکتا ہے، تم میں کوئی شخص اپنے دعوے کا ثبوت پیش کرنے میں دوسرے فریق سے زیادہ چرب زبان ہو اور میری حالت یہ ہے کہ جو کچھ سنتا ہوں، اسی کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں۔ لہٰذا میں اگر اس کے بھائی کے حق میں سے کسی چیز کا اس کے لیے فیصلہ کردوں، تو وہ اسے قبول نہ کرے۔ میں تو اسے آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں۔

مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص اس درجہ طلاقت لسانی کا مالک ہے کہ اپنی جھوٹی بات کو سچی ثابت کرسکتا ہے اور دوسرے فریق کی (جو درحقیقت سچا ہے مگر زیادہ بات نہیں کرسکتا) عجز کلامی کی وجہ سے قاضی کی عدالت میں جیت جاتا ہے تو یہ قطعی طور پر غلط ہے۔ اس کے غلط دلائل سے متاثر ہوکر قاضی نے اس کے حق میں فیصلہ کر بھی دیا ہے تو جس چیز کے بارے میں فیصلہ کیا گیا ہے، اس پر اس کا قابض ہونا درست نہیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اس قسم کے فیصلے سے قاضی پر کوئی گرفت نہیں۔ قاضی بہرحال برسرِ حق ہے۔ قابلِ مواخذہ وہ فریق ہے، جس نے قاضی کے سامنے کذب بیانی کی اور اسے دھوکے میں ڈالا۔

دیوانی معاملات میں رسول اللہ ﷺ نے جو فیصلے صادر فرمائے، ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان میں مدعیٰ علیہ کی رعایت رکھی جائے گی۔ اس کی تائید صحیح بخاری کی ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ کعب بن مالک کا عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی کے ذمے کچھ قرض واجب الوصول تھا۔ اس قرض کے سلسلے میں فریقین کے درمیان مسجد میں جھگڑا ہوا۔ اس وقت نبی ﷺ اپنے مکان پر تشریف فرما تھے۔ آپ نے اپنے مکان کا دروازہ کھول کر کعب بن مالک سے فرمایا کہ آدھا قرض لے لو، انھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان مان لیا۔ (صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب التقاضی والعلازمۃ فی المسجد)

یہ واقعہ سنن نسائی میں بھی موجود ہے۔ امام نسائی نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ حاکم یا قاضی اپنے گھر میں بھی مقدمات کا فیصلہ کرسکتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے یہ حدیث کتاب آداب القضاء باب حکم الحاکم فی دارہ میں درج کی ہے۔

آغاز کلام میں بخاری شریف کی جو حدیث بیان کی گئی ہے، اس میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے علم کی نعمت دی اور وہ لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے، وہ شخص قابل رشک ہے۔ بخاری شریف ہی کے الفاظ ہیں: ﴿قَدْ تَعَلَّمَ اَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ كِبَرِ سِنِّهِمْ﴾ یعنی صحابہ کرام نے بڑی عمر کے بعد بھی علم حاصل کیا۔

حصولِ علم کے لیے عمر کی کوئی قید اور کوئی شرط نہیں۔ یہ وہ نعمت خداوندی ہے جس کے حصول کی ہمیشہ کوشش کرتے رہنا چاہیے، کبھی اس سے غفلت نہیں کرنی چاہیے۔ زیر مطالعہ حدیث میں ایک بات یہ فرمائی گئی ہے کہ وہ شخص بھی قابل رشک ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا اور وہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص پر رشک کرنا چاہیے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا اور وہ اپنے مال و دولت کو غلط کاموں میں صرف نہیں کرتا، اس سے عیش و عشرت کی زندگی بسر نہیں کرتا، ناروا امور میں اس کو ضائع نہیں کرتا، بلکہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور غریبوں، یتیموں اور مستحق لوگوں کی مدد کھلے دل سے کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی حدیثِ پاک کی رو سے یہی وہ لوگ ہیں جو قابل رشک ہیں اور جن کے اوصاف سے متصف ہونے کی خواہش کرنی چاہیے۔

اس حدیث میں "لَا حَسَدَ" کا لفظ آیا ہے۔ اس کا مطلب غبطہ یعنی رشک ہے۔ رشک کے معنی یہ ہیں کہ انسان یہ خواہش کرے کہ جو چیز دوسرے کے پاس ہے، وہ ہمیں بھی مل جائے، مگر اس کے پاس بھی رہے۔ اس کے برعکس "حسد" کا لفظ ہے۔ اس کے معنی ہیں کسی شخص کو اللہ نے جو نعمت عطا کی ہے، اس کے زوال کی خواہش کرنا، کسی کے آرام پر جلنا، کسی کی بدخواہی کرنا۔

بہرکیف جو شخص راہِ خدا میں مال خرچ کرتا ہے اور علم و حکمت سے بہرہ یاب ہے، وہ اللہ کے نزدیک نہایت پسندیدہ شخص ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اس پر رشک کرنے اور اس کے اوصاف کو اپنانے کی تلقین فرمائی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مزدور کا مرتبہ

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَعْطُوا الْاَجِيْرَ اَجْرَهٗ قَبْلَ اَنْ يَجِفَّ عِرْقُهٗ۔ (ابن ماجه۔ کتاب الرهون باب اجراء الاجير)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مزور کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کردو۔

اس دنیا میں ہر کام اجتماعیت اور ایک دوسرے کے تعاون سے چلتا ہے۔ تنہا کوئی شخص کچھ نہیں کرسکتا۔ لوگ اگر ایک دوسرے کی مدد کرنا چھوڑ دیں اور تعاون سے ہاتھ کھینچ لیں تو دنیا کا سارا کاروبار معطل ہوکر رہ جائے۔ نہ اکیلا سرمایہ دار کوئی کام کرسکے اور نہ مزدور یا اجیر اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھ سکے۔

یہ حدیث جو اوپر درج کی گئی ہے، صرف ایک چھوٹے سے جملے پر مشتمل ہے، لیکن غور کیا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں ہماری دنیا کے بوقلموں معاملات کی ایک وسیع کائنات سمٹی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ آپس کے معاملات کی صفائی اور صلح وآشتی کے استحکام کے باب میں یہ مختصر جملہ جو وسعت اور جامعیت اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، اس کا کہیں جواب نہیں ملتا۔ دنیا کا کوئی کتنا بھی بڑے سے بڑا انسان ہو، دوسرے سے بے نیاز ہوکر اکیلا، اپنے ایک دو یا محدود دائرے میں سمٹے ہوئے چند کام تو کرسکتا ہے، گھر بار کے تمام کام ہرگز انجام نہیں دے سکتا۔ اسے زمین کی کاشت وزراعت کے لیے مزارع کی ضرورت ہے، مکان کی تعمیر کے لیے وہ معمار اور مزور کا محتاج ہے، لکڑی کے کام کے لیے بڑھئی کی خدمت حاصل کرنے پر مجبور ہے، سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے لیے حمال اور قلی کا دست نگر ہے۔ اگر کوئی شخص تعلیم وتعلم اور کتابوں سے شغف رکھتا ہے تو کتابت، طباعت اور جلد سازی کے لیے اسے کاتب، سنگ ساز اور جلد ساز کی احتیاج ہے، کپڑے کی تیاری کے سلسلے میں وہ کاری گر کے دروازے پر جانے کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے مجبور ہے۔ غرض اس دنیا کا ہر شخص اپنے کام کی تکمیل کے لیے کسی نہ کسی کی خدمت حاصل کرنے کا ہر آن محتاج ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اس کا یہ کام سرانجام دیتا اور اسے تکمیل کے مراحل میں پہنچاتا ہے، وہ اس کا بہت بڑا محسن ہے۔ اس حدیث کے مختصر الفاظ میں کس درجہ خوب صورت انداز میں فرمایا گیا ہے کہ اس عظیم محسن کے کام اور فن کا معاوضہ اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو۔ یعنی اس کے ادا کرنے میں کسی قسم کی تاخیر کا مظاہرہ نہ کرو، ہر ممکن عجلت میں اس کی مزدوری اس کے حوالے کر دو۔

حدیث کے الفاظ سے دو چیزوں کی بالخصوص وضاحت ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ انسان کو معاملات کے انتہائی اونچے درجے پر فائز ہونا چاہیے۔ اس سے باہمی تعلقات میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔ معاملات میں استواری کی راہ ہموار ہوتی ہے اور تجارتی اور کاروباری دنیا میں ایسے شخص کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ چھوٹے بڑے ہر طبقے کے لوگوں میں اس کو عزت و احترام کا مستحق گردانا جاتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسے اللہ کے نزدیک بہتر انسان قرار دیا جاتا ہے۔ کیوں کہ اس نے حقوق العباد کے ایک بہترین گوشے پر عمل کیا ہے۔

دوسری بات جو ابھر کر سامنے آتی ہے، یہ ہے کہ اجیر، مزدور اور محنت کش کا مرتبہ رسول اللہ کے نزدیک بہت اونچا ہے، اسی لیے تو اس کی اجرت کے فی الفور ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دنیا کی اس ساری چہل پہل، تہذیب و ثقافت کے اس بے پناہ ارتقا، تمدن و حضارت کی اس گہما گہمی اور ترقی و تقدم کی اس گوناگوں ریل پیل میں اجیر کے دستِ ہنر مند اور اس کی عقلِ رسا کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اس کو اللہ نے دانش و خرد کی اتنی بڑی نعمت سے نوازا ہے کہ اینٹ ہاتھ میں پکڑے تو تاج محل تعمیر کر دے، فولاد و آہن کو مرکزِ توجہ ٹھہرائے تو اللہ کے اس عظیم عطیے کے ذریعے سے سطحِ ارضی پر تیز سے تیز رفتار ریل گاڑی چلا دے۔ کسی دھات سے کام لینے پر اتر آئے تو فضا میں ہوائی جہاز اور راکٹ اڑا دے۔ گینتی کو انگلیوں کی گرفت میں لے تو نہریں کھود کر صحراؤں کو سیراب کرنے اور آب رسانی سے بنجر زمینوں کو مختلف قسم کی فصلوں سے مالا مال کر دینے کا ذریعہ بن جائے۔ وہ اللہ کی عطا کردہ طاقت سے پہاڑوں کو کھودنے کی استطاعت رکھتا ہے اور چاند، سورج اور ستارے اس کے لیے مسخر کر دیے گئے ہیں۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

''اللہ نے سورج اور چاند کو تمھارے لیے مسخر کر دیا ہے۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مریض مسلمان ہو یا غیر مسلم اس کی عیادت کی جائے

عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ غُلَامٌ يَهُوْدِيٌّ يَخْدُمُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَمَرِضَ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَعُوْدُهٗ فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهٖ فَقَالَ لَهٗ اَسْلِمْ فَنَظَرَ اِلٰى اَبِيْهِ وَهُوَ عِنْدَهٗ فَقَالَ اَطِعْ اَبَا الْقَاسِمِ فَاَسْلَمَ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ يَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْقَذَهٗ مِنَ النَّارِ۔

(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی فمات هل یصلّٰی علیه وهل یعرض علی الصبی الاسلام)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک یہودی غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم تھا۔ وہ بیمار ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کو تشریف لائے۔ اس کے سرہانے بیٹھے اور فرمایا: تو اسلام قبول کر لے۔ اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو پاس بیٹھا تھا، اس نے بیٹے سے کہا: ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے، آپ فرما رہے تھے۔ سب تعریف اس اللہ کے لیے ہے، جس نے اس لڑکے کو دوزخ کی آگ سے نجات دی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو اس روایت کے راوی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم المرتبت صحابی اور خادم خاص تھے۔ انصار مدینہ سے تعلق رکھتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لے جانے کے بعد وہ آپ سے وابستہ ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ رہے۔ یعنی دس سال کا طویل عرصہ نبی ﷺ کی صحبت و رفاقت میں گزارا۔ اس روایت میں انھوں نے جو کچھ بیان کیا ہے، وہ اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کا دل انسانی ہمدردی کے جذبے سے لبریز تھا۔ اس سلسلے میں مسلمان اور غیر مسلمان کے درمیان کوئی امتیاز نہ تھا۔ ہر انسان سے نبی ﷺ خندہ پیشانی سے پیش آتے اور اس سے وہی سلوک روا رکھتے جس کا وہ مستحق ہوتا۔ امیر غریب، چھوٹے بڑے، غلام، آقا، خادم، مخدوم اور مسلم و غیر مسلم سب سے حسبِ مراتب ملتے اور جو شخص جس مقام کا اہل ہوتا اس سے وہی سلوک فرماتے۔

اس حدیث سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک خادم غیر مسلم بھی تھا اور یہودی تھا۔ ظاہر ہے خادم گھر کا بھیدی ہو جاتا ہے اور آقا کے راز اس کے علم میں آ جاتے ہیں۔ پھر کسی نہ کسی وقت وہ ان رازوں کو ظاہر بھی کر دیتا ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی کو بطور خادم مقرر کیا اور اس قسم کے کسی اندیشے کو دل میں جگہ نہیں دی۔ اس لیے کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے نبی اور خطا سے پاک تھے۔ وہ غلام اپنی زندگی کے آخری سانس تک آپ ﷺ کی خدمت میں رہا۔

دوسری یہ بات اس حدیث سے ظاہر ہوئی کہ بیمار کی عیادت کو جانا چاہیے، اگرچہ وہ غیر مسلم ہی ہو۔ چنانچہ یہ حدیث الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ صحیح بخاری کی کتاب المرضیٰ میں بھی امام بخاری نے ''باب عیادۃ المشرک'' کے تحت درج کی ہے۔ اس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مشرک کی عیادت کو بھی جانا چاہیے۔

تیسرے یہ پتا چلا کہ عیادت کرنے والا مریض کو اچھی باتوں کی تلقین کرے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے یہودی غلام کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دعوت قبول کرنے کا حکم

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ دُعِیَ فَلَمْ یُجِبْ فَقَدْ عَصَی اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ دَخَلَ عَلٰی غَیْرِ دَعْوَةٍ دَخَلَ سَارِقًا وَّخَرَجَ مُغِیْرًا۔ (أبو داؤد، کتاب الاطعمة باب ماجاء فی اجابة الدعوة)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو دعوت دی جائے، وہ قبول نہ کرے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اور جو شخص بغیر دعوت کے آجائے، وہ چور کی حیثیت سے داخل ہوا اور لوٹنے والے کی حیثیت سے واپس گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ صرف عبادات ہی پر مشتمل نہیں، بلکہ انسانی زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہیں۔ ان میں جہاں عبادات کی تفصیلات بیان فرمائی گئی ہیں، وہاں تمام تہذیبی، ثقافتی اور تمدنی گوشوں کی بھی وضاحت کی گئی ہے یعنی ان کا دائرہ کسی ایک خاص موضوع پر محیط نہیں، بلکہ ان تمام معاملات پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے جو انسان کو اپنی حیاتِ مستعار میں پیش آتے ہیں۔ ان میں وہ معاملات اور مسائل بھی ہیں جو انتہائی اہمیت رکھتے ہیں اور وہ بھی ہیں، جن کو ہم اپنی کوتاہ بینی سے بہ ظاہر معمولی خیال کرتے ہیں، حالاں کہ وہ معمولی نہیں ہوتے، وقت وحالات کے مطابق بہت اہم اور غیر معمولی ہوتے ہیں۔

یہ حدیث جو اوپر درج کی گئی ہے، اپنے مفہوم میں نہایت اہم ہے۔ یہ چند الفاظ پر مشتمل حدیث ہے۔ اس میں دو چیزیں بیان کی گئی ہیں۔

ایک یہ کہ جس شخص کو کسی دعوت میں شرکت کے لیے کہا جائے اور کھانے پر بلایا جائے اور وہ بغیر کسی عذر کے یا تکلیف کے اس میں نہ آئے یا اس لیے نہ آئے کہ اس نے دعوت دینے والے کے خلاف کسی قسم کے غصے اور عناد کو اپنے اندر جگہ دے رکھی ہے، یا یہ کہ اس میں شرکت کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنی توہین سمجھتا ہے، خود کو بڑا آدمی خیال کرتا ہے اور دعوت دینے والے کو غریب اور معمولی آدمی خیال کرتا ہے اور اس کے ہاں جانے کو اپنی شخصیت اور امارت کے منافی قرار دیتا ہے۔ حدیثِ رسول اکرم ﷺ کی رو سے یہ غرور اور تکبر کا اظہار ہے اور ایسا شخص اللہ اور اس کے رسول کا نافرمان ہے۔ یہ بات اسلامی تہذیب وثقافت اور دینی اقدار کے بالکل خلاف ہے کہ ایک شخص محبت اور پیار سے دعوت دیتا ہے اور اس کی دعوت کو صرف اس لیے ٹھکرا دیا جاتا ہے کہ وہ اس کے مرتبے کا آدمی نہیں ہے اور اس کی کلاس سے تعلق نہیں رکھتا ہے۔

کچھ لوگ بعض دعوتوں میں اس لیے بھی شامل نہیں ہوتے کہ وہاں کھانا اچھا نہیں ملے گا۔ جہاں اچھے کھانے کی توقع ہو، وہاں بڑے اہتمام اور شوق سے جاتے ہیں، جہاں یہ بات نہ ہو وہاں جانے سے گریز کرتے ہیں۔ یہ اور بھی گھٹیا پن اور پست ذہنیت کا مظاہرہ ہے۔

دوسری بات اس فرمانِ نبوی میں یہ بیان کی گئی ہے کہ بغیر بلائے کسی دعوت میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔ جو شخص بن بلائے جاتا ہے، اس کو نبی ﷺ نے چور سے تشبیہ دی ہے اور اس کے کھانے پینے کو غارت گری قرار دیا ہے۔

بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ ان کو بلایا جائے یا نہ بلایا جائے، جا دھمکتے ہیں، یہ سخت معیوب بات ہے۔ ہوسکتا ہے دعوت دینے والے نے محدود لوگوں کو بلایا ہو اور زیادہ افراد کی وجہ سے سامانِ اکل وشرب میں کمی آجائے اور اس کو مہمانوں سے شرمندگی اٹھانی پڑے، اس لیے بن بلائے نہیں جانا چاہیے۔ البتہ اگر بے تکلفی ہو اور جانے والے کو علم ہو کہ وہاں کھانے کی فراوانی ہوگی اور وہ زیادہ لوگ لے جانے سے خوش ہوگا تو خود بھی جاسکتا ہے، اور کسی کو بھی ساتھ لے جاسکتا ہے۔ یا یہ کہ شادی کا کھانا ہو، یہ عام طور پر زیادہ ہی تیار کیا جاتا ہے، اس میں زیادہ تعداد میں بھی لوگ چلے جائیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔

بعض لوگوں کی یہ بھی عادت ہوتی ہے کہ کھانے کے علاوہ دوسری مجلسوں اور میٹنگوں میں بھی بن بلائے چلے جاتے ہیں، یہ بھی بہت بری بات ہے۔ اگر وہ کوئی ایسی بات کرنا چاہتے ہوں جس میں کسی دوسرے کو شریک کرنا مناسب نہیں سمجھتے تو اس میں جانا اور ان کو ذہنی طور پر پریشان کرنا، خلافِ اسلام، خلافِ تہذیب اور خلافِ اخلاق ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہل وعیال پر خرچ کرنا بہترین صدقہ ہے

عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا اَنْفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَةً عَلٰی اَهْلِهٖ وَهُوَ یَحْتَسِبُهَا كَانَتْ لَهٗ صَدَقَةً۔ (صحیح بخاری، کتاب النفقات، باب فضل النفقة علی الاهل)

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مسلمان اپنے گھر والوں پر کوئی چیز طلب ثواب کی نیت سے خرچ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے صدقہ ہو جاتی ہے۔

اس چھوٹی سی حدیث میں ایک نہایت عمدہ بات بیان کی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمان اپنے گھر میں جو بھی خرچ کرتا ہے، اللہ اس کو اس کا اجر عطا فرماتا ہے۔ یعنی بیوی بچوں پر، ماں باپ پر، بہن بھائیوں پر اس کے جو اخراجات اٹھتے ہیں اور ان کو جائز اور ضروری امور کے لیے وہ جو کچھ اپنی گرہ سے دیتا ہے، اللہ کے ہاں سے اس کا ثواب ملتا ہے۔ یہ ایک صدقہ جاریہ ہے، جس کے اجر و ثواب کا سلسلہ ہمیشہ اس کے لیے جاری رہتا ہے۔

بچوں کی تعلیم کے لیے روپیہ پیسا خرچ کرنا، ان کی ضروریات کی تکمیل کرنا، ان کی تربیت کے لیے کوشاں ہونا، ان کے لیے موسم کے مطابق لباس مہیا کرنا، حالات کی روشنی میں ان کے لیے سواری وغیرہ کا انتظام کرنا اور ان کے رہنے کے لیے مکان بنانا، جہاں انسان کے فرائض میں داخل ہے، وہاں اس کو بارگاہِ خداوندی سے اس کا اجر بھی حاصل ہوتا ہے اور یہ اجر قیامت تک کے لیے اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ انسان کو اسی چیز کا اجر ملتا ہے جو وہ دوسرے لوگوں کے لیے خرچ کرتا ہے۔ بلاشبہ اس کا بھی اجر ملتا ہے اور دوسروں پر خرچ کرنا بہت بڑی بات ہے۔ اللہ نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بار بار حکم دیا ہے کہ مستحقین کو دو، غریبوں کی مدد کرو، یتیموں، مسکینوں، بیواؤں اور قیدیوں کی مدد کرو۔ لیکن گھر والوں پر خرچ کرنا بھی باعث اجر وثواب ہے۔ بلکہ سب سے پہلے گھر ہی میں خرچ کرنا چاہیے۔ گھر کے اخراجات سے جو چیز بچ جائے، وہ دیگر مستحقین کو دینی چاہیے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ گھر کے افراد تو دیکھتے ہی رہیں اور دوسروں کو دے دیا جائے۔ یہ نیکی اور صدقہ نہیں، ظلم اور زیادتی ہے۔ صدقہ یہ ہے کہ گھر کے افراد کو مقدم رکھو اور دوسروں کو مناسب طریقے سے دو۔

اسلام میں نیکی اور صدقے کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ہر وہ شے نیکی میں داخل ہے جس سے کسی کو فائدہ پہنچتا ہے۔ وہ فائدہ گھر کے افراد کو پہنچتا ہو، رشتے داروں کو پہنچتا ہو، باہر کے لوگوں کو پہنچتا ہو، چھوٹوں کو پہنچتا ہو، بڑوں کو پہنچتا ہو، بہر حال نیکی ہے۔ یہاں تک کہ اچھی بات زبان سے نکالنا بھی نیکی اور صدقہ ہے۔

بچوں کے لیے تلاشِ رزق کی غرض سے اس کا دکان پر بیٹھنا، گلی محلے میں چکر لگا کر خرید وفروخت کرنا اور دوسرے ذرائع سے کمائی کرنا صدقے ہی کے ذیل میں آتا ہے۔

نیکی اور صدقے کے لیے زبان کی سچائی اور دل کی صفائی بھی ضروری ہے۔ جو لوگ صدقِ مقال کے عادی نہیں اور قلب کی صفائی جن کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی، وہ نیکی کی لذت سے بہرہ یاب اور صدقے کی قدر و قیمت سے آشنا نہیں ہو سکتے۔

بہر حال مسلمان کا ہر قدم نیکی اور اس کی زندگی کا ہر رخ صدقہ ہے۔ بشرطیکہ اس میں اخلاص کی مقدار موجود ہو۔ اس کا چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، عمل وحرکت، سعی وکوشش، گھر کے کام، دفتر کے معمولات، بچوں کی نگرانی، اولاد کی تربیت، والدین کی خدمت، رشتے داروں سے حسنِ معاملت، چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کی عزت، استاد کی تکریم، فرائض کی ادائیگی میں باقاعدگی اور میل جول میں صفائی کا التزام سب نیکی ہی نیکی اور صدقہ ہی صدقہ ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سات اوصاف کے لوگ جو سایۂ خداوندی کے مستحق ہوں گے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ سَبْعَةٌ یُظِلُّهُمُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ یَوْمَ لَاظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ اِمَامٌ عَادِلٌ وَشَابٌّ نَشَاَ فِیْ عِبَادَةِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَرَجُلٌ ذَکَرَ اللّٰهَ فِیْ خَلَاءٍ فَفَاضَتْ عَیْنَاهُ وَرَجُلٌ کَانَ قَلْبُهٗ مُعَلَّقًا فِی الْمَسْجِدِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ اِمْرَاَةٌ ذَاتُ مَنْصَبٍ وَجَمَالٍ اِلٰی نَفْسِهَا فَقَالَ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰی لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَاصَنَعَتْ یَمِیْنُهٗ۔ (نسائی، کتاب آداب القضاۃ باب الامام العادل)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات آدمی وہ ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز سایہ عطا فرمائے گا، وہ ایسا دن ہوگا کہ اللہ کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا، وہ سات آدمی یہ ہیں: (۱) عادل حکمران (۲) وہ نوجوان جس نے اللہ کی عبادت کرتے ہوئے نشوونما پائی۔ (۳) وہ آدمی جو ایک خالی جگہ میں تنہا ہے اور اللہ کے ذکر میں مشغول ہے اور اس کی آنکھوں سے خوف خدا سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ (۴) وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے۔ (۵) وہ دو آدمی جو صرف اللہ کی رضا کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ (۶) وہ آدمی جس کو حسب نسب والی خوب رو عورت دعوتِ گناہ دیتی ہے اور وہ اس سے کہتا ہے کہ مجھے اللہ سے ڈر لگتا ہے۔ (۷) وہ آدمی جو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس حد تک چھپا کر صدقہ وخیرات کرتا ہے کہ اس کا بایاں ہاتھ بھی نہیں جان پاتا کہ اس کے داہنے ہاتھ نے کیا کیا۔

یہ حدیث عمل و کردار کی نشان دہی کے لحاظ سے اہم احادیث میں سے ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ سات اوصاف سے متصف ہیں، وہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں کامیاب و کامران ہیں۔ قیامت کے روز بارگاہِ الٰہی میں ان کو بالخصوص لائق احترام گردانا جائے گا، وہ اللہ کی مہربانیوں کے مستحق قرار پائیں گے اور اس کے ظلِ عاطفت میں جگہ پائیں گے۔

اوّل: وہ حکمران جو عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں، اس میں غریب، امیر، چھوٹے بڑے اور رشتے دار وغیر رشتے دار کے درمیان کوئی امتیاز نہیں کرتے۔ جو بھی فریاد لے کر آتا ہے، اس کی دادرسی کرتے اور نہایت احتیاط سے غلط اور صحیح کو پہنچانتے اور حقائق کی روشنی میں قدم اٹھاتے ہیں۔ اس سلسلے میں نہ کسی کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ کسی لالچ میں آتے ہیں۔ سب لوگ ان کی نظر میں برابر ہیں اور رعایا کے تمام حقوق پورا کرتے ہیں۔

دوم: وہ لوگ جو عالمِ جوانی میں احکامِ شریعت کی پابندی کرتے ہیں۔ ان کے شب و روز امورِ خیر کی انجام دہی میں گزرتے ہیں۔ کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتے، خدمتِ خلق میں مصروف رہتے ہیں۔ ان کا کاروبار، ان کی ملازمت اور ان کا ہر معاملہ دیانت داری پر مبنی ہے۔

سوم: وہ لوگ جو تنہائی میں بھی اللہ کا ڈر محسوس کرتے ہیں اور خوفِ خدا سے ان کی آنکھیں پُرنم ہو جاتی ہیں۔ کسی ناروا حرکت کے محض اس لیے مرتکب نہیں ہوتے کہ اللہ نے ان کو اس سے روک دیا ہے۔ انھیں ہر آن یہ احساس رہتا ہے کہ اگر کوئی غلط قدم اٹھائیں گے تو اللہ کے ہاں اس کی باز پرس ہوگی۔

چہارم: وہ لوگ جو نماز کے پابند ہیں، مسجدوں میں باقاعدہ حاضری دیتے اور اپنے آپ کو یادِ خدا میں مشغول رکھتے ہیں۔ مسجد میں انھیں روحانی سکون اور قلبی اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

پنجم: اللہ کے وہ بندے جو ایک دوسرے سے مخلصانہ روابط قائم کرتے ہیں، ان کے باہمی تعلقات اس نوعیت کے ہیں کہ ان میں کوئی دنیوی مفادات مضمر نہیں۔ صرف اس لیے آپس میں میل جول اور پیار محبت رکھتے ہیں کہ اس سے مسلمانوں کے مجموعی مفادات وابستہ ہیں اور لڑائی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جھگڑے کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں اللہ خوش ہوتا ہے اور مسلمانوں کی علاقائی، ملکی اور عالمی برادری کی عزت بڑھتی ہے۔

ششم: وہ لوگ جو فواحش ومنکرات سے دامن کشاں رہتے ہیں۔ اگر برائی کے مواقع میسر ہوں تب بھی اس کے قریب نہیں جاتے۔ برائی کی دعوت دی جائے تو اسے اللہ کے ڈر سے ٹھکرا دیتے ہیں۔

ہفتم: وہ لوگ جو خفیہ طریقے سے صدقہ وخیرات کرتے ہیں، لوگوں میں اپنی سخاوت کا ڈھنڈورا نہیں پیٹتے اور نہ کسی پر احسان جتاتے ہیں۔ مستحق افراد کی اس طرح مالی امداد کرتے ہیں کہ کسی دوسرے کو کانوں کان اس کی خبر نہیں ہو پاتی۔ وہ نہیں چاہتے کہ لینے والے کی عزت نفس مجروح ہو اور معاشرے میں اس کی ساکھ بگڑے۔

یہ وہ سات چیزیں ہیں کہ اگر مسلمان انفرادی اور اجتماعی طور پر ان کو اپنا لیں اور اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کر لیں تو یقیناً ان کے لیے فوز وفلاح کے دروازے کھل سکتے ہیں اور وہ خلوص و ہمدردی کی دولت سے مالا مال ہو سکتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنی نوع انسان کی ہمدردی کا حکم

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُوْدُوا الْمَرِیْضَ وَفُکُّوا الْعَانِیَ۔ (صحیح بخاری، کتاب المرضی، باب وجوب عیادۃ المریض)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بھوکے کو کھانا کھلاؤ، بیمار کی مزاج پرسی کرو اور قیدی کو رہا کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث صرف تین جملوں پر مشتمل ہے اور جملے بھی نہایت مختصر اور چھوٹے چھوٹے ہیں۔ لیکن اس حدیث میں اسلامی اخلاق اور معاشرتی ہمدردی کا ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے۔

اَطْعِمُوا الْجَائِعَ: بھوکے کو کھانا کھلاؤ۔ غور کیجیے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی کتنا عالی شان ہے اور مخلوق خدا پر آپ کی مہربانیوں اور نوازشوں کی کتنی بڑی مقدار اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ بنی نوع انسان کی ہمدردی اسلام کے اصولوں میں سے ایک اہم اصول ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غریب اور تنگ دست کا ہر وقت خیال رہتا تھا۔ معاشی ناہمواری کو دور کرنا اور غربت و افلاس کو ختم کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ضروری تھا، اسی لیے آپ نے تمام مسلمانوں کو اور بالخصوص ان مسلمانوں کو، جن کو اللہ نے مالی آسودگی اور دولت و ثروت سے نوازا ہے، حکم دیا کہ وہ افلاس زدہ لوگوں کی جس قدر ممکن ہو، مدد کریں۔

قرآن مجید کا بھی اس سلسلے میں واضح ارشاد ہے:

وَاَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِیْرَ (الحج:۲۸)

''بھوکے محتاج و فقیر کو کھانا کھلاؤ۔''

یہ بھی فرمایا:

وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ (الحج:۳۶)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''قناعت کی وجہ سے سوال نہ کرنے والوں کو بھی کھلاؤ اور
سوال کرنے والوں کو بھی۔''

نیز اللہ نے اپنے بندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

يُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا۔ (الدھر:۸)

''اور وہ لوگ محض خدا کی محبت کی بنا پر غریب اور یتیم اور
قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔''

اسلام ان لوگوں سے شدید نفرت کا اظہار کرتا ہے جو خود تو آرام و راحت کی زندگی بسر کرتے ہیں اور انواع و اقسام کے لذیذ سے لذیذ تر کھانوں سے کام و دہن کی تواضع کرتے ہیں؛ لیکن اپنے گرد و پیش میں رہنے والی مخلوق خدا کا قطعاً خیال نہیں رکھتے اور کوئی پروا نہیں کرتے کہ کون کس حال میں ہے، کس کے چولھے میں آگ جلتی ہے اور کون بھوک سے نڈھال ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بہ طور حکم ارشاد فرمایا کہ تنگ دست کا خیال رکھو، افلاس زدہ لوگوں کی مدد کرو اور جو لوگ کسی وجہ سے بھوک کے ستائے ہوئے ہیں، ان کو سامانِ اکل و شرب بہم پہنچاؤ۔

وَعُودُوا الْمَرِيضَ: یہ اس حدیث کا دوسرا فقرہ ہے۔ یعنی بیمار کی عیادت کو جاؤ اور اس کی مزاج پرسی کرو۔ نبی ﷺ کا یہ حکم بھی بنی نوع انسان کی ہمدردی پر مبنی ہے۔ مریض کی عیادت کی جائے تو اس کو ذہنی سکون ملتا اور قلبی راحت حاصل ہوتی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اس وسیع و عریض معاشرے میں وہ تنہا نہیں ہے، لوگ اس کی جسمانی تکلیف کا احساس کرتے اور اس کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھتے ہیں، اس کے لیے اللہ کے حضور صحت کی دعا مانگتے ہیں اور بارگاہِ خداوندی سے اس کی شفا کے طالب ہیں۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ مریض کی عیادت کے صرف یہ معنے نہیں کہ آپ اس کے پاس جائیں اور پوچھ کر واپس آ جائیں، بلکہ اس سے آگے قدم بڑھا کر، اس کی جس صورت میں بھی مناسب ہو، مدد کرنی چاہیے، اس کی صحت کے لیے دعا کرنی چاہیے، اس کو تسلی دینی چاہیے، اگر طبیب کے پاس جانے کی ضرورت ہو تو لے جانا چاہیے اور اگر روپے پیسے کی حاجت ہو تو اس کی مالی امداد کرنی چاہیے۔ مریض کے لیے رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم محض زبانی بات چیت تک محدود نہیں ہے۔ اس کا دائرہ مریض کی ان تمام جائز ضرورتوں تک پھیلا ہوا ہے، جن کا پورا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنا انسان کے بس میں ہو۔

وَفُکُّوا الْعَانِیَ

قیدی کو رہا کرو۔

زمانۂ جاہلیت میں مختلف قبائل کی باہمی جنگوں میں فریقین کے لوگوں کو گرفتار کر لیا جاتا تھا اور پھر ان کی رہائی کے لیے فدیہ یا معاوضہ طلب کیا جاتا تھا۔ اسی طرح ایک دوسرے کے دشمن قبائل میں باہم پکڑ دھکڑ کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ حدیث میں ایک عام حکم دیا گیا ہے کہ قیدیوں کو رہا کرو۔ اس سے وہ قیدی مراد ہیں جو عادی مجرم نہ ہوں، چور اور ڈاکو نہ ہوں، ظالم اور ستم گر نہ ہوں، سفاک اور قاتل نہ ہوں بلکہ وہ قیدی ہوں جو کسی غلط فہمی کی بنا پر پکڑے گئے اور جیلوں میں ڈال دیے گئے یا وہ قیدی جو مظلوم ہیں اور قابلِ ضمانت ہیں یا وہ جو کسی خاص جرم کے مرتکب نہیں ہیں لیکن کسی دشمنی یا عداوت کی بنا پر گرفتار کرا دیے گئے ہیں۔ قیدیوں کی رہائی کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے وارثوں اور اہل وعیال کی مدد کی جائے تاکہ وہ ان کے بعد کم سے کم مالی پریشانی میں تو مبتلا نہ ہوں۔

یہ حدیث اگرچہ نہایت مختصر ہے اور رسول اللہ ﷺ کے چھوٹے چھوٹے یہ صرف تین بول ہیں لیکن اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کو بنی نوع انسان سے بے پناہ تعلق اور مخلوقِ خدا سے انتہائی ہمدردی ہے۔ وہ لوگوں کو کسی حالت میں بھی تکلیف اور مصیبت میں نہیں دیکھنا چاہتا۔ نہ ان کو مفلس دیکھنا چاہتا ہے، نہ اس کو وہ لوگ پسند ہیں، جو مریض کی بیمار پرسی یا دست گیری نہیں کرتے۔ نہ اس کو بلاوجہ لوگوں کا جیلوں میں بھر دینا پسند ہے۔ اسلام پیار کا مذہب ہے، لوگوں کو ہمدردیٔ خلائق کا درس دیتا ہے اور معاشرے کے مظلوم اور ستم رسیدہ افراد کی اعانت کو فرض ٹھہراتا ہے۔

یہاں یہ ذہن میں رہے کہ اس حدیث پاک میں صرف مسلمانوں کی مدد کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ تمام انسانوں کی مدد کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے، اگرچہ وہ کسی مذہب ومسلک اور کسی ملک سے تعلق رکھتے ہوں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درخت لگانے اور کھیتی باڑی کرنے والے کا مرتبہ

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَامِنْ مُّسْلِمٍ يَّغْرِسُ غَرْسًا اَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَاْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ اَوْ اِنْسَانٌ اَوْ بَهِيْمَةٌ اِلَّا كَانَ لَهٗ بِهٖ صَدَقَةٌ (صحیح بخاری، ابواب الحرث و المزارعة وماجاء فیه باب فضل الزرع والغرس اذا اکل منه)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان کوئی پودا لگاتا ہے یا کاشت کرتا ہے، پھر اس سے کوئی پرندہ یا انسان یا ڈھور ڈنگر کچھ کھالیتا ہے تو وہ اس کے لیے صدقہ بن جاتا ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باغ بانی، درخت لگانے اور زراعت و کاشت کاری کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور باغ بانوں اور زراعت پیشہ لوگوں کی تعریف کی ہے۔ یہ وہ طبقہ ہے جو انتہائی محنت اور مشقت سے کام کرتا ہے، بنجر زمینوں کو آباد کرتا ہے اور زمین کا سینہ چیر کر اپنے لیے بھی سامان خورد و نوش مہیا کرتا ہے اور دوسروں کو بھی غذا بہم پہنچانے کا ذریعہ بنتا ہے۔ جفاکشی اور مشقت جو اس طبقے کے حصے میں آئی ہے اور کسی کے حصے میں نہیں آئی۔ اس کی محنت اور کمائی سے انسان بھی فائدہ اٹھاتے ہیں، پرندے بھی اپنی روزی حاصل کرتے ہیں، ڈھور ڈنگر بھی اپنے پیٹ بھرتے ہیں اور درندے بھی جو انسانوں کے دشمن ہیں، زندہ رہنے کے لیے اس کے دست نگر ہیں۔ اس اعتبار سے یہ پیشہ نہایت اہم ہے کہ بلا کسی امتیاز کے ہر ذی روح اور جان دار کو اس سے برابر فائدہ پہنچ رہا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کسان اور کاشت کار طبقہ اللہ کے نزدیک بڑی اہمیت کا مالک ہے اور وہ صرف زراعت کا کام کرنے کی وجہ سے اجر و ثواب کا مستحق ہو جاتا ہے، اس کی نیت اگرچہ ثواب حاصل کرنے کی ہو یا نہ ہو۔ اس لیے کہ اس کے عمل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زراعت سے تمام خلق خدا کو فائدہ پہنچتا ہے، خواہ وہ قصداً کسی کو فائدہ پہنچانا چاہے یا نہ چاہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے نقطۂ نظر سے اصل نیکی اللہ کی مخلوق کو فائدہ پہنچانا اور وہ کام کرنا ہے جو اس کی بہتری کا سبب ہو۔ جس کام سے خلق خدا کو جتنا زیادہ فائدہ پہنچے گا، اس کا کرنے والا اتنا ہی زیادہ اجر وثواب کا مستحق ہوگا۔ زراعت اور کاشت کاری میں چوں کہ دوسروں کو فائدہ پہنچانے اور عام خلق خدا کی نفع رسانی کا پہلو زیادہ واضح اور نمایاں ہے، اس لیے اس کی فضیلت بھی بہر صورت زیادہ ہے۔

علامہ بدرالدین عینی اپنی کتاب عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وفيه حصول الاجر للغارس والزارع وان لم يقصد ذلك حتّٰى لو غرس وباعه او زرع وباعه كان له بذلك صدقه لتوسعته على الناس في اقواتهم۔

ترجمہ: یعنی اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ درخت لگانے اور کھیتی باڑی کرنے والے کو اجر وثواب حاصل ہوگا، اگرچہ اس کام سے اس کی نیت حصولِ ثواب کی نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کام کے سبب وہ لوگوں کی روزی میں وسعت اور اضافے کا ذریعہ بنتا ہے۔ اگر وہ درخت لگا کر بیچ دے یا کھیتی کا غلہ فروخت کروے، جب بھی اس کو اس کا اجر ملے گا۔

کھیتی باڑی کرنا اور درخت لگانا وہ کام ہے جو کرنے والے کے لیے صدقۂ جاریہ ہو جاتا ہے، اس لیے کہ اس کے اثرات نہایت وسیع ہوتے ہیں۔ اس سے اللہ کی ہر قسم کی مخلوق فائدہ اٹھاتی ہے۔ غلہ خود کھاؤ یا دوسرے کو کھلاؤ یا بیچ دو، بہر حال مخلوق خدا اس سے غذا حاصل کرتی ہے اور نفع اندوز ہوتی ہے، اسی طرح درخت، زمین میں برقرار رہے تو انسان، چرند پرند اور ڈھور ڈنگر اس کے سائے سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اگر اسے کاٹ دیا جائے تو لکڑی کی صورت میں اس سے بہت سے فوائد حاصل کیے جاتے ہیں۔

غرض کاشت کار اور زراعت پیشہ لوگوں کا شمار اللہ کی بہتر مخلوق میں ہوتا ہے اور ان کا کام ان کے لیے اجر وثواب کا باعث ہے، اس لیے کہ ان کی زرعی کوششوں اور سرگرمیوں سے مختلف صورتوں میں تمام خلقِ خدا کو فائدہ پہنچتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گھر کی چھوٹی سی مملکت میں اتفاق کی ضرورت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَایَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً، اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِیَ مِنْهَا اٰخَرَ۔

(صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصیة بالنساء)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مومن مرد کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنی مومنہ بیوی سے بغض رکھے۔ اس کی ایک عادت اگر اسے ناپسند ہوگی تو دوسری عادت اسے پسند بھی ہوگی۔

اسلام کی تعلیمات میں سے ایک اہم اور بنیادی تعلیم یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے محبت کے ساتھ رہیں، باہمی تعلقات کو زیادہ سے زیادہ مستحکم کرنے کی کوشش کریں، کسی کو مطعون نہ ٹھہرائیں، کسی پر الزام تراشی نہ کریں۔ کوئی شخص کسی کے متعلق ایسا رویہ اختیار نہ کرے جو شکوک وشبہات میں مبتلا کردے اور باہمی تعلقات میں بگاڑ پیدا کرنے کا باعث بن جائے۔

یوں تو سب کے لیے ضروری ہے کہ ان باتوں کا خیال رکھیں اور کسی مرحلے پر بھی آپس کے معاملات کو خراب نہ ہونے دیں، لیکن میاں بیوی کے لیے بالخصوص لازم ہے کہ ان امور کو پیش نگاہ رکھیں اور اپنے نازک اور اہم رشتے کو کسی صورت میں بھی بدگمانی اور سوءِ ظن سے ملوث نہ ہونے دیں۔

میاں بیوی کے تعلقات کی نوعیت گھر کی چھوٹی سی مملکت کی ہے جو اپنی جگہ بہت اہمیت کی حامل ہے۔ اگر میاں بیوی کے تعلقات خوش گوار ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے حسن ظن رکھتے ہیں تو ان کی یہ ''مملکت'' نہایت کامیابی سے چلے گی اور اگر بدقسمتی سے یہ دونوں ایک دوسرے سے بدظن ہیں، بے اعتمادی سے کام لیتے ہیں اور آپس میں کسی نہ کسی انداز کی عداوت رکھتے ہیں تو ان کے گھر کا کوئی کام بھی حسن وخوبی سے انجام نہیں پاسکے گا اور ان کی اس ''مملکت''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا کوئی پہلو بھی صحیح اور درست نہ ہوگا۔ اسی بنا پر حدیث میں ان کے لیے باہمی تعلقات بہتر رکھنے پر زور دیا گیا ہے اور تاکید فرمائی گئی ہے کہ یہ ایک دوسرے پر بدگمانی نہ کریں اور باہم کسی نوع کی عداوت کا مظاہرہ نہ کریں، کیوں کہ یہ چیز ان کی معاشرتی اور گھریلو زندگی کے لیے بے حد نقصان دہ ثابت ہوگی۔ میاں بیوی بعض دفعہ گھر میں لڑ جھگڑ بھی پڑتے ہیں اور یہ لڑائی جھگڑا عام طور پر کسی بدگمانی اور سوئے ظن کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ابتدا میں چھوٹی بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں جو بعد میں خوف ناک صورت اختیار کر لیتی ہیں اور بغض و عداوت میں بدل جاتی ہیں۔ حدیث میں انہی بدگمانیوں، بدظنیوں اور بغض وعداوت سے روکا گیا ہے۔

میاں بیوی کے تعلقات کا سلسلہ نہایت نازک اور انتہائی دوررس نتائج کا حامل ہوتا ہے، اس کو نبھانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔ ان کے جھگڑے کا اثر اولاد پر بھی پڑتا ہے اور گھر کا ہر فرد اس سے پریشان ہو جاتا ہے۔ مرد کو اگر بیوی سے کوئی شکایت بھی ہو تو اسے یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ بیوی کی اگر ایک عادت مرد کے لیے ناپسندیدہ ہے تو دوسری عادت پسندیدہ بھی ہوگی۔ مثلاً اگر وہ کھانا پکانے میں مہارت نہیں رکھتی تو شرافت و دیانت کی نعمت سے بہرہ ور ہوگی، یا وہ زبان کی تیز ہے تو نیکی اور صالحیت کے زیور سے آراستہ ہوگی۔

بہر حال اگر کوئی عادت اس میں اچھی نہیں تو کوئی اچھی بھی تو ہوگی۔ ضروری ہے کہ اس عادت کا لحاظ رکھا جائے جو اچھی اور پسندیدہ ہے۔ محض ناپسندیدہ عادت کو سامنے رکھ کر لڑائی جھگڑے اور بغض وعداوت کا راستہ نہ اختیار کیا جائے۔ یہ راستہ اختیار کرنے سے دونوں زندگی کی اس وسیع و عریض منزل میں چند قدم بھی آسانی سے آگے نہیں بڑھا سکیں گے۔ ان کے علاوہ ان کے متعلقین اور رشتے دار بھی ہمیشہ پریشانی کا شکار رہیں گے۔ اولاد کی تربیت بھی صحیح نہ ہو سکے گی اور گھر میں آنے جانے والے لوگ اور مہمان بھی برا اثر لیں گے۔

ایسے مواقع پر شوہر کو بھی سوچنا چاہیے کہ اس میں تو کوئی ایسی عادت نہیں پائی جاتی جو بیوی کے لیے ناپسندیدہ ہو۔ شوہر بھی تو آخر انسان ہے، وہ بھی غلطی کا مرتکب ہو سکتا ہے اور بسا اوقات ہوتا بھی ہے۔ پھر تنہا بیوی کو کیوں مطعون ٹھہرایا جائے، خود اپنی اصلاح کیوں نہ کی جائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خواہشات نفس کی پیروی سے بچنے کی تاکید

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ خَطَّ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم خَطًّا مُرَبَّعًا وَخَطَّ خَطًّا فِي الْوَسْطِ خَارِجًا مِنْهُ وَخَطَّ خُطَطًا صِغَارًا إِلٰى هٰذَا الَّذِي فِي الْوَسْطِ مِنْ جَانِبِهِ الَّذِي فِي الْوَسْطِ، فَقَالَ هٰذَا الْإِنْسَانُ وَهٰذَا أَجَلُهُ مُحِيطٌ بِهِ۔ وَهٰذَا الَّذِي هُوَ خَارِجٌ أَمَلُهُ، وَهٰذِهِ الْخُطَطُ الصِّغَارُ الْأَعْرَاضُ فَإِنْ أَخْطَأَهُ هٰذَا نَهَشَهُ هٰذَا وَإِنْ أَخْطَأَهُ هٰذَا نَهَشَهُ هٰذَا۔ (صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب فی الامل وطوله)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چوکور خط کھینچا اور ایک خط اس کے درمیان کھینچا جو اس چوکھٹے سے باہر تک چلا گیا اور درمیانی خط کے ادھر اُدھر چھوٹی چھوٹی لکیریں کھینچیں اور فرمایا درمیانی خط کو انسان سمجھو اور جو خط اس کے اردگرد ہے اس کو انسان کی موت قرار دو، جو اس کو گھیرے ہوئے ہے۔ یہ چھوٹی چھوٹی لکیریں آفات وحوادث ہیں۔ اب اگر یہ ایک حادثے سے بچ نکلتا ہے تو دوسرا اس کو نوچ لیتا ہے اور اگر اس سے بچ جاتا ہے تو دوسرا پکڑ لیتا ہے۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان، اس کی موت، اس کی حرص و آرزو اور اس کے آفات وحوادث کو ایک مربع اور چوکور خط کھینچ کر بیان فرمایا۔ یہ ایک تمثیل ہے۔ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ انسان اپنی زندگی میں بڑی بڑی توقعات قائم کرتا اور بہت سی امیدیں باندھتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ کاروبار میں وسعت ہو، مختلف قسم کے مال واسباب اس کے پاس جمع ہوں، اونچے اونچے محل اور وسیع کوٹھیاں ہوں، وہ دور دراز ملکوں کی سیر کو جائے، زمین وجائداد میں اضافہ ہو، موٹروں اور ہوائی جہازوں پر سفر کرے، نوکر چاکر اس کے آگے پیچھے ہوں، خدام وحشم کی ایک فوج اس کے احکام سننے اور ماننے کو تیار کھڑی ہو۔ لیکن اس کی یہ تمام خواہشیں اور امیدیں، جنھوں نے اس کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے، کسی کام نہیں آتیں۔ وہ ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خواہش پوری کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اچانک کسی طرف سے اس پر مصیبتوں کی یلغار ہو جاتی ہے۔ دوسری کی تکمیل کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا ہے تو کسی اور جانب سے اس پر آفتیں ہلہ بول دیتی ہیں۔ اس طرح وہ ہر وقت مصائب وبلیّات کی زد میں رہتا ہے اور خواہشات کی یہ کثرت بے پناہ ذہنی کوفتوں کی صورت میں اسے ہر آن کسی نہ کسی طرف سے گھیرے رکھتی ہے۔ کبھی کوئی مصیبت سامنے آ کھڑی ہوتی ہے اور کبھی کوئی آفت اس کا احاطہ کر لیتی ہے۔ نہ وہ آرام کی نیند سو سکتا ہے، نہ چین اور اطمینان کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ بالآخر جب وہ کئی قسم کی مصیبتوں کی گرفت میں آ جاتا ہے تو موت اس کے سامنے آ نمودار ہوتی ہے اور آرام وآسائش کی یہ تمنائیں اسے قبر کی آغوش میں لے جاتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کو سامنے رکھ کر ہم خود اپنا محاسبہ کریں اور اپنے گرد وپیش کا جائزہ لیں تو بات بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ جن لوگوں کے ذہن وفکر پر مادیت نے تسلط جما لیا ہے، وہ ہر جائز وناجائز طریقے سے مال ودولت جمع کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور حصول دنیا کی خواہشات نے ان پر قبضہ کر رکھا ہے۔ وہ ہر وقت مارے مارے پھرتے ہیں اور بے شمار مصیبتیں اُن کے آگے پیچھے لگی ہوئی ہیں۔ اگر ایک مصیبت سے نجات حاصل کرتے ہیں تو جھٹ سے دوسری آ پکڑتی ہے۔ مصائب کے اس ہجوم میں نہ وہ کسی سے زیادہ مل سکتے ہیں اور نہ کوئی تفصیلی گفتگو کر سکتے ہیں کیوں کہ اس کے لیے ان کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا۔

رسول اللہ ﷺ اس فرمان کے ذریعے انسان کو سادہ زندگی بسر کرنے اور دنیا کے تکلّفات سے دامن بچا کر رکھنے کی تلقین فرماتے ہیں۔

انسان بے شک مال ودولت بھی جمع کرے، اچھا لباس بھی پہنے، دنیا کی سیر بھی کرے، شان دار مکان بھی بنائے، لیکن اپنے آپ کو صرف اسی کام کے لیے وقف نہ کر دے۔ اسے چاہیے کہ اپنے اعزہ واقارب سے بھی ملتا رہے، عزیزوں اور رشتے داروں کے حقوق بھی پورے کرے اور اہل وعیال کو بھی خوش رکھے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت بھی کرے اور جو فرائض وواجبات شرعی اور دنیوی طور سے اس پر عائد ہوتے ہیں، ان کو بہر حال پورا کرے۔

قرآن مجید صاف لفظوں میں فرماتا ہے: وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ کہ دنیا کی زندگی کا یہ مال واسباب محض دھوکا اور فریب ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک بہترین انسان وہ ہے، جو دنیا کی زندگی کا سفر اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت شعاری میں کامیابی کے ساتھ طے کر لے اور خواہشاتِ نفس کی پیروی سے اپنے آپ کو بچائے رکھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زبانی

قَالَ اَنَسٌ رضی اللہ عنہ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ اَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا فَاَرْسَلَنِيْ يَوْمًا لِحَاجَةٍ فَقُلْتُ وَاللّٰهِ لَا اَذْهَبُ، وَفِيْ نَفْسِيْ اَنْ اَذْهَبَ لِمَا اَمَرَنِيْ بِهٖ نَبِيُّ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ فَخَرَجْتُ حَتّٰى اَمُرَّ عَلٰى صِبْيَانٍ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ فِي السُّوْقِ، فَاِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَابِضٌ بِقَفَايَ مِنْ وَّرَائِيْ، فَنَظَرْتُ اِلَيْهِ وَهُوَ يَضْحَكُ، فَقَالَ يَا اُنَيْسُ اِذْهَبْ حَيْثُ اَمَرْتُكَ، قُلْتُ نَعَمْ اَنَا اَذْهَبُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اَنَسٌ وَاللّٰهِ لَقَدْ خَدَمْتُهٗ سَبْعَ سِنِيْنَ اَوْ تِسْعَ سِنِيْنَ مَاعَلِمْتُ قَالَ لِشَيْءٍ صَنَعْتُ، لِمَ فَعَلْتَ كَذَا وَكَذَا وَلَا لِشَيْءٍ تَرَكْتُ، هَلَّا فَعَلْتَ كَذَا وَ كَذَا۔ (أبو داؤد)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ حسنِ اخلاق کے مالک تھے۔ آپ نے ایک دن مجھے کسی کام کے لیے جانے کو فرمایا، میں نے جواب دیا، میں نہیں جاؤں گا اور میرے جی میں یہ بات تھی کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے میں ضرور جاؤں گا، چنانچہ میں جانے کے لیے گھر سے نکلا تو میرا گزر ان بچوں پر ہوا جو بازار میں کھیل کود رہے تھے۔ اچانک وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور آپ نے پیچھے سے میری گردن پکڑ لی، میں نے دیکھا تو آپ ہنس رہے تھے۔ آپ نے (پیار سے مجھے) فرمایا: اُنیس جہاں میں نے جانے کو کہا تھا، وہاں جاؤ، میں نے عرض کیا، ہاں! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جا رہا ہوں..... (یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے سات سال فرمایا یا نو سال (اس میں راوی کو شک ہے) کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنے کا شرف حاصل کیا، لیکن مجھے یاد نہیں کہ میں نے کسی چیز کے بارے میں کہا ہو کہ یہ کام میں نے کر دیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو کہ تم نے اس طرح کیوں کیا؟ اور نہ یہ کہ میں نے کہا ہو کہ یہ کام میں نے نہیں کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ہو کہ تم نے اس طرح کیوں نہیں کیا؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے مشہور صحابی اور خادم خاص تھے۔ انھوں نے نو سال سے زیادہ عرصہ (تقریباً دس سال) حضور ﷺ کی خدمت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ یہ ان کے بچپن کا زمانہ تھا۔ اس زمانے کا یہ واقعہ جو انھوں نے بیان فرمایا ہے، رسول اللہ ﷺ کے انتہائی حسن اخلاق، نہایت متحمل مزاجی اور بہ درجہ غایت رحم دلی پر دلالت کرتا ہے۔ ظاہر ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ وہی عادات رکھتے تھے جو عام طور پر بچوں میں پائی جاتی ہیں، یعنی دل چاہا تو فوراً تعمیل کر دی اور کام کے لیے بھاگ دوڑے۔ اگر نہ جی چاہا تو نہ کیا۔ پھر ایسا بھی ہوا کہ حضور ﷺ کے کہے بغیر کوئی کام کر دیا اور وہ غلط ہوا یا حضور ﷺ کے کہنے کے باوجود سستی کی اور اپنے آپ کو کام کے لیے آمادہ نہ کر سکے۔ یعنی بچپن میں جو عادتیں کسی بچے میں ہو سکتی ہیں، وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ میں موجود تھیں اور ان کا اظہار وہ خود بھی کرتے ہیں۔ جس طرح ضد میں آ کر بچے قسمیں کھانے لگتے ہیں، اسی طرح انس بھی قسمیں کھاتے اور انکار پر اتر آتے تھے۔ لیکن قربان جایئے رحمۃ للعالمین کی ذاتِ اقدس کے، آپ نے نہ کبھی ان کو ڈانٹا، نہ مارا پیٹا اور نہ سختی اور تشدد کا کسی صورت میں کبھی برتاؤ کیا۔ ہمیشہ انھیں نرمی، حلم اور شفقت کا مستحق گردانا اور جو کچھ کہا، انتہائی پیار اور محبت بھرے الفاظ میں کہا۔ بچے کو ہر معاملے میں بچے کی سطح پر رکھا اور اس کے لیے وہی الفاظ استعمال فرمائے جو بچے کے لیے مخصوص ہیں۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام بچوں کی نفسیات کا خوب علم رکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ان پر سختی کی جائے تو وہ ضد اور سرکشی پر اتر آتے ہیں اور اس سے ان کی عادتیں بگڑ جاتی ہیں۔ جو کام نرمی سے ہو سکتا ہے وہ سختی سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خادم اور ملازم کو بالخصوص نرمی کا مستحق گردانا جائے، کیوں کہ اس سے ہر وقت کام پڑتا ہے اور اس سے کام لینے کا صحیح طریقہ نرمی ہے۔

ہمارے گھروں میں بھی عام طور پر چھوٹی عمر کے بچوں کو ملازم اور خادم کی حیثیت سے رکھا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہمارا ان کے بارے میں کیا طرزِ عمل ہوتا ہے؟ کیا ہم ان کی چھوٹی چھوٹی لغزشوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں یا سختی اور تشدد سے پیش آتے ہیں؟ کیا ہم اپنے طرزِ عمل سے ان کی عادتوں کو بگاڑنے کا باعث تو نہیں بنتے؟ اس حدیث کی روشنی میں ہم سب کو اس پر غور کرنا چاہیے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایفائے عہد کا حکم

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِنَّ الْغَادِرَ يُرْفَعُ لَهُ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُقَالُ هٰذِهٖ غَدْرَةُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ۔ (صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب یدعی الناس بآبائھم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: وعدہ خلافی کرنے والے کے لیے قیامت کے روز ایک جھنڈا اٹھایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی وعدہ خلافی ہے۔

معاشرتی برائیوں میں وعدہ خلافی بہت بڑی برائی ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ وعدہ خلافی منافق کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے۔

اسلامی معاشرے میں وہ شخص انتہائی قابل احترام اور لائق تعظیم ہے جو وعدے کا پکا ہے اور جس سے جو بات کرتا ہے اس پر پورا اترتا ہے۔

قرآن مجید میں بھی ایفائے عہد کی تلقین فرمائی گئی ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ وعدہ ہر حال میں پورا کرو۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا۔ (بنی اسرائیل: ۳۴)

یعنی جب تم کسی سے وعدہ کرو تو پورا کرو، وعدے کے بارے میں تم سے اللہ کی بارگاہ میں باز پرس ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے کوئی وعدہ کر لیتے تو اس کو ہر حال میں ایفا کرتے، اس کے لیے خواہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتنی تکلیف ہوتی، اسے برداشت فرماتے، لیکن وعدے کی خلاف ورزی ہرگز نہ کرتے۔ اس قسم کے واقعات بھی احادیث میں ملتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی سے وعدہ کیا اور فرمایا میں تیرے انتظار میں یہاں کھڑا ہوں، لیکن وہ شخص بھول گیا کہ حضور ﷺ اس کے انتظار میں فلاں جگہ کھڑے ہیں۔ آپ کافی دیر تک کھڑے اس کا انتظار فرماتے رہے۔ اس کے بعد وہ شخص آیا تو اس نے اپنی بھول یا کوتاہی پر آپ سے معذرت کی اور اس شدید غلطی پر معافی کا خواست گار ہوا۔

ایفائے عہد کرنا نہایت ضروری ہے، جس شخص سے کوئی چیز لینے یا کوئی چیز اس کو دینے کا وعدہ کیا جاتا ہے تو وہ اس کا منتظر رہتا ہے اور وعدے کے مطابق اپنا ایک منصوبہ تیار کر لیتا ہے، لیکن اگر وعدے پر اُسے شے موعودہ نہ ملے تو اسے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ ممکن ہے، اس نے اس وعدے کی روشنی میں کسی اور سے کوئی وعدہ کر رکھا ہو اور اقرار کیا ہو کہ فلاں شے، فلاں دن اسے دے گا، لیکن جب خود اسے ہی نہیں ملی تو وہ آگے کیوں کر دے گا، اس طرح جس سے وعدہ کیا گیا ہے، وہ بھی وقت موعود پر چیز نہ ملنے کی وجہ سے وعدہ پورا نہ کر سکا اور اس وعدہ خلافی کے غلط اثرات کو وسیع کرنے کا باعث بنا۔

وعدہ خلافی کرنے والے کا معاشرے میں کوئی اثر نہیں رہتا اور کسی حلقے میں بھی اس کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا، نہ کاروباری لوگ اس پر اعتماد کرتے ہیں اور نہ عام آدمی اس کو لائق اعتنا گردانتے ہیں۔

دنیا کے تمام چھوٹے بڑے کام وعدے پر چلتے ہیں، اگر وعدہ صحیح ہو اور اسے ہر قیمت پر پورا کیا جائے تو سب معاملات ٹھیک رہتے ہیں اور اگر وعدے کے ایفا کا خیال نہ رکھا جائے تو معاملے کا کوئی پہلو بھی درست نہیں رہتا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ گفتگو میں یا لین دین میں کسی کو دھوکے میں نہ رکھا جائے اور وعدہ پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ معاشرتی نظام کو برقرار رکھنے کے لیے ایفائے عہد کو اوّلین حیثیت حاصل ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیثِ جبریل میں پنہاں اسباق

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ، شَدِيْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَايُرٰى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ وَلَايَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ حَتّٰى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ وَقَالَ يَامُحَمَّدُ أَخْبِرْنِيْ عَنِ الْإِسْلَامِ قَالَ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا قَالَ صَدَقْتَ فَعَجِبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ قَالَ فَأَخْبِرْنِيْ عَنِ الْإِيْمَانِ قَالَ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَأَخْبِرْنِيْ عَنِ الْإِحْسَانِ قَالَ أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ قَالَ فَأَخْبِرْنِيْ عَنِ السَّاعَةِ قَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ إِلٰى آخِرِهٖ۔ (مشکوٰۃ، کتاب الایمان، صحیح بخاری)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک روز ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، ایک شخص آیا، جس کا لباس بہت ہی سفید تھا اور بال بہت سیاہ تھے۔ اس پر سفر کے آثار دکھائی نہیں دیتے تھے اور ہم میں سے کوئی بھی اس کو نہیں پہچانتا تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے گھٹنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں کی طرف کر لیے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر رکھ لیے اور عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اسلام کے بارے میں بتایئے (کہ وہ کیا ہے اور اس کی کیا تعریف ہے؟) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لائق نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور یہ کہ نماز قائم کرے، زکوۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے اور اگر مالی استطاعت ہو تو حج بیت اللہ بھی کرے (یہ سن کر) اس نے کہا۔ آپ نے درست فرمایا (سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) ہمیں اس سے تعجب ہوا کہ یہ شخص رسول اللہ ﷺ سے سوال بھی کر رہا ہے اور ساتھ ہی تصدیق بھی کیے جا رہا ہے۔ پھر اس شخص نے نبی ﷺ سے سوال کیا کہ آپ مجھے یہ بتائیے کہ ایمان کیا شے ہے؟ آپ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تو اللہ کو، اس کے فرشتوں کو، اس کی کتابوں کو، اس کے رسولوں کو اور قیامت کے دن کو مانے اور ان پر ایمان لائے۔ نیز تقدیر کو اس کے اچھے اور برے تمام پہلوؤں کے ساتھ تسلیم کرے۔ اس نے کہا، آپ نے بالکل صحیح ارشاد فرمایا۔ اس شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے احسان یعنی اخلاص کے بارے میں بتائیے کہ وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اخلاص یہ ہے کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے کہ گویا تو اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ اگر تو (اپنے آپ پر) یہ کیفیت طاری نہ کر سکے تو اتنا ضرور کر کہ تجھے یہ احساس ہو کہ اللہ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔

ایک سوال نو وارد نے نبی ﷺ سے یہ کیا کہ آپ مجھے قیامت کے متعلق بتائیے کہ کب قائم ہوگی؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: قیامِ قیامت کے بارے میں جس شخص سے سوال کیا گیا ہے وہ بھی سوال کرنے والے سے زیادہ کچھ نہیں جانتا۔ (الی اخر الحدیث)

اس حدیث کے کچھ الفاظ اور بھی ہیں۔ یہ اس کا ابتدائی حصہ ہے جو یہاں درج کیا گیا ہے۔ اگلے حصے میں چند اور باتوں کے علاوہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ نو وارد حضرت جبریل علیہ السلام تھے، جو مسلمانوں کو ان کے دین سے متعلق بنیادی امور کی تعلیم دینے کی غرض سے آئے تھے۔ مطلب یہ تھا کہ جبریل امین علیہ السلام اسلام کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ سوالات کریں گے اور رسول اللہ ﷺ ان سوالات کا جوب دیں گے اور سوال و جواب کی اس مجلس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ مسلمان اپنے دین کے بارے میں صحیح صحیح معلومات حاصل کر لیں گے۔

اس حدیث سے بہت سے بنیادی اور ضروری امور کی وضاحت ہوتی ہے اس سے یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثابت ہوا کہ اسلام کیا ہے اور کن کن امور کو اختیار کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے سے انسان مسلمان ہوتا ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کے بعد کن باتوں پر ایمان لانا اور ان کو قلب کی گہرائیوں میں اتارنا اور خلوصِ نیت سے ماننا ضروری ہے۔ اسی طرح اخلاص و احسان کے بارے میں بھی معلوم ہوا کہ وہ کیا شے ہے؟ اور ایک مخلص مسلمان کو اللہ کی عبادت کرتے وقت اخلاص کی کن کیفیات کو اپنے اوپر طاری کرنا چاہیے۔ قیام قیامت اور یوم آخرت کے متعلق بھی اس میں بتادیا گیا ہے کہ اس کا کسی شخص کو علم نہیں ہے۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب قائم ہوگی اور کس وقت تمام دنیا کو عالم برزخ کی پنہائیوں سے اٹھا کر اللہ کے حضور پیش کیا جائے گا اور ان کے نیک و بد اعمال کا باقاعدہ حساب لیا جائے گا۔ نیک لوگوں کو ان کے اعمالِ حسنہ کا بہتر بدلہ دیا جائے گا اور بدکرداری کا ارتکاب کرنے والوں کو مستوجبِ سزا و عقوبت گردانا جائے گا۔ یہ سب کس وقت وقوع پذیر ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کا کسی کو علم نہیں۔

ایک اور چیز جو اس حدیث سے معلوم ہوئی، وہ ادب و احترام کے تقاضے ہیں۔ محترم و معزز شخصیتوں کے ساتھ کس طریق سے بات کی جائے؟ علما سے کیا انداز کلام اور نہج نشست اختیار کر کے مسائل دریافت کیے جائیں؟ ان کی خدمت میں کس اسلوب سے حاضری دی جائے؟ ان کی مجلس میں کس طرح بیٹھا جائے؟ یہ سب امور اس حدیث نے واضح کر دیے ہیں۔

غور کیجیے حضرت جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں انسانی شکل میں اس وقت حاضر ہوتے ہیں، جب صحابہ رضی اللہ عنہم اچھی خاصی تعداد میں آپ کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ جبریل علیہ السلام انتہائی سفید اور صاف ستھرے لباس میں ملبوس ہیں۔ دوزانو ہو کر اور اپنے دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر رکھ کر نہایت ادب و احترام کے ساتھ آپ کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں اور بغایت منکسرانہ اور مؤدبانہ لہجے میں سوال کرتے اور ایک خاص ترتیب سے اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتے ہیں۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سوال کا جواب دیتے ہیں تو جبریل علیہ السلام کمال انکسار اور تواضع سے کہتے ہیں "صَدَقْتَ" درست فرمایا، آپ نے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب کسی بڑی اور ذی علم شخصیت کے پاس کوئی مسئلہ دریافت کرنے یا استفادے کے لیے حاضری دی جائے تو مسائل اور علما کے وقار کا تقاضا یہ ہے کہ باقاعدہ اہتمام کے ساتھ اس کے پاس جایا جائے۔ صاف ستھرا لباس زیبِ تن کیا جائے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہایت ادب کے ساتھ دوزانو ہو کر نظریں نیچی کر کے اس کے سامنے بیٹھا جائے۔ پھر جواب میں ''بجا ارشاد فرمایا''۔ ''صحیح فرمایا'' وغیرہ ادب کے الفاظ کہے جائیں۔

اہل علم کی مجلسوں میں استفادے کی غرض سے جانا اور ان کے سامنے آلتی پالتی مار کر اور اکڑ کر بیٹھ جانا اور ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے باکی و بے تکلفی سے بات کرنا گستاخانہ فعل ہے جو حدیث کے بھی خلاف ہے اور علما کے ادب واحترام کے تقاضوں کے بھی منافی ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سائل جس شخص سے کوئی بات پوچھے وہی جواب دے۔ دوسرے لوگ بے شک اس کا علم بھی رکھتے ہوں مگر انھیں خاموش رہنا چاہیے۔ بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ ایسے مواقع پر جواب کے لیے بے قرار ہو جاتے ہیں۔ سائل جس شخص سے سوال کرتا ہے وہ تو ابھی جواب کے لیے کچھ سوچ ہی رہا ہوتا ہے، مگر دوسرے لوگ فوراً بول اٹھتے ہیں اور آگے بڑھ بڑھ کر جواب دینا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ بات قطعی نادرست اور آدابِ مجلس کے خلاف ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔

اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ سائل اور مسئول دونوں کو آرام سے بیٹھ کر ایک دوسرے کے خیالات اور اندازِ گفتگو کو سمجھنا چاہیے اور سوال کے مطابق جواب دینا چاہیے۔ لمبی اور بے مقصد بات سے فریقین کو احتراز کرنا چاہیے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نرمی سے محروم بھلائی سے محروم

عَنْ جَرِيرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ يُحْرَمُ الرِّفْقَ يُحْرَمُ الْخَيْرَ (صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والأدب، باب فضل الرفق)

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص نرمی سے محروم ہے، وہ بھلائی سے محروم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث صرف ایک جملے پر مشتمل ہے۔ یہ جملہ الفاظ کے اعتبار سے بہت چھوٹا ہے لیکن معنوی اعتبار سے اپنے اندر بڑا وزن رکھتا ہے۔ اس میں یہ بات بیان فرمائی گئی ہے کہ جو شخص نرمی کی صفت سے محروم ہے، وہ خیر و خوبی کے تمام اوصاف سے تہی دامن ہے۔

''نرمی'' کے لیے اس حدیث میں لفظ ''رفق'' استعمال ہوا ہے، یعنی لطافت، مٹھاس، حسنِ سلوک اور مہربانی۔ یہ لفظ سختی اور شدت کی ضد ہے۔ مطلب یہ کہ دنیا کے تمام پیش آئندہ معاملات میں انسان کو نرمی اختیار کرنی چاہیے۔ شدت اور سختی سے بچنا چاہیے۔ سہولت سے کام لینا چاہیے، سخت گیری سے احتراز کرنا چاہیے۔ یعنی بات کی جائے تو نرمی سے، کسی کو سمجھایا جائے تو آسان طریقے سے، کسی سے کچھ مانگا یا طلب کیا جائے تو میٹھے انداز میں، کسی سے کچھ کہنا ہو تو اس اسلوب سے کہ سننے والا اثر پذیر ہو کر اس کی طرف کھنچا چلا آئے اور طرزِ کلام ایسا ہو کہ پتھر کا دل بھی موم ہو جائے۔ دلوں کو موہ لینا اور مخالفوں کو موافق بنا لینا وہ وصفِ عظیم ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ عطا کر دے، یوں سمجھیے کہ وہ خیرِ کثیر اور بہت بڑی بھلائی سے نوازا گیا اور جس کو اس صفت سے محروم کر دے، وہ خیر و برکت اور نیکی اور بھلائی کے سرمائے سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

احادیث میں اللہ تعالیٰ کے جو اسمائے گرامی درج ہیں، ان میں ایک نام ''رفیق'' بھی ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ کمال مہربانی سے اپنے تمام بندوں کی خبر گیری کرتا ہے، لطف و کرم سے ان کو رزق بہم پہنچاتا ہے اور رفق و ملائم سے ان کی ضرورتیں اور حاجتیں پوری کرتا ہے۔ پھر کمال یہ ہے کہ اس ترحم و تلطف میں وہ اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ لوگ اس کی اطاعت بھی کرتے ہیں یا نہیں۔ وہ اپنے مطیع و فرماں بردار بندوں سے بھی رفق و نرمی کا سلوک کرتا ہے اور جو لوگ اس کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اطاعت نہیں کرتے، ان پر بھی برابر لطف وکرم کی بارش فرماتا ہے۔ یعنی اس کا ابرِ رحم ہر شخص پر سایہ فگن ہے اور اس کی مہربانیوں کے ہمہ گیر دائرے میں ہر متنفس شامل ہے۔ اس کا اطاعت گزار بھی اور نافرمان بھی..... اس کی عطائے غیر مجذوذ سے ہر ایک کو برابر فیض پہنچ رہا ہے۔

اللہ چوں کہ رفیق ہے، اس لیے رفق ونرمی کو پسند کرتا ہے اور اسی وجہ سے انسان کو اس کی ضرورت کی سب چیزیں عطا فرماتا ہے اور اس پر بے پناہ نوازشیں کرتا ہے۔ اپنے بندوں میں بھی وہ نرمی، رفق اور ملائمت کی صفت دیکھنا چاہتا ہے۔ چنانچہ جو شخص انسانوں سے معاملات اور میل جول میں نرمی کا برتاؤ کرتا ہے، وہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک حدیث روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُوْنُ فِيْ شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ

یعنی نرمی جس چیز میں پائی جائے، اس کو زینت عطا کرتی ہے اور جس چیز سے الگ کر لی جائے وہ بدنما ہو جاتی ہے۔

رفق اور نرمی کو اللہ کی بہت بڑی نعمت کی حیثیت حاصل ہے، جس شخص کو یہ نعمت میسر آ گئی، وہ دنیا کی تمام نعمتوں سے مالا مال ہو گیا اور جو شخص اس سے محروم رہا، اس پر برائی اور قباحت نے قبضہ جما لیا اور بدنمائی اس کے حصے میں آئی۔

جو لوگ دوسروں سے سخت کلامی سے پیش آتے اور ہر وقت غصے سے بھرے رہتے ہیں، وہ نہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہیں اور نہ لوگ انھیں احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ معاشرے میں انھیں کسی قدر ومنزلت کا مستحق نہیں سمجھا جاتا۔ اس لیے کہ ان کا یہ طرزِ عمل اسلامی تعلیم کے خلاف، اخلاق کے منافی اور تہذیب وثقافت کے صحت مندانہ اصولوں کے برعکس ہے۔ صحیح آدمی وہ ہے جو نرمی سے زندگی بسر کرتا ہے اور سب سے الفت ومحبت کا برتاؤ کرتا ہے۔ سخت سے سخت مخالف سے بھی رحم ومودت سے پیش آتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالىٰ اُنْفِقْ يَا ابْنَ آدَمَ اُنْفِقْ عَلَيْكَ (صحیح بخاری، کتاب النفقات، باب النفقۃ علی الاھل)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے ابن آدم خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا۔

یہ حدیث ایک چھوٹے سے جملے پر مشتمل ہے اور حدیث قدسی ہے۔ قدسی حدیث اس حدیث کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا ہو۔ یہ حدیث بھی دیگر احادیث کی طرح باقاعدہ ایک سند کے ساتھ مروی ہوتی ہے۔

اس حدیث میں خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور بخل اور کنجوسی سے روکا گیا ہے۔ بعض لوگ پیسے پر سانپ بن کر بیٹھ جاتے ہیں۔ روپے پیسے کو جمع کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور خرچ کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ نہ ماں باپ کی مالی خدمت کرتے ہیں، نہ بیوی بچوں کو کچھ دیتے ہیں، نہ رشتے داروں کی ضرورت کا خیال رکھتے ہیں، نہ اللہ کی راہ میں پیسہ جیب سے نکالتے ہیں اور نہ کسی کو ادھار دیتے ہیں۔ بعض لوگ تو اس درجہ بخیل ہوتے ہیں کہ اپنے آپ پر بھی خرچ نہیں کرتے۔ حدیث میں اس قسم کے لوگوں کی سخت مذمت کی گئی ہے اور خرچ کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بنی نوع انسان کو صاف الفاظ میں حکم ہے کہ تم لوگوں پر مال و دولت خرچ کرو، میں تم پر خرچ کروں گا۔ یعنی ضرورت مندوں، محتاجوں، بیواؤں، یتیموں اور مستحق لوگوں کا خیال رکھو، ان کی مدد کرو اور جہاں تک ہو سکے، ان کی طرف تعاون کا ہاتھ بڑھاؤ، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تمھاری مدد کرے گا اور تمھاری جائز اور صحیح ضرورتیں پورا کرنے کی بہتر صورتیں پیدا ہوتی رہیں گی۔

کتنے ہی ایسے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنی ذات پر تو بہت خرچ کرتے ہیں اور اپنے بال بچوں کو بھی خوب عیش کراتے ہیں، لیکن مستحق لوگوں کی پروا نہیں کرتے۔ ہمسائے میں بے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شک کوئی شخص بھوکا پڑا ہو، اس کو ایک پیسہ نہیں دیتے۔ یہ انتہائی غلط طرزِ عمل ہے۔ اگر اللہ نے کسی کو مال و دولت سے نوازا ہے تو اس سے غریبوں اور ناداروں کو بھی حصہ ملنا چاہیے۔ جو لوگ غریبوں کی مدد کرتے ہیں، اللہ ان کی آمدنی کے مزید وسائل پیدا کر دیتا ہے اور ان کی پریشانیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

بعض لوگ اس لیے کچھ خرچ نہیں کرتے کہ جو دولت انھوں نے جمع کر رکھی ہے، خرچ کرنے سے اس میں کمی آ جائے گی۔ یہ نقطۂ نظر صحیح نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ جائز کاموں پر خرچ کرنے اور ضرورت مند کی مدد کرنے سے آمدنی کے ذرائع بڑھتے ہیں اور اللہ کی مہربانی اور غریبوں کی دعائیں ان لوگوں کے شامل حال ہو جاتی ہیں جو کسی کے کام آتے ہیں۔

سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے روپے پیسے کو صحیح جگہ پر خرچ کرتا اور مستحق لوگوں کی مدد کرتا ہے۔ ایسے شخص پر اللہ بے حد مہربانی فرماتا ہے اور اس قسم کے حالات پیدا کر دیتا ہے کہ اس کی آمدنی میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ لوگوں کی دعائیں بھی اس کے ساتھ ہوتی ہیں۔

اس کے برعکس جو شخص بخل سے کام لیتا ہے اور مال دار ہونے کے باوجود کسی کے کام نہیں آتا۔ مستحق اور غریب پر کوئی پیسہ خرچ نہیں کرتا، وہ اللہ کے نزدیک بھی قابل نفرت ہے اور لوگ بھی اس کا اچھے الفاظ میں ذکر نہیں کرتے۔ ہر شخص اس کو برا سمجھتا ہے اور یہ اللہ کی طرف سے اس کے لیے دنیا میں بہت بڑی سزا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بارگاہِ خداوندی سے نو باتوں پر عمل کرنے کا حکم

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَمَرَنِیْ رَبِّیْ بِتِسْعٍ خَشْیَةَ اللّٰهِ السِّرِّ وَالْعَلَانِیَةِ وَكَلِمَةَ الْعَدْلِ فِی الْغَضَبِ وَالرِّضَا وَالْقَصْدِ فِی الْفَقْرِ وَالْغِنَا وَاَنْ اَصِلَ مَنْ قَطَعَنِیْ وَاُعْطِیَ مَنْ حَرَمَنِیْ وَاَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَنِیْ وَاَنْ یَّكُوْنَ صَمْتِیْ فِكْرًا وَنُطْقِیْ ذِكْرًا وَنَظَرِیْ عِبْرَةً وَاٰمُرَ بِالْعُرْفِ وَقِیْلَ بِالْمَعْرُوْفِ

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الرقاق، باب البکاء والخوف بحوالہ رزین)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے میرے رب نے نو چیزوں پر عمل پیرا رہنے کا حکم دیا ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا پوشیدہ طور پر اور ظاہری طور پر۔

۲۔ عدل وانصاف کی بات کہنا، غصے کی حالت میں اور رضامندی کی حالت میں۔

۳۔ میانہ روی اختیار کیے رکھنا، چاہے غربت کی حالت ہو یا دولت مندی کی حالت۔

۴۔ مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ میں ان لوگوں سے قرابت کا رشتہ جوڑے رکھوں، جو یہ رشتہ مجھ سے توڑتے ہیں۔

۵۔ میں ان لوگوں کو بھی اپنے ہاں سے دوں، جنھوں نے مجھے محروم رکھا۔

۶۔ میں ان لوگوں کو معاف کردوں، جنھوں نے مجھ پر ظلم کیا۔

۷۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میری خاموشی میں سوچ اور گفتگو میں اللہ کا ذکر ہو۔

۸۔ یہ کہ میری نظر عبرت اور نصیحت والی ہو۔

۹۔ مجھے اللہ کی طرف سے یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ میں لوگوں کو نیکی کا حکم دوں۔

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نو باتوں پر عمل کرنے کا حکم بڑی تاکید کے ساتھ دیا ہے۔ یہ حکم حدیث کے الفاظ کی رو سے اگرچہ اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے لیکن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درحقیقت سب کے لیے ہے اور نبی ﷺ کی وساطت سے پوری امت اس کی مکلّف ہے۔

پہلا حکم یہ دیا گیا ہے کہ ہر حالت میں اللہ سے ڈرا جائے۔ جلوت وخلوت میں خشیت الٰہی انسان پر طاری رہے۔ ایسا نہ ہو کہ لوگوں کے سامنے اور مجلس میں تو اللہ کو یاد کرلیا اور برے اعمال کے نتائج کا ذکر کر کے اپنے آپ پر ایسی کیفیت طاری کر لی جس سے دیکھنے والوں پر یہ اثر پڑے کہ یہ شخص اللہ سے ڈرتا ہے اور خوفِ خدا اور خشیت الٰہی سے لرزہ براندام ہے۔ لیکن حقیقت اس سے مختلف ہو۔ اس کی اندرونی حالت ایسی ہو کہ اسے اللہ کا مطلق خوف نہ ہو، وہ کاروبار میں، لوگوں سے معاملات میں، لین دین میں، خوف خدا سے قطعاً عاری ہو۔ ایسا خوف جو لوگوں کے سامنے تو اپنے آپ پر طاری کرلیا جائے اور اندرونی طور پر اس کی کوئی پروا نہ ہو، اللہ کو منظور نہیں ہے، وہ تو تمام امور میں اور ہر حالت میں اپنی رضا اور خوف کو انسان پر فرض ٹھہراتا ہے۔ منافقت کی اس کی بارگاہ میں ہرگز کوئی گنجائش نہیں ہے۔

دوسری بات یہ فرمائی کہ ہر حالت میں اور ہر معاملے میں عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کیا جائے، غصے کی حالت ہو یا ناراضی کی حالت..... انصاف کی میزان کو کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔ نہ یہ کیا جائے کہ اپنے دوست اور عزیز کی تو حمایت کر دی مگر اس کے مقابلے میں دوسرے پر ظلم اور تشدد کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ ایک ہی معاملے میں کسی کی حمایت اور کسی پر زیادتی اللہ کو پسند نہیں ہے۔

تیسری بات یہ فرمائی کہ انسان میانہ روی اور اعتدال پر قائم رہے۔ غربت وناداری کے عالم میں ہو یا دولت مندی اور فراخ دستی کی حالت میں، کسی صورت میں بھی انسان مضطرب اور پریشان نہ ہو۔ غربت کی حالت میں پریشانی اور بے صبری کا مظاہرہ کرنا، دولت مندی اور خوش حالی کا دور ہو تو غرور ونخوت کو اپنا لینا، نہ عقل مندی کی دلیل ہے، نہ نظر وفکر کے متوازن ہونے کی علامت۔ متوازن اور میانہ رو آدمی وہ ہے جو ہر حالت میں اللہ کو یاد رکھے اور اس کے دیے ہوئے پر قانع رہے۔ تنگ دستی اور فراخ دستی دونوں اللہ کی طرف سے امتحان ہیں۔ اللہ کے نزدیک بہتر شخص وہ ہے، جو اس امتحان میں کامیاب رہے اور کسی قسم کی پریشانی اور اضطراب کا مظاہرہ نہ کرے.....

چوتھی چیز یہ ہے کہ رشتہ داروں اور قریبیوں کے حقوق ادا کیے جائیں۔ کسی سے خواہ مخواہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لڑائی جھگڑا مول نہ لیا جائے اور نہ اس کے حقوق پامال کیے جائیں۔ اگر وہ زیادتی بھی کریں تو برداشت کی جائے، کسی قریبی سے بدسلوکی اور بدمعاملگی کرنا خلافِ شریعت ہے۔

پانچویں چیز یہ فرمائی کہ ان لوگوں کو بھی دیا جائے جو دوسروں کو محروم رکھتے ہیں اور ان کے حقوق و واجبات ادا کرنے سے گریزاں ہیں۔ ان کے حقوق بہرحال پورے کیے جائیں۔ وہ بے شک آپ کے حقوق پورے نہ کریں لیکن آپ ان پر ظلم نہ کریں۔ وہ اگر کسی کے حقوق دبا کر گنہگار ہوتے ہیں، تو اس کی ذمہ داری خود ان پر ہی عائد ہوگی اور وہی اس کی سزا بھگتیں گے۔ آپ کو بہرحال اس برائی سے اپنا دامن بچا کر رکھنا چاہیے۔

چھٹی بات یہ کہ ظالم کو بھی معاف کر دینا چاہیے اور اس شخص سے بھی عفو و درگزر سے کام لینا چاہیے جو بغیر کسی وجہ کے کسی کو ستاتا ہے۔

ساتویں چیز رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمائی کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میری خاموشی میں تفکر اور دور اندیشی نمایاں ہونی چاہیے اور میری گفتگو اللہ کے ذکر پر مشتمل ہونی چاہیے۔ انسان خاموش ہو تو اللہ کی صفات اور چار سو اس کی پھیلی ہوئی قدرتوں پر غور کرتا رہے اور یہ سوچتا رہے کہ اس نے انسان کو پیدا کیا ہے، اس کی عبادت ہر حال میں ضروری ہے۔ اسی طرح جب انسان عبادت کرے تو اس کی ہر بات اللہ کے ذکر اور صفات بیان کرنے پر مشتمل ہونی چاہیے۔ فضول باتوں اور لغویات سے احتراز لازمی ہے۔

آٹھویں بات یہ ہے کہ انسان کی نظر عبرت اور نصیحت پکڑنے والی ہو۔ وہ جس چیز کو دیکھے اس خیال سے دیکھے کہ اس میں اس کے لیے کس قدر عبرت پذیری اور نصیحت آموزی کا سامان مضمر ہے۔

نویں چیز یہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے رہیں۔ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا مفہوم بہت وسیع ہے اور ہر شخص کا اس پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک اخلاقی مسئلہ

عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ سَاقِی الْقَوْمِ اٰخِرُھُمْ شُرْبًا۔

(جامع ترمذی، ابواب الاشربہ، باب ماجاء ان ساقی القوم اخرھم شربا)

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کو پلانے والا خود آخر میں پیا کرتا ہے۔''

یہ حدیث صرف ایک جملے پر مشتمل ہے، لیکن کھانے پینے کے آداب میں اس کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس میں یہ تلقین فرمائی گئی ہے کہ جو لوگ بیاہ شادی کے مواقع پر یا دیگر تقریبات پر کھانے پینے کی چیزیں تقسیم کر رہے ہوں اور مہمانوں کی خدمت وتواضع پر مامور ہوں، وہ خود آخر میں اس وقت کھائیں اور پئیں، جب تمام لوگ اس سے فارغ ہو جائیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ سب سے پہلے اپنے کام و دہن کی تواضع شروع کر دیں۔ بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ مہمانوں کو سامانِ اکل وشرب دینے سے قبل اپنے پیٹ کی تسکین میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اور ضروری سمجھتے ہیں کہ پہلے خود فارغ ہو جائیں، مہمانوں کو بعد میں کھلا دیا جائے گا۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ساتھ ساتھ خود بھی کھاتے پیتے جاتے ہیں اور مہمانوں کو بھی کھلاتے پلاتے رہتے ہیں۔ یہ دونوں عادتیں اسلامی آداب خورد ونوش کے منافی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرما کر ان دونوں سے منع فرما دیا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ مہمان کا حق مقدم ہے، پہلے اسی کی خدمت کرنی چاہیے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ کھانا ختم ہو جانے کا خطرہ رہتا ہے، ایسا نہ ہو کہ خود تو کھا چکے اور مہمانوں کی باری آئے تو کھانا ختم ہو جائے اور مہمان اور میزبان دونوں کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑے۔ لہٰذا کھانے پینے کا اصل ادب یہ ہے کہ پہلے مہمانوں کو کھلاؤ، بعد میں جو بچ جائے، وہ خود کھاؤ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احادیث میں بہت سے مواقع پر اس کا ثبوت ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی صحابی کے گھر تشریف لے گئے۔ صاحبِ خانہ نے پہلے حضور ﷺ کی خدمت میں دودھ یا کھانا پیش کیا اور بعد میں جو بچا وہ خود کھایا اور پیا۔

البتہ اگر کھانے پینے کا سامان وافر ہو اور اس کے ختم یا کم ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اصحابِ خانہ مہمانوں کے ساتھ بیٹھ کر کھا سکتے ہیں۔ یہ بھی مہمان کی تکریم اور آدابِ خورونوش کا ضروری حصہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر ایسے تمام امور کی وضاحت فرمادی ہے جو انسان کو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں پیش آتے ہیں اور ان امور کو اسلامی معاشرے میں خاص اہمیت حاصل ہے..... درج بالا ارشادِ گرامی بھی انہی میں سے ایک ہے اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اس سے یہ ثابت کرنا بھی مقصود ہے کہ انسان اپنے آپ ہی کو سامنے نہ رکھے بلکہ دوسرے کی خدمت کو باعثِ سعادت قرار دے اور یہ معمول ٹھہرائے رکھے کہ اپنی ذات اور اپنے مفاد کے مقابلے میں دوسرے کی ذات اور مفاد کو پیشِ نگاہ رکھے گا۔ اس سے خود اپنی عزت بھی قائم رہتی ہے اور دوسرے کے وقار میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا جہنمی ہیں

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الرَّاشِیْ وَالْمُرْتَشِیْ فِی النَّارِ۔ (مجمع الزوائد، جلد چہارم، صفحہ ۱۹۹، باب فی الرشاء)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رشوت لینے والا اور دینے والا جہنمی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرے کی بہت بڑی برائی صرف ایک جملے میں بیان فرمادی ہے اور جملہ بھی چند الفاظ پر مشتمل ہے۔ یہ برائی ہے رشوت لینے اور دینے کی!

رشوت ایک ایسا ناسور ہے جس نے معاشرے کے جسد میں پوری طرح پنجے گاڑ رکھے ہیں۔ کسی محکمے میں چلے جائیں، رشوت خوروں سے واسطہ پڑے گا۔ اس دور میں وہ افراد انتہائی تعریف کے لائق ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس بیماری سے محفوظ رکھا ہے۔

کسی کام کے لیے آپ کہیں جائیں اور درخواست دیں تو کسی نہ کسی انداز میں مطالبہ کیا جاتا ہے کہ درخواست کے ساتھ پیسے لگاؤ۔ پیسے لگیں گے تو فائل آگے چلے گی اور کام کے کسی نتیجے پر پہنچنے کی صورت پیدا ہوگی۔ جتنا بڑا کام ہوگا، اتنے ہی بڑے پہیوں کا طالب ہوگا۔ انسداد رشوت کے محکمے بھی قائم ہیں، معلوم نہیں ان کا طریق کار اور نہج عمل کیا ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ رشوت خوری میں بعض اوقات نیچے درجے کے ملازم پکڑے جاتے ہیں اور اوپر کے لوگوں پر کسی کو ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں ہوتی۔

جس معاشرے میں رشوت کا مرض پھیل جائے، اس کی شکست وریخت میں کوئی دیر نہیں لگتی۔ اسے سمجھ لینا چاہیے کہ اخلاقی اعتبار سے اس کے دن گنے جا چکے ہیں اور وہ زبوں حالی کے آخری سرے تک پہنچ گیا ہے۔ بڑی بڑی قومیں اس کی نذر ہوئی ہیں اور بڑے بڑے اونچے مینار اس کی وجہ سے دھڑام سے زمین پر آ گرے ہیں۔ حلال کی کمائی میں حرام شے کی تھوڑی سی ملاوٹ اور صحیح چیز میں غلط چیز کی ذرا سی آمیزش معاملے کو بالکل بدل دیتی ہے۔

ہم اخباروں میں بڑی بڑی شخصیتوں کے بارے میں پڑھتے ہیں کہ فلاں شخص نے فلاں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پارٹی سے لاکھوں اور کروڑوں روپے بطور رشوت لیے اور فلاں ملک سے فلاں معاملے میں سودا ہوا اور اس میں فلاں شخص نے اتنی خطیر رقم کمائی۔ ممکن ہے اس میں کچھ مبالغہ بھی ہوتا ہو، تاہم دال میں کچھ نہ کچھ تو کالا ہوگا۔ اربوں نہیں کروڑوں اور کروڑوں نہیں تو لاکھوں کا گھپلا ضرور ہوتا ہوگا۔

جن بنکوں سے بڑی بڑی پارٹیاں بڑی بڑے رقمیں بہ صورت قرض لیتی ہیں، ان کے اہل کاروں کے بارے میں کئی قسم کے انکشافات اخباروں کی معرفت ہمارے مطالعے میں آتے ہیں۔ غرض چھوٹے سے لے کر بڑے تک ہر سطح پر ہر شخص کسی نہ کسی شکل میں رشوت میں ملوث ہے اور یہ قومی اور ملکی سطح کا بہت بڑا جرم ہے۔ رشوت لینا بھی ناقابل معافی جرم ہے اور رشوت دینا بھی! رشوت لینے اور دینے والا دنیا میں بھی ذلیل ہوتا ہے اور آخرت میں بھی جہنم کی سزا کا مستوجب ہوگا۔

دنیا کی زندگی نہایت مختصر اور چند روزہ ہے۔ اس کے لیے جھوٹ بولنا، حرام کمانا اور حرام کھانا، خود پریشان ہونا اور دوسروں کو پریشان کرنا، لوگوں کا نوالہ چھین کر اپنے منہ میں ڈالنا، فریب اور دھوکے کا مظاہرہ کرنا اور کسی کی اذیت رسانی کا باعث بننا بہت بڑا جرم ہے۔ انتہائی افسوس کی بات ہے کہ جدھر جاؤ اور جس طرف کا رخ کرو رشوت کا عفریت منہ کھولے سامنے کھڑا نظر آئے گا۔ اگر خدانخواستہ کسی معاملے میں تھانے جانا پڑ گیا ہے تو اس کی ایک ایک اینٹ رشوت طلب نگاہوں سے دیکھے گی۔ اگر کمیٹی، تحصیل، پٹوار خانے اور کچہری جانے کی نوبت آئی تو کام کی نوعیت کے مطابق رشوت کے بغیر چھٹکارا نہیں۔ جائز اور ضروری کام ہے، کہیں بھی کسی قسم کا فریب اور گڑبڑ نہیں ہے، لیکن اگر اس کا تعلق کسی دفتر سے ہے تو اس کی تکمیل اس وقت تک محال ہے، جب تک اس پر رشوت کا ملمع نہیں چڑھا دیا جاتا۔

رشوت کے بہت سے طریقے اور بہت سے بھیس ہیں۔ کہیں یہ نقد روپے کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ کہیں بیوی بچوں کے کپڑوں کی شکل میں نمودار ہوتی ہے، کہیں خواتین کے زیورات کا رنگ اختیار کرتی ہے، کہیں تحفے تحائف کے روپ میں آتی ہے۔ کہیں مٹھائی کی مختلف قسموں میں دکھائی دیتی ہے۔ کہیں شادی بیاہ اور تہواروں کے مواقع پر آتی ہے۔ کہیں سیر سپاٹے اور ہوٹل بازی کا جامہ پہنتی ہے۔ اس طرح اس کے بہت سے بھیس اور بہت سے رنگ ہیں جو حالات کی روشنی میں بدلتے رہتے ہیں۔ ایک مقدس رنگ بھی ہے جو علم میں اضافے کا باعث

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر آپ کتابیں چھاپتے یا کتابوں کی خرید وفروخت کرتے ہیں تو نہایت معصومیت کا لہجہ اختیار کر کے اور چہرے پر حصولِ علم کے آثار پیدا کر کے کہا جاتا ہے کہ فلاں فلاں موضوع کی کتابیں عنایت فرمایئے، بچے پڑھیں گے اور معلومات حاصل کریں گے تو آپ کو ثواب ہوگا..... اندازہ فرمایئے مخاطب کو نیکی کے راستے پر لگایا جا رہا ہے، اپنے بچوں کے طلبِ علم کا مسئلہ بھی ہے اور ثواب کا لالچ بھی!

بعض حضرات اس سے بھی کہیں زیادہ بہ صورت رشوت ثواب کا جھانسا دیتے ہیں۔ یعنی معاملہ حج اور عمرے تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ جو حکمران لوگ اخبار نویسوں اور اپنے مخالفوں یا موافقوں کو آئے دن عمرے پر لے جاتے اور سال بعد حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کراتے ہیں، اس کے متعلق معلوم نہیں علمائے کرام اور مفتیانِ شرعِ متین کا کیا خیال ہے؟

بہر حال رشوت کا مال خود کھانا، بچوں کو کھلانا، بہن بھائیوں کو کھلانا، ماں باپ کو کھلانا، رشتے داروں، عزیزوں اور دوستوں کو کھلانا بہت بڑا شرعی اور معاشرتی جرم ہے۔ یہاں یہ یاد رہے کہ شرعی اور معاشرتی جرم دونوں ایک ہی درجہ رکھتے ہیں یعنی شرعی جرم پر معاشرتی جرم کا اور معاشرتی جرم پر شرعی جرم کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہ بیماری عام ہو جائے تو اس سے معاشرے کی بنیادیں ہل جاتی ہیں اور بڑی بڑی حکومتوں کے مضبوط و مستحکم محل لرز جاتے ہیں۔

رشوت لے کر چوروں کو کھلا چھوڑ دیا جائے، ڈاکوؤں کو ڈھیل دی جائے، دہشت پسندوں کو رعایت کا مستحق سمجھا جائے، قاتلوں کو معاف کر دیا جائے، بدمعاشوں اور جرائم پیشہ افراد کی سرگرمیوں سے صرفِ نظر کر لی جائے، سرمائے کے بل بوتے پر اپنے ناجائز کام کرا لیے جائیں اور دوسروں کے صحیح اور جائز کاموں میں رکاوٹ ڈالی جائے، تو فرمایئے معاشرے کا کیا حال ہوگا اور اقتدار و حکومت کی اساس پر اس سے کیا اثرات مرتب ہوں گے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوق

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ، رَدُّ السَّلَامِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَاِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ۔

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں۔

۱۔ سلام کا جواب دینا۔ ۲۔ بیمار کی عیادت کرنا۔
۳۔ جنازے کے ساتھ جانا۔ ۴۔ دعوت قبول کرنا۔
۵۔ چھینک کا جواب دینا۔

یہ مختصر سی حدیث احادیث کی تمام کتابوں میں موجود ہے۔ اس میں فرمایا گیا ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کو ''السلام علیکم'' کہے تو وہ جواب میں ''وعلیکم السلام'' کہے۔ یہ نہایت عمدہ الفاظ ہیں جو اسلام کی صاف ستھری تہذیب اور نکھری ہوئی ثقافت کی نمائندگی کرتے ہیں۔

السلام علیکم کے معنے ہیں آپ پر سلامتی ہو۔ یعنی سلام کہنے والا دوسرے کو مخاطب کر کے اس کے لیے یہ دعا مانگتا ہے کہ اللہ آپ کو ہمیشہ اپنی حفاظت میں رکھے۔ اس کی سلامتی کا وسعت پذیر شامیانہ ہر آن آپ پر سایہ فگن رہے۔ آپ امن کی زندگی بسر کریں اور تمام مصائب و آلام سے مصئون و مامون رہیں۔

یہ ایک ایسی دعا ہے جو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے بغیر اس کی درخواست اور بلا کسی معاوضے کے کرتا ہے۔ اس میں فقط اخلاص اور نیک نیتی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ کسی قسم کے دینوی لالچ، طمع یا حرص کا اس میں قطعاً دخل نہیں ہوتا۔

سننے والے کو چاہیے کہ اس کے جواب میں ''وعلیکم السلام'' کہے۔ یعنی جواب دے کہ آپ پر بھی سلامتی ہو اور آپ ہر وقت اللہ کے سایۂ حفظ و امان میں رہیں۔ یہ دعا جہاں الفاظ میں بہت مختصر ہے، وہاں معانی میں نہایت جامعیت لیے ہوئے ہے۔ دونوں شخص ایک دوسرے کے لئے جان و مال کی سلامتی، ذہن و فکر کی سلامتی، کاروبار کی سلامتی، قول و فعل کی سلامتی، عزت و آبرو کی سلامتی،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایمان و دین کی سلامتی، غرض ہر قسم کی سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔ جب دعا بے غرضانہ ہو تو یقیناً بارگاہِ خداوندی میں قبولیت کے مدارج طے کرتی ہے۔

سلامتی کا دائرہ نہایت وسیع ہے، جہاں تک چاہیے اس کو پھیلاتے جائیے اور اللہ سے اس کی دعا کرتے جائیے۔ اللہ ہر دعائے مخلصانہ کو شرفِ قبول بخشتا ہے۔

السلام علیکم میں ایک خاص نکتہ یہ پنہاں ہے کہ اس میں اپنے آپ کو مقدم نہیں رکھا جاتا کہ انسان پہلے اپنی ذات کے لیے دعا مانگے، اس کے بعد دوسرے کی باری آئے۔ بلکہ اس میں دوسرے کو اصل اہمیت دی گئی ہے اور اس کے لیے دعا مانگی گئی ہے کہ اللہ آپ کو امن و سلامتی عطا فرمائے اور اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ یعنی دونوں سلام کہنے والے ایک دوسرے کے لیے خیر خواہی کا اظہار کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب ایک شخص دوسرے سے ایسے پُرخلوص جذبات کے ساتھ پیش آتا ہے تو دوسرے کا بھی فرض ہے کہ وہ بھی اسی نیک نیتی اور حسن اخلاق سے اس کا جواب دے۔

دوسرا حق ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ ہے کہ وہ بیمار پڑ جائے تو اس کی مزاج پرسی کو جائے، اس کی عیادت کرے، اس کو تسلی دے اور اس کے لیے خیر و عافیت کی دعا کرے۔ اس کو علاج معالجے کے لیے روپے پیسے کی ضرورت ہو تو جہاں تک ممکن ہو، اس کی مدد کرے۔ مریض کو یقین دلائے کہ تم تنہا نہیں ہو ہم تمھارے ساتھ ہیں اور جو کچھ ہم سے ہو سکا تمھارے لیے کریں گے۔

بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ راہ چلتے ان سے کہیں ملاقات ہو جائے تو بڑے تپاک سے ملیں گے۔ بیاہ شادی یا کسی اور تقریب میں آمنا سامنا ہو جائے تو اس طرح خوشی کا اظہار کریں گے کہ بس آپ ہی کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ لیکن اگر آپ بیمار پڑ گئے ہیں تو کبھی بیمار پرسی کو نہیں جائیں گے اور بیماری کی حالت میں آپ کی مدد نہیں کریں گے۔ اگر کسی اور تکلیف میں مبتلا ہو گئے ہیں تو بھی آپ سے ملنے اور ہمدردی کا اظہار کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کریں گے۔ انھیں خدشہ ہوتا ہے کہ کہیں آپ ان سے کسی قسم کی مدد نہ مانگ لیں۔

یہ ایک مسلمان بھائی کی حق تلفی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر جو حق بنتا ہے، اسے ادا کرنا چاہیے۔ بیمار کی عیادت کرنا اور اس کی مزاج پرسی کو جانا بیمار کا ایک حق ہے، اسے بہر صورت ادا کرنا چاہیے۔ اس سے گریز کرنا معصیت ہے اور حق تلفی کے ذیل میں آتا ہے۔

تیسرا حق ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ ہے کہ وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں شرکت کرے۔ جنازے میں شرکت کرنا فرض عین نہیں، فرض کفایہ ہے، تاہم کوشش بہر حال کرنی چاہیے کہ یہ حق ادا ہو جائے اور جنازے میں شامل ہو کر میت کے لیے دعائے مغفرت کی جائے۔ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ ان لوگوں کے جنازے میں شریک ہوتے ہیں، جن کے وارثوں سے ان کے تعلقات اور مراسم ہوں۔ غریب اور مالی اعتبار سے کمزور لوگوں کے جنازے میں شریک ہونے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ یہ نقطۂ نظر غلط ہے۔ مسلمان کے جنازے میں جانا، اس کے ورثا سے تعزیت کرنا اور مرنے والے کے لیے دعائے مغفرت کرنا حقوق العباد میں داخل ہے، جسے ادا کرنا چاہیے۔ چوتھا حق مسلمان کی دعوت قبول کرنا ہے، جو بھی مسلمان دعوت پر بلائے، وہ غریب ہو یا امیر، اسے ماننا اور قبول کرنا دوسرے مسلمان کا اخلاقی فرض ہے۔

ہمارے ہاں یہ رواج ہو چکا ہے کہ امیر اور صاحب دولت کی دعوت میں تو ہم بڑے شوق سے شریک ہوتے ہیں، بلکہ انتظار میں رہتے ہیں کہ وہ ہمیں بلائے تو ہم اس کے درِ دولت پر حاضری دیں۔ لیکن غریب آدمی جو انتہائی خوشی اور خلوص سے دعوت دیتا ہے، اس کے ہاں جانے سے یا تو سرے سے انکار کر دیتے ہیں یا کوئی معذرت پیش کر دیتے ہیں یا کوئی حیلہ بہانہ کر کے پیچھا چھڑا لیتے ہیں۔ ایسا کرنا حدیث کے خلاف ہے۔ غریب آدمی کی بالخصوص حوصلہ افزائی کرنا چاہیے اور وہ دعوت دے تو اس کے ہاں جانے سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔

پانچواں حق ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر اس حدیث میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ وہ چھینکے تو اس کا جواب دے یعنی چھینکنے والا کہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ

کہ ہر حال میں اللہ کی تعریف ہے۔ قریب بیٹھا اور سننے والا جواب دے

يَرْحَمُكَ اللّٰه

کہ اللہ تمھیں اپنے سایۂ رحمت میں رکھے۔

اس کے جواب میں پھر چھینکنے والا یہ الفاظ کہے:

يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُم

کہ اللہ تمھیں ہدایت عطا فرمائے اور تمھاری حالت درست رکھے۔

یہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں جنھیں پورا کرنا چاہیے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا نظریۂ معاشیات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل ایک حدیث میں ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمائے:

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَرْحَمُ اُمَّتِيْ بِاُمَّتِيْ اَبُوْبَكْرٍ، وَاَشَدُّهُمْ فِيْ اَمْرِ اللّٰهِ عُمَرُ وَاَصْدَقُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانٍ وَاَقْضَاهُمْ عَلِيٌّ، وَاَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مَعَاذُبْنُ جَبَلٍ وَاَفْرَضُهُمْ زَيْدُبْنُ ثَابِتٍ وَاَقْرَءُهُمْ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَمِيْنٌ وَاَمِيْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبُوْعُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ۔ (جامع ترمذی، ابواب المناقب، مناقب معاذبن جبل)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سب سے رحم دل ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، دینی معاملات میں سب سے زیادہ پختہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں، حیا میں سب سے بڑھ کر عثمان رضی اللہ عنہ ہیں، مقدمات کے فیصلوں میں سب سے بہتر علی رضی اللہ عنہ ہیں، حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں، علم فرائض میں سب سے زیادہ واقفیت رکھنے والے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں، علم قرأت کے سب سے زیادہ ماہر ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں اور ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے، امت محمدی کے امین ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس سے چند سطور آگے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کا شان وشکوہ اور ادبیت ملاحظہ ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

مَا اَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ وَلَا اَقَلَّتِ الْغَبْرَاءُ مِنْ ذِيْ لَهْجَةٍ اَصْدَقُ وَلَا اَوْفٰى مِنْ اَبِيْ ذَرٍّ شبه

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عِیسٰی بن مَرْیَم۔

ترجمہ: یعنی یہ فلک نیل گوں کسی ایسے شخص پر سایہ فگن نہیں ہوا اور اس کرۂ ارض نے کسی ایسے انسان کو اپنی پشت پر نہیں اٹھایا، جو ابوذر سے زیادہ حق گو اور پابند عہد ہو۔ پرہیز گاری میں وہ نمونۂ مسیح ہیں۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لسان صدق بیان سے یہ الفاظ سنے تو عرض کیا! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ بات ہم ابوذر رضی اللہ عنہ کو بتادیں؟ فرمایا: بتادو

اس حدیث کو سمجھنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ نبی علیہ السلام نے جس صحابی کی جو صفت بیان فرمائی ہے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس میں صرف یہی صفت پائی جاتی تھی، دوسری صفاتِ حسنہ نہیں پائی جاتی تھیں۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس میں فلاں صفت اس درجے نمایاں اور ابھری ہوئی ہے کہ اس کی دیگر تمام صفات پر غالب نظر آتی ہے اور وہ صفت اس کے ساتھ اس طرح وابستہ ہوگئی ہے کہ اس کا ایک مخصوص عمل قرار پا گئی ہے۔ اس کا تصور آتے ہی فوراً وہ صفت ذہن میں آجاتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسا کہ حاتم کے تصور کے ساتھ سخاوت، حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیف اللہ، رستم کے ساتھ شجاعت اور نوشیرواں کے ساتھ عدل کا تصور ذہن میں گردش کرنے لگتا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اگر سب سے زیادہ رحم دل تھے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس صفت کے سوا ان میں اور کوئی صفت موجود نہ تھی، یعنی عدل، بہادری، قناعت، استقامت، سخاوت، صبر اور نرم کلامی وغیرہ اوصاف کا (العیاذ باللہ) ان میں فقدان تھا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ صفت دوسری صفات سے نسبتاً زیادہ تھی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں جو مناقب وفضائل کتبِ حدیث میں مرقوم ہیں، ان کو اسی نقطہ نظر سے سمجھنا چاہیے۔

ان سطور میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے متعلق چند گزارشات پیش کرنا مقصود ہے۔ جن الفاظ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ذکر فرمایا ہے، وہ نہایت پُرشکوہ ہیں۔ اس قسم کے الفاظ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور کسی صحابی کے بارے میں ارشاد نہیں فرمائے۔ اس نیل گوں آسمان کے سایہ تلے اور اس بے انتہا وسیع وعریض زمین کی پشت پر ابوذر سے زیادہ حق گو کوئی دوسرا شخص پیدا نہیں ہوا۔ یہ بہت بڑا اعزاز ہے جس کا بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مستحق گردانا گیا ہے اور فرمایا گیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ وہ تقویٰ و پرہیز گاری میں مانندِ مسیح ہیں۔

بلا امتیاز سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صداقت اور تقویٰ و پرہیز گاری میں اپنی مثال آپ تھے۔ عالی کردار، راست گفتار اور صادق القول تھے۔ عدل و احسان اور خلوص وللّٰہیت کا پیکر دلنواز تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ میں وہ کیا خصوصیت تھی جس کی بنا پر وہ سب سے ممتاز قرار پائے اور صدقِ مقال و راست گوئی اور تقویٰ شعاری کا وہ کون سا ایسا انوکھا وصف تھا جس کی وجہ سے لسانِ نبوت نے انھیں مادرِ گیتی کے سب سے اونچے انسان سے تعبیر کیا؟

جواب یہ ہے کہ وہ خود بھی نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور لوگوں کو بھی سادگی کا درس دیتے اور راہ خدا میں سب کچھ نچھاور کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔ اس ضمن میں ان کا اسلوبِ زیست سب سے منفرد اور نرالا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوذر رضی اللہ عنہ کا یہ نعرہ اور مشن تھا کہ: ''دولت کی تقسیم منصفانہ ہونی چاہیے۔ اکتناز اور ذخیرہ اندوزی کا سلسلہ غیر اسلامی ہے، اسے ختم کر دیا جائے۔ معاشی ناہمواریوں کا سدِّ باب کیا جائے۔ عیش و تنعم کی زندگی کو ترک کر کے سادگی کو اپنا شعار بنایا جائے۔ محلات و قصور کی تعمیرات میں مال ضائع نہ کیا جائے۔''

بلاشبہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا یہ نظریہ کتاب وسنت سے ہم آہنگ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل وفعل کے مطابق تھا۔ موجودہ دور میں معاشیات کا مسئلہ بے حد اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ اگر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے نقطۂ نظر کو اپنایا جائے تو اس کے حل کی راہیں آسانی سے نکل سکتی ہیں۔

ہمارے سیاسی و قومی رہنماؤں اور ملک کے حاکموں کا فرض ہے کہ وہ اپنے معیارِ زندگی کو زیادہ سے زیادہ سادہ بنانے کی سعی کریں۔ ٹھاٹھ کی زندگی بسر کرنے اور اسلام کے نعرے لگوانے سے نہ اسلامی نظام قائم ہو سکتا ہے، نہ معاشرے کی معاشی حالت سدھر سکتی ہے، اس کے لیے طریق زندگی اور نہجِ زیست کو بدلنا نہایت ضروری ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے معاشیات کے سلسلے میں جو طرزِ عمل اختیار کیا تھا وہ کتاب وسنت کے مطابق تھا۔ آیئے اس دور میں اس کو اپنانے کی کوشش کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملک وقوم کے اصل خادم اور وفادار

عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا اَكَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِّنْ اَنْ يَّاْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ وَاِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَاْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ

(صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعمله بیده)

ترجمہ: حضرت مقداد بن معدیکرب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کا بہترین رزق وہ ہے جو اس نے اپنے ہاتھوں کی محنت سے کمایا ہو۔ بے شک اللہ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کی محنت سے روزی کماتے تھے۔

اس حدیث کو انسان کے عمل وحرکت، جدوجہد اور سعی وکوشش کے سلسلے میں انتہائی اہمیت حاصل ہے۔ اس میں ہر شخص کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی تاکید کی گئی ہے اور کسبِ مال اور طلب رزق کے لیے تگ ودو کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

اسلام لوگوں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ بے کار نہ رہو اور کسی پر بوجھ نہ بنو۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہنا اور دوسرے سے توقع رکھنا کہ وہ اسے کچھ دے اور اس کی مالی مدد کرے، اسلام کی معاشی تعلیم کے سراسر خلاف ہے۔ اس سے انسانی شرف مجروح ہوتا ہے اور خودداری نفس کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ وہ رزق جو انسان خود کما کر نہیں کھاتا اور محنت ومشقت سے حاصل نہیں کرتا، وہ انسان کو نا کارہ بنا دیتا ہے اور اس کی تگ وتازِ فکر وعمل کو ختم کر کے رکھ دیتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے کے آگے ہاتھ پھیلانے اور مانگنے سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ اگر تم گھوڑے پر سوار ہو اور تمھارے ہاتھ سے چابک گر جائے تب بھی کسی سے یہ نہ کہو کہ وہ زمین سے چابک اٹھا کر تمھارے ہاتھ میں دے دے۔ اس ارشادِ گرامی کا مطلب درحقیقت کسی کے آگے دست سوال دراز کرنے اور دوسرے کا محتاج ہونے سے روکنا ہے۔ احتیاج

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور سوال وہ فعل ہے جو انسان میں بزدلی کے جراثیم پیدا کرتا ہے اور سخاوت اور علو ہمت کو ختم کرنے کا باعث بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو محنت مزدوری سے رزق حاصل کرنے کا حکم دیا، حالاں کہ مدینے کے لوگ نہایت نرم خو اور رحم دل تھے اور مہاجرین کی ہر قسم کی مدد کرنے کو ہمہ وقت تیار رہتے تھے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین مکہ کو انصار مدینہ کی امداد پر انحصار کرنے کی اجازت نہیں دی، خود مہاجرین نے بھی اسے پسند نہیں کیا اور انصار مدینہ کی امداد کو قبول کرنا خودداریٔ نفس کے منافی قرار دیا۔ اپنا کام آپ کرنا اور اپنے ہاتھ سے روزی حاصل کرنا ہی ان کے نزدیک ضروری ٹھہرا۔

جو لوگ دوسروں کے دست نگر ہوتے ہیں اور حصولِ رزق کے ایسے ذرائع تلاش کرتے ہیں جن میں محنت و مشقت نہیں کرنا پڑتی، ان کو معاشرے میں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ ہر شخص ان کی تحقیر کرتا اور ان سے دور رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ معاشرے میں احترام کا مستحق اسی شخص کو سمجھا جاتا ہے جو حصولِ رزق کے لیے محنت کرتا اور ہاتھ کی کمائی سے اپنا اور اپنے اہل وعیال کا پیٹ پالتا ہے۔

اس ضمن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کس درجے عظمت و رفعت کا حامل ہے۔ ﴿اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى﴾ (اونچا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے کہیں بہتر ہے)

ہاتھ کی اونچائی اور بلندی خیر و برکت کا عمدہ ترین پیمانہ ہے۔ اونچا ہاتھ تعبیر ہے، سخاوت سے اور نیچا ہاتھ عبارت ہے کچھ لینے سے۔ مطلب یہ کہ اونچے ہاتھ سے صدقات و خیرات کا سلسلہ جاری رہتا ہے، لہٰذا یہ ہاتھ اس ہاتھ سے بہ درجہا بہتر ہے جس میں خیرات کا مال گرتا ہے اور وہ اسے قبول کرتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ میں فلسفہ یہ پنہاں ہے کہ سوال کرنے والا اور محنت سے جی چرانے والا شخص ذہنی اور نفسیاتی اعتبار سے اپنے آپ کو حقیر اور کمزور سمجھنے لگتا ہے، لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ اس کے برعکس مشقت سے کمانے اور اپنے ہاتھ سے روزی حاصل کرنے والا شخص معاشرے میں گردن اونچی کر کے چلتا ہے اور ہر حلقے میں اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

اس حدیث میں حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محنت کر کے روزی کماتے تھے اور اللہ کے نزدیک ان کا یہ عمل نہایت پسندیدہ تھا۔

صحیح بخاری کے شارح شیخ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ ایسی صورت پیدا فرما دے کہ میرے لیے اپنے ہاتھ سے کمائی کرنا آسان ہو جائے۔ میں بیت المال پر اپنی معاشی ضروریات کا بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کی اس دعا کو اللہ نے اس طرح شرفِ قبول بخشا کہ ان کے ہاتھ میں لوہے کو موم کی مانند نرم کر دیا۔ جب وہ زرہ بناتے تو لوہے کو جس طرح چاہتے کام میں لاتے۔ وہ ان کے ہاتھ کی گرفت میں آسانی سے ہر قسم کے سانچے میں ڈھل جاتا تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام اس عالم آب وگل کے پہلے شخص ہیں، جنھوں نے ایسی زرہیں ایجاد کیں جو لوہے کی باریک اور نرم زنجیروں کے حلقوں سے بنائی جاتی تھیں اور ہلکی پھلکی ہونے کی وجہ سے میدان جنگ کے سپاہی انھیں پہن کر آسانی سے نقل وحرکت کر سکتے تھے اور دشمن کے وار سے محفوظ رہنے کا وہ بہترین ذریعہ تھیں۔

صحیح بخاری کے ممتاز شارح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں اس حدیث کی شرح کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ خلیفۃ المسلمین کو اگرچہ بیت المال سے بہ قدر ضرورت وظیفہ لینا جائز ہے، تاہم افضلیت اس میں ہے کہ وہ بیت المال پر اپنا معاشی بوجھ نہ ڈالے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت وہ تمام رقم واپس کر دی تھی جو انھوں نے اپنے زمانۂ خلافت میں بیت المال سے وظیفے کی صورت میں وصول کی تھی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ حکومت اسلامی کے حکمران کو ملک کے خزانے پر بوجھ بننے سے احتراز کرنا چاہیے، بالخصوص ان حضرات کو تنخواہ وغیرہ کی صورت میں کچھ نہیں لینا چاہیے، جو کھاتے پیتے گھرانوں سے تعلق رکھتے ہوں۔

ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ جن لوگوں نے قوت بازو سے کام لیا اور اپنے ہاتھ سے رزق حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کی، انھیں اگرچہ کتنے ہی نامساعد اور ناموافق حالات سے گزرنا پڑا لیکن وہ زندگی میں کامیاب رہے اور مشکلات کی منزلوں کو طے کر کے اپنے مقصود کو پا گئے۔ اس کے برعکس جو لوگ ہمت ہار کر بیٹھ گئے، دوسروں پر غلط طور سے اعتماد کیا اور آگے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بڑھنے کی کوشش نہ کی، وہ ناکام رہے اور معاشرے میں کوئی اہم مقام حاصل نہ کر پائے۔ لوگوں نے ان کو بے کار اور نکمے قرار دیا اور کسی نے ان کو قابل التفات نہ گردانا۔

نکمے، ناکارہ اور کام چور لوگوں کی فہرست بڑی طویل ہے۔ وہ لوگ بھی ان میں شامل ہیں، جو مختلف محکموں میں اونچے مناصب پر فائز ہیں اور ہزاروں اور لاکھوں روپے بہ طور تنخواہ پاتے ہیں، مگر جو کام ان کے سپرد ہیں اور جن امور کی انجام دہی پر انھیں مامور کیا گیا ہے، اس کی طرف بالکل ان کا دھیان نہیں ہے۔ نہ وہ وقت پر دفتروں میں جاتے ہیں اور نہ اپنے فرائض منصبی ادا کرتے ہیں۔ اگر دفتر جائیں بھی تو جا کر باتیں کرتے اور گپیں ہانکتے ہیں یا دفتروں سے کسی نہ کسی شکل میں مال کھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگ دفتروں پر بوجھ اور معاشرے پر بار ہیں۔ ان کو اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔ اگر وہ خود اپنی اصلاح نہیں کرتے تو دوسروں کو چاہیے کہ ان کو اس غلط کردار کی اصلاح کرنے کے لیے توجہ دلائیں۔

بہتر اور اچھے لوگ وہ ہیں جو دنیا میں محنت اور جدوجہد کرتے ہیں، ناموافق حالات کا مقابلہ کرتے ہیں، دوسروں کا سہارا تلاش کرنے کی بجائے خود آگے بڑھنے کے لیے کوشاں ہوتے ہیں اور جن فرائض کی انجام دہی پر انھیں متعین کیا گیا ہے، حسن وخوبی اور ذمے داری کے ساتھ ان فرائض کو سرانجام دیتے ہیں۔ یہ لوگ صحیح طور پر ملک وقوم کے خادم اور وفادار ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض احادیث کے متعلق
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وضاحت

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ مَا أَشْكَلَ عَلَيْنَا أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم حَدِيثٌ قَطُّ وَسَأَلْنَا عَائِشَةَ إِلَّا وَجَدْنَا عِنْدَهَا مِنْهُ عِلْمًا

(هذا حديث حسن صحيح جامع ترمذی، ابواب المناقب باب فضل عائشة)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کے لیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے، کسی مسئلے کے متعلق کبھی جو مشکل پیش آئی، ہم نے اس کے بارے میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تو اس مشکل کا حل ان کے پاس موجود تھا۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا ارشادِ گرامی ہے۔ حضرت ابوموسیٰ کا اصلی نام عبداللہ بن قیس تھا اور یمن کے قبیلہ اشعر سے ان کا تعلق تھا۔ عربوں میں بہت سے لوگ نام کے بجائے کنیت سے مشہور تھے، جیسا کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔ انھوں نے ابوموسیٰ یعنی کنیت سے شہرت پائی۔

ان کا شمار علاقہ یمن کے رؤسا میں ہوتا تھا۔ قبول اسلام سے پہلے تجارت کرتے تھے اور عرب کے مختلف علاقوں میں ان کی آمد و رفت رہتی تھی۔ ہر علاقے میں انھیں احترام کا مقام حاصل تھا۔

قبول اسلام کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ متعدد جنگوں میں شرکت کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلفائے راشدین کے نزدیک بھی بے حد تکریم کے حامل تھے۔ بعض علاقوں کے والی مقرر کیے گئے اور انتہائی حزم و احتیاط کے ساتھ انتظامی امور کو چلایا۔ ایک روایت کے مطابق ذی الحجہ ۴۴ ہجری میں وفات پائی۔ ایک روایت کی رو سے ۴۲ ہجری میں فوت ہوئے۔ ایک اور روایت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں سال ارتحال ۵۲ ہجری بتایا گیا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد جوام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ابتدائی سطور میں درج کیا گیا ہے، بالکل واضح ہے اور اس کے مفہوم میں کوئی گنجلک یا الجھاؤ نہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا انتہائی زیرک اور اونچے مرتبے کی عالمہ تھیں۔ اللہ نے ان کو اس درجے فراست سے نوازا اور فہم کی دولت سے بہرہ اندوز کیا تھا کہ صحابہ کی مقدس جماعت میں جب بھی علمی نوعیت کا کوئی اہم مسئلہ پیش آیا اور اس کے حل و کشود کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے باب علم پر دستک دی گئی تو ان کے ذہن رسا نے لمحہ بھر میں صحیح صورت حال کو پالیا اور زبان نے اسے بیان فرمادیا۔

محدثین کا کہنا ہے کہ ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو ہزار دو سو دس حدیثیں مروی ہیں۔ بعض اصحاب الحدیث کا ارشاد ہے کہ احکام شریعت کا چوتھا حصہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فصاحت و بلاغت میں بھی ممتاز تھیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی موسیٰ بن طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَارَأَيْتُ أَحَدًا أَفْصَحُ مِنْ عَائِشَةَ (ترمذی، ابواب المناقب، باب فضل عائشہ)

میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو فصیح الکلام نہیں دیکھا۔

یہی بات ایک دوسرے صحابی حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے بیان کی ہے۔

حضرت عروہ بن زبیر کا کہنا ہے کہ میں نے قرآن و حدیث، فقہ و تاریخ اور علم انساب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑا عالم کسی کو نہیں پایا۔

سیرت کی کتابوں میں ان کے حالات میں بتایا گیا ہے کہ وہ علوم دینیہ کے علاوہ شعر و ادب اور تاریخ و طب سے بھی دلچسپی رکھتی تھیں۔

اب ذیل میں چند ایسی حدیثیں بیان کی جاتی ہیں جن کی تعبیر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دوسرے صحابہ سے اختلاف منقول ہے۔

۱۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کسی نے بتایا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ نحوست تین چیزوں میں پائی جاتی ہے۔ عورت میں، مکان میں اور گھوڑے میں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آدھی بات سنی اور آدھی نہیں سنی۔ جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ اس وقت اپنی گفتگو کے پہلے الفاظ بیان فرما چکے تھے۔ وہ الفاظ یہ تھے کہ یہودی کہتے ہیں، نحوست تین چیزوں میں ہے، عورت میں، مکان میں اور گھوڑے میں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ''یہودی کہتے ہیں۔'' کے الفاظ نہیں سنے، اس کے بعد کے الفاظ سنے اور وہ بیان کر دیے۔ (سیرت عائشہ صفحہ ۱۹۰، بحوالہ داؤد طیالسی مسند عائشہ)

مطلب یہ کہ یہ اسلام کا نقطۂ نظر نہیں کہ عورت، مکان اور گھوڑے میں نحوست ہے بلکہ یہ یہودیوں کا نقطۂ نظر ہے۔

۲۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ایک روایت منقول ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مردوں کے سننے کے متعلق سوال کیا۔

آپ نے فرمایا: وہ تم سے زیادہ سنتے ہیں، لیکن جواب نہیں دے سکتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات پہنچی تو فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سننے میں غلطی ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ کہ مردے تم سے زیادہ سنتے ہیں، لیکن جواب نہیں دے سکتے۔ اس لیے کہ یہ قرآن کی نص کے خلاف ہے۔ قرآن میں ہے۔

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ۔ (النمل:۸۰)

اے پیغمبر! آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔

وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ۔ (فاطر:۲۲)

آپ انھیں سنانے والے نہیں جو قبروں میں ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان قرآن کے خلاف نہیں ہوسکتا اور یہ قرآن کے خلاف ہے۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ گھر والوں کے رونے سے مردے پر عذاب ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ روایت سنی تو، ماننے سے انکار کر دیا اور فرمایا: اصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک یہودی عورت مری پڑی ہے اور اس کے رشتے دار اس پر رو رہے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ لوگ رو رہے ہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اسے عذاب ہو رہا ہے۔ نبی ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ یہ اپنے اعمال کی وجہ سے مبتلائے عذاب ہے، نہ کہ کسی کی رونے کی وجہ سے۔ اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى۔ (فاطر:۱۸)

کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

۴۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ایک صاحبِ عظمت صحابی تھے۔ ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو نیا لباس زیب تن کیا اور فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ مسلمان جس لباس میں مرے گا اسی میں اٹھایا جائے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات معلوم ہوئی تو فرمایا:

ابوسعید پر اللہ رحم کرے، لباس سے نبی ﷺ کی مراد اعمال تھے۔

۵۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ نمازِ عصر اور نماز فجر کے بعد کوئی نماز پڑھنی جائز نہیں، نہ نفل نہ سنت۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات معلوم ہوئی تو فرمایا:

عمر رضی اللہ عنہ کو وہم ہوا۔ نبی ﷺ نے ان اوقات میں فقط اس صورت میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص یہ خیال کر کے نماز نہ پڑھے کہ یہ سورج کے طلوع یا غروب کا وقت ہے..... یعنی اس سے آفتاب پرستی کا شبہ نہ ہو۔

۶۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک عورت نے ایک بلی باندھ دی تھی اور اس کو کچھ کھانے پینے کو نہیں دیتی تھی۔ بلی اسی حالت میں بھوک سے مر گئی اور عورت کو اس بنا پر عذاب ہوا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملنے گئے تو انھوں نے فرمایا ایک بلی کے بدلے میں ایک عورت کے عذاب کی روایت بیان کرتے ہو؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے یہ سنا ہے۔ فرمایا: خدا کے نزدیک ایک مومن کی ذات اس سے بہت بلند ہے کہ ایک بلی کے لیے اس پر عذاب کرے۔ وہ عورت اس گناہ کے علاوہ کافرہ بھی تھی۔ (بحوالہ سیرت عائشہ، ابوداؤد، طیالسی مسند عائشہ)

اس کے علاوہ ان کی فقاہت و فراست اور قرآن و حدیث کے فہم کے متعلق اور بھی بہت سی مثالیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتب سیرت میں مرقوم ہیں، لیکن تفصیل میں جائے بغیر انہی چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بڑی بہادر اور دلیر بھی تھیں۔ بعض جنگوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئیں اور زخمی صحابہ کو پانی پلاتی اور ان کی مرہم پٹی کرتی رہیں۔ بعض دیگر صحابی عورتیں بھی جنگوں میں شامل ہوئیں اور انھوں نے زخمیوں کی خدمت کا فریضہ سرانجام دیا..... موجودہ دور میں وطن عزیز کی جو مذہبی جماعتیں اسلام کی رو سے کشمیر میں جہاد کو ضروری قرار دیتی ہیں، وہ اپنی خواتین کو بھی اس ضروری اسلامی جہاد کے لیے وہاں بھیجیں تاکہ یہ زخمی مجاہدین کی مرہم پٹیاں کریں۔

اب ان مثالوں سے چند نتائج اخذ کیے جاتے ہیں۔

- ..... مسلمان خواتین کو تعلیم کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دینی چاہیے، علم دینیہ وشرعیہ کے علاوہ دیگر علوم کی تحصیل بھی ان کے لیے ضروری ہے۔ خواتین کے والدین اور دوسرے حضرات پر بھی یہ ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ انھیں زیور علم سے آراستہ کرنے کی کوشش کریں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جہاں قرآن وحدیث کے علوم میں دست گاہ رکھتی تھیں، وہاں علم انساب، علم تاریخ اور علم طب سے بھی آگاہ تھیں۔

یہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر دور میں ہر علم کی حدود مختلف ہوتی ہیں۔ مثلاً ابتدائے اسلام سے کئی صدیاں بعد تک علم طب کی حدیں محدود رہیں۔ لیکن آہستہ آہستہ وقت وزمان کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس کی حدود میں پھیلاؤ پیدا ہوا اور موسموں کے تغیر اور آب وہوا کی تبدیلی سے کئی قسم کی بیماریاں پھوٹیں اور پھر اسی نسبت سے طریق علاج اور ادویہ کے دائروں میں وسعت پیدا ہوئی۔ باقاعدہ شفاخانوں اور ہسپتالوں کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ مختلف امراض میں تخصص اور سپیشلائزیشن تک نوبت پہنچی۔ کوئی ڈاکٹر ناک کی بیماریوں کا سپیشلسٹ ہے، کوئی کان اور آنکھوں کی بیماریوں میں مہارت رکھتا ہے اور کوئی امراض قلب کے محاذ پر اپنے فن کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں جہاں مردوں کا میدان عمل میں نکلنا اور مختلف بیماریوں اور ان کے طریق علاج سے باخبر ہونا ضروری ہے، وہاں خواتین کو بھی طبی تعلیم سے آراستہ ہونے کی ضرورت ہے۔ خدمت خلق اور خدمت علم کا یہ بہت بڑا اور نہایت اہم شعبہ ہے۔ بنی نوع انسان کی صحت کا دارومدار اسی پر قائم ہے، اس کے حصول کے لیے کوشاں ہونا اور اسے اپنی زندگی کا نصب العین بنانا اسلامی اعتبار سے وقت کا بنیادی تقاضا ہے، جسے مردوں کے علاوہ عورتوں کا بھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرض ہے کہ وہ اسے مرکزِ توجہ بنائیں۔

- موجودہ دور میں نرسنگ کی تعلیم خاص اہمیت اختیار کر گئی ہے، جس کا ابتدائی خاکہ عہدِ نبوت میں بہ صورت عمل سامنے آیا اور ہماری علمی تاریخ کا ایک مستقل باب بنا۔ عصرِ رسالت (ﷺ) کے واقعاتِ غزوات ہمیں بتاتے ہیں کہ بعض جنگوں میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے شرکت کی جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ جگر گوشۂ رسول حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بھی شریک ہوئیں، اور بھی بہت سی صحابیات رضی اللہ عنہن نے شمولیت کی۔ ان پاک باز خواتین نے مجاہدین کو پانی پلانے اور مجروحین کی مرہم پٹی کی خدمات سرانجام دیں۔
- علوم وفنون کے وسعت پذیر دائرے میں ادب وشعر کو ہمیشہ پذیرائی حاصل رہی۔ عرب بالخصوص اس سے انتہائی تعلق رکھتے تھے اور ان کی مجالس شعر منعقد ہوتی تھیں، جن مین مختلف قبائل کے چیدہ چیدہ شعرا شرکت کرتے اور اپنا کلام سناتے تھے۔ عربی ادب میں آج بھی ان کے اشعار کی دھوم ہے اور چودہ پندرہ صدیاں گزر جانے کے باوجود وہ سلسلۂ اشعار اب بھی تروتازہ اور داخل نصاب ہے۔ دنیا بھر کے نصاب تعلیم میں یہ واحد مثال ہے کہ اتنے قدیم اور پرانے کلام کی پہلے کی طرح آج بھی اقلیم ادب پر حکمرانی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی زبان ایسی نہیں، جس کی صدیوں پرانی کتابیں داخل نصاب ہوں اور انھیں ادب کا حصہ سمجھا جاتا ہو۔

عہدِ رسالت کی بہت سی خواتین جنھیں نبی ﷺ کی صحابیات ہونے کا شرف حاصل تھا، اپنے زمانے کے ادب وشعر سے عام طور پر آشنا تھیں۔ ان میں خاندان نبوت کی بعض خواتین بھی شامل تھیں۔ اب بھی مسلمان خواتین کو چاہیے کہ ادب وشعر سے رابطہ قائم کریں اور قائم رکھیں۔

- فصاحت وبلاغت کے فن سے بھی صحابی عورتیں شناسا تھیں۔ چنانچہ جیسا کہ پہلے بتایا گیا بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ہم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں دیکھا۔ مطلب یہ کہ وہ میدان فصاحت میں اپنے عہد کے لوگوں سے بہت آگے تھیں اور ان کا اسلوب کلام نہایت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فصیحانہ اور بلیغانہ تھا۔

علم بیان و معانی کی رو سے بلاغت کا مطلب یہ ہے کہ کلام تمام عیوب سے مبرا اور مقتضائے حال اور ضرورت کے مطابق ہو اور الفاظ مناسب اور واضح ہوں۔

فصاحت کے معنی یہ ہیں کلام حشو و زوائد سے پاک ہو، غیر مانوس ترکیبوں کا اس میں عمل دخل نہ ہو، تحریر و تقریر میں مشکل اور دقیق الفاظ استعمال نہ کیے گئے ہوں۔ سب باتیں آسان اور قابل فہم اسلوب میں بیان کی گئی ہوں، جسے سننے والا پکار اٹھے کہ خوش کلامی اور خوش بیانی اسی کا نام ہے۔ ہر دور کی مسلمان عورتوں کو فصاحت و بلاغت کے فن سے واقفیت پیدا کرنے کی سعی کرنی چاہیے۔

❁ تاریخ انساب کو بھی ہمیشہ مستقل علم کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ انساب، نسب کی جمع ہے، یعنی مختلف خاندان اور ان کے نسب نامے اور شجرے کہاں سے چلے اور کن کن راہوں کو عبور کرتے ہوئے کہاں پہنچے اور کن سے ملے ہیں۔ یہ ایک بنیادی علم ہے، جس کا تاریخ سے گہرا رابطہ ہے۔ تاریخی حالات، تاریخی واقعات، تاریخی معاملات اسی صورت میں مکمل ہوتے ہیں، جب کہ بیان کرنے والا ان لوگوں کے انساب و شجرات سے باخبر ہو۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس سے باخبر تھیں۔

اس زمانے کے عرب باشندوں کی اکثریت علم سے زیادہ رسم و راہ نہیں رکھتی تھی۔ علاوہ ازیں کسی علم میں یہ پھیلاؤ اور وسعت بھی نہیں تھی جو ہم اب دیکھتے ہیں۔ علم کے دائرے محدود اور سکڑے ہوئے تھے۔ تاریخ کا علم بھی محض قبائل سے متعلق معلومات اور ان کے آباواجداد کے حالات سے تھوڑی بہت واقفیت اور ان کے بہادریوں کے قصے کہانیوں سے باخبر ہونے سے عبارت تھا اور اس دور میں یہ بہت بڑی بات تھی۔ نہ مصنف، نہ کتابیں، نہ چھاپے خانے، نہ لائبریریاں، نہ کاغذ، نہ ادارے، نہ سکول، نہ مدرسے۔ ایسے حالات اور ماحول میں واقعات و تاریخ کے جو گوشے بھی علم و ادراک کی گرفت میں آ جائیں، انھیں بہت جاننا چاہیے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا دوسری صحابیات سے متعلق تاریخ سے آگاہی کی جو باتیں کتابوں میں درج ہیں، ان سے یہ اساس متعین ہوتی ہے کہ خواتین کو علم تاریخ بھی حاصل کرنا چاہیے۔ اب تاریخ کئی حصوں میں منقسم ہے اور ہر حصہ اپنی جگہ بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ عالمی تاریخ، یورپ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی تاریخ، لڑائیوں اور جنگوں کی تاریخ، ایشیا کی تاریخ، اپنے ملک کی تاریخ۔ پھر ملک کی تاریخ کے بھی کئی حصے ہیں۔ سیاسی تاریخ، اسلامی تاریخ، حکمرانوں کی تاریخ، مذہبی اور علمی تاریخ، الگ الگ جماعتوں، انجمنوں، اداروں اور درس گاہوں کی تاریخ، علما، شعرا اور صوفیا کی تاریخ، شہروں اور قصبوں کی تاریخ۔ اس طرح تاریخ کا دامن بہت وسیع اور مختلف حصوں پر مشتمل ہے۔ اس سے اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی دلچسپی لینا اور دادِ تحقیق دینا چاہیے۔ کسی علم پر کسی خاص گروہ یا خاص طبقے کی اجارہ داری نہیں ہے۔ ہر طبقے کا ہر شخص اور ہر گروہ کا ہر متنفس اس میں حصہ لے سکتا اور اپنی قابلیت کے جوہر دکھا سکتا ہے۔

علوم کی ان چند اقسام کے علاوہ جن کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور بھی بہت سے علوم ہیں، جن کے حصول کے لیے عورتوں کا ساعی ہونا ضروری ہے۔ بالخصوص مسلمان عورتوں کا اس طرف متوجہ ہونا ان کے مذہبی فرائض میں شامل ہے۔ مثلاً:

- قرآن کے علم کو لیجیے اس کے کئی پہلو ہیں۔ قرأت و تجوید، معانی و مطالب اور تفسیر و اصول تفسیر وغیرہ۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر بہت سی صحابیات و تابعات اس میں مہارت رکھتی تھیں۔ موجودہ دور کی خواتین کو بھی اسے مرکز فکر ٹھہرانا چاہیے اور اس علم سے خود بہرہ ور ہو کر دوسری خواتین تک اس کی روشنی پہنچانے کا اہتمام کرنا چاہیے۔
- علم حدیث کے لیے مستعد ہونا بھی عورتوں کے فرائض میں شامل ہے۔ علم حدیث کے بھی کئی شعبے ہیں۔ الفاظ حدیث، کتب حدیث، مطالب حدیث، رجال حدیث، روات حدیث، اصول حدیث، شروح حدیث، مرتبین حدیث، جامعین حدیث وغیرہ۔
- ایک بہ درجہ غایت اہم علم اور ہے، وہ ہے علم فقہ۔ فقاہت، فراست اور دانش کا حصول ہر صاحب علم کے لیے لازم ہے۔ فقہیات کا میدان بھی بہت وسیع ہے۔ فقہ حنفی، فقہ مالکی، فقہ شافعی اور فقہ حنبلی وغیرہ۔ یہ اہل سنت کی فقہ ہے۔ اس کے علاوہ شیعہ فقہ ہے، جس میں زیدی، اثنا عشری اور امامیہ فقہ وغیرہ شامل ہیں۔

یہ وہ علوم ہیں جن کا مختصر الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے، ان کے حصول کے لیے تگ و تاز کرنا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقت کا تقاضا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ تمام علوم ہر خاتون حاصل کرے۔ مطلب یہ ہے کہ ان علوم میں سے جو علم بھی حاصل کیا جا سکے اور جس کی طرف طبیعت راغب ہو، حاصل کرنے کی جدوجہد کرنی چاہیے۔ اسلامی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ بے شمار عورتوں نے بہت سے علوم حاصل کیے اور دینی و دنیوی اعتبار سے بلند مرتبے پر پہنچیں۔

اسلام کے موٹے موٹے دو حصے ہیں۔ ایک حصے کا نام عبادات ہے اور دوسرا حصہ معاملات کہلاتا ہے۔ ان دونوں حصوں پر عمل کے بارے میں مرد اور عورت کو مساوی درجہ دیا گیا ہے اور دونوں کو ایک ہی سطح پر رکھا گیا ہے۔ کسی کو کسی پر ترجیح یا فوقیت نہیں دی گئی۔ قرآن مجید میں اس کا جن مقامات پر ذکر فرمایا گیا ہے ان میں سے ایک مثال مندرجہ ذیل ہے۔

قرآن حکیم میں ارشادِ خداوندی ہے:

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ۝ (الاحزاب: ۳۵، ۳۶)

ترجمہ: بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں، راست باز مرد اور راست باز عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، فروتنی کرنے والے مرد اور فروتنی کرنے والی عورتیں، روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اور جب اللہ اور اس کا رسول کوئی حکم دیں تو کسی مومن مرد اور مومن عورت کو اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکم میں اپنا کوئی اختیار رکھنے کا حق نہیں پہنچتا۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔

عمل، کردار، نیکی، سچائی، پاک دامنی، اللہ کی فرماں برداری، صبر، استقامت، لوگوں کی خدمت، ہمدردی، انکساری، تواضع، صدقات وخیرات کا اہتمام، یہ وہ اوصاف ہیں کہ مرد میں پائے جائیں یا عورت میں، اس کے لیے کامیابی وکامرانی اور فوز وفلاح کا باعث بنتے ہیں۔

علم وقابلیت اور صلاحیت واستعداد کی بنا پر جہاں مردوں کے لیے ترقی کے دروازے کھلے ہیں اور انھوں نے ارتقا کی منزلوں کو طے کیا ہے، وہاں پڑھی لکھی اور لائق وعقل مند عورتوں کے لیے بھی ان منازل تک رسائی کے مواقع میسر آئے ہیں اور وہ نہایت کٹھن راستوں پر انتہائی ہمت اور دلیری کے ساتھ قدم زن ہوئی اور منزل مقصود تک پہنچی ہیں۔ بلکہ تاریخ میں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ مرد نے ہمت ہار دی اور عورت نے اپنا سفرِ سعی جاری رکھا تا آنکہ کامیابی سے ہم کنار ہو گئی۔

اب تیزی کے ساتھ جہالت کا دور ختم ہو رہا ہے۔ بے علمی کی تاریکی چھٹ رہی ہے اور علم کی روشنی روز بروز چار سو اپنا دامن پھیلا رہی ہے۔ ابتدائے عہد اسلام کی عورت بھی شاعرہ اور ادیبہ تھی، اپنے دور کے مروجہ علوم سے آگاہ تھی۔ آج کی عورت بھی شعر وادب کا ذوق رکھتی ہے، تصنیف وتالیف کے میدان میں مصروف جہد ہے، اسلام کی تبلیغ وترویج کے لیے کوشاں ہے، وعظ وتقریر میں اپنا مقام رکھتی ہے، تدریس وتعلیم کے ایوانوں میں اپنی قابلیت کا لوہا منوا رہی ہے، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مختلف شعبوں کی سربراہ ہے، بہت سے محکموں میں ملازم ہے، انجینئر ہے، پائلٹ ہے، ڈاکٹر ہے اور نہایت نازک نوعیت کے آپریشن کرتی ہے، سائنس دان ہے، ریاضی دان ہے، اقتصادیات کی ماہر ہے۔ غرض اپنے دور کے مروجہ علوم سے پوری طرح باخبر ہے اور ان کی معلّمہ ہے۔ بلکہ اب تو خود پاکستان کے علمائے کرام اپنی بہو بیٹیوں کو ملک کے وسیع سیاسی میدان میں لے آئے ہیں اور انھیں غیر مردوں کے ساتھ صوبائی اور مرکزی اسمبلیوں اور سینٹ میں پہنچا دیا ہے۔ وہ وہاں دھڑلے سے تقریریں کرتی ہیں اور کھلے بندوں دوسروں کی تقریریں سنتی ہیں اور ان کی جواب طلب باتوں کے جواب دیتی ہیں۔ ان علمائے کرام نے ان کو غیر مردوں سے اس قسم کی باتیں سننے کے مواقع فراہم کر دیے ہیں، جو عام حالات میں وہ نہیں سن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکتی تھیں۔ سب کچھ سننے کے بعد پھر کبھی کبھی رسمی سا احتجاج کیا جاتا ہے۔ صدقے جائیں اس احتجاج پر۔

بڑی بڑی تعلیم گاہوں میں عورتیں مردوں کو بھی پڑھاتی ہیں اور عورتوں کو بھی۔ ان کے متعلق کسی قسم کے سوئے ظن میں مبتلا ہونا اور میدان فکر وفن میں ان کے ارتقا کی رفتار کو روکنے کی سعی کرنا کسی کے بس میں نہیں رہا، بلکہ روکنے والوں کو مطعون ٹھہرایا جاتا ہے۔

اسلام کی روایاتِ فن وفکر کا آغاز عہد رسالت ﷺ سے ہوتا ہے اور اسی عہد کو مدار عمل ٹھہرانے کے ہم مکلّف ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس عہد کی بعض خواتین علم وفضل کے تمام رائج الوقت گوشوں سے آگاہ تھیں۔ تفسیر وحدیث، فقہ وتاریخ، فصاحت وبلاغت اور ادب وشعر پر مجتہدانہ نگاہ رکھتی تھیں۔ اس عمل خیر کو موجودہ دور میں بھی ہمیں پیش نگاہ رکھنا چاہیے۔

یہاں یہ یاد رہے کہ جس طرح بعض معاملات میں بعض مرد کم عقلی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اچھی بھلی صورت حال کو بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں، اسی طرح بعض عورتوں سے بھی غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں اور بعض غلطیاں سنگین نوعیت کی بھی ہوتی ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عورت بحیثیت عورت کم عقل یا کم فہم ہے اور مرد، مرد ہونے کی بنا پر کامل العقل اور کامل الفہم ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھانے پینے کے آداب

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَاتَشْرَبُوْا وَاحِدًا كَالْبَعِيْرِ وَلٰكِنِ اشْرَبُوْا مَثْنٰى وَثُلَاثَ، وَسَمُّوْا إِذَا أَنْتُمْ شَرِبْتُمْ وَاحْمِدُوْا وَإِذَا أَنْتُمْ رَفَعْتُمْ۔ (جامع ترمذی، ابواب الاشربہ، باب ماجاء فی التنفس فی الاناء)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی چیز پینے لگو تو اونٹ کی طرح ایک ہی سانس میں نہ پی جاؤ، دو یا تین مرتبہ سانس لے کر پیو اور (یاد رکھو کہ) پینا شروع کرو تو بسم اللہ پڑھو اور فارغ ہو جاؤ تو الحمد للہ کہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہر قسم کی دینی، مذہبی، اخلاقی اور تہذیبی وثقافتی تعلیمات سے بہرہ مند فرمایا ہے اور وہ تمام باتیں ایک ایک کر کے تفصیلاً یا اجمالاً ارشاد فرمادی ہیں جو نوع انسان کی اصلاح وتربیت کے لیے ضروری ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام دینِ کامل ہے اور اس کے اتمام و تکمیل کا یہ بنیادی تقاضا ہے کہ اس میں ہر ایسی شے کی نشان دہی کر دی جاتی ہے جو انسان کی حیات اجتماعی میں نکھار پیدا کرنے اور ان کے کشورِ قلب وذہن کو جلا بخشنے کا باعث بنتی ہے۔

اسی حدیث کو لیجیے جو سرعنوان درج کی گئی ہے۔ اس کا مضمون اپنی جگہ بڑا اہم ہے اور دیگر احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

حدیث کے الفاظ سے صاف پتا چلتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم امت مسلمہ کے ہر چھوٹے بڑے عمل کے معلم تھے اور امت کے ہر فرد کو ہر لحاظ سے مہذب اور شائستہ دیکھنا چاہتے تھے۔ کھانے پینے کے آداب ومعمولات کے معاملے میں بھی جنھیں ہم بعض اوقات نظر انداز کر جاتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی پوری رہنمائی فرماتے تھے۔ آپ نے وضاحت سے فرمایا کہ کوئی چیز پینے کے لیے برتن کو لبوں سے لگاؤ تو تین باتوں کا خیال رکھو۔

ایک یہ کہ برتن منھ کو لگا کر پانی یا شربت یا دودھ یا کسی ایک ہی سانس میں نہ پی جاؤ۔ پینے کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ انداز اونٹ کا انداز ہے۔ وہ جب پانی کو منھ لگاتا ہے تو ایک ہی سانس میں پی جاتا ہے اور اس وقت منھ اوپر اٹھاتا ہے جب پیٹ بھر جاتا ہے۔ انسان کے لیے یہ انداز اختیار کرنا غلط اور نامناسب ہے۔ یہ حیوان کا طریقہ تو ہوسکتا ہے اور ہے بھی، مگر انسان کو ہرگز زیب نہیں دیتا۔ انسان کو چاہیے کہ وہ برتن کو منہ لگائے تو آرام اور شائستگی سے پیئے اور پیتے وقت دو یا تین سانس لے۔ ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ سانس بھی پانی پیتے پیتے برتن ہی میں نہ لے، بلکہ برتن سے منھ الگ کر کے سانس لے۔

دوسرے یہ کہ کوئی شے پینا شروع کرو تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھو تا کہ اللہ کی یاد سے غافل نہ رہو۔ عام طور پر لوگ کھانے پینے کے مواقع پر اللہ کو یاد نہیں رکھتے اور از راہ نادانی سمجھ بیٹھتے ہیں کہ جو کچھ انھیں ملا ہے وہ محض ان کی قابلیت اور تگ و دو کا نتیجہ ہے۔ اس کے برعکس اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ انسان کے وسائل بہر حال محدود ہیں۔ اسے جو کچھ عطا ہوا ہے، وہ اللہ کے فضلِ فراواں اور اس کے کرمِ بے پایاں کا نتیجہ ہے۔

تیسرے یہ ہے کہ کسی شے کے پینے سے فارغ ہو جاؤ تو بھی اللہ کی نوازش ہائے پیہم کو یاد رکھو اور الحمد للہ پڑھو۔ پوری دعا جو اس موقعے پر پڑھنی چاہیے ایک دوسری حدیث میں مذکور ہے جو یہ ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

''یعنی سب تعریفیں اور تمام ستائشیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور اپنا فرماں بردار بنایا۔''

اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احساناتِ گوناگوں کو کسی موقعے پر بھی بھولنا نہیں چاہیے، ہر آن یاد رکھنا چاہیے اور ذہن و قلب کی گہرائیوں میں اس حقیقت کو راسخ کر لینا چاہیے کہ ہم اس کے عاجز و درماندہ اور مسکین بندے ہیں۔ ہمارا اصل سہارا اللہ کی مدد اور اس کی ذاتِ اعلیٰ و اقدس ہے۔ ہم اپنے طور پر صرف کوشش کر سکتے ہیں، اور کچھ نہیں کر سکتے۔ ہر معاملے میں اسی کے محتاج ہیں اور اسی کے آگے اپنا دامنِ طلب پھیلاتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ تمام اسباب جن کو بروئے کار لا کر ہمارا رزق مہیا ہوتا ہے، اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ اگر وہ ہماری دست گیری نہ کرے اور ہماری رہنمائی نہ فرمائے تو ہم کچھ نہیں کر سکتے۔

اسی نے ہم کو عقل وفہم سے نوازا، اسی نے فکر وفراست کی نعمت عطا فرمائی اور اسی نے جسمانی وبدنی طاقت سے بہرہ ور کیا اور ہم اس لائق ہو پائے کہ اپنی ضروریات کا تکفل کر سکیں اور سامانِ اکل وشرب سے بہرہ یاب ہو سکیں۔

ابوداؤد کی ایک حدیث پاک میں کھانے کے بعد یہ دعا پڑھنے کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَ وَسَقٰی وَسَوَّغَهٗ وَجَعَلَ لَهٗ مَخْرَجًا

''سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے کھلایا اور پلایا اور حلق کے ذریعے سے سہولت کے ساتھ اتارا اور (فضلے کی صورت میں) اس کے نکالنے کا راستہ بنایا۔''

مشکوٰۃ شریف میں نبی ﷺ کا ارشادِ گرامی بیان ہوا ہے کہ دودھ پینے کے بعد یہ دعا پڑھی جائے:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ

''اے اللہ! ہمارے لیے اس میں برکت فرما اور اس سے زیادہ عطا فرما۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تین قسم کے لوگ جو اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ثَلَاثَةٌ لَایُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَایُزَکِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ رَجُلٌ عَلٰی فَضْلِ مَآءٍ بِالطَّرِیْقِ یَمْنَعُ مِنْهُ ابْنَ السَّبِیْلِ وَرَجُلٌ بَایَعَ اِمَامًا لَایُبَایِعُهٗ اِلَّا لِلدُّنْیَا فَاِنْ اَعْطَاهُ مَایُرِیْدُ وَفٰی لَهٗ وَاِلَّا لَمْ یَفِ لَهٗ وَرَجُلٌ یُبَایِعُ رَجُلًا بِسِلْعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ فَحَلَفَ بِاللّٰهِ لَقَدْ اُعْطِیَ بِهَا کَذَا وَکَذَا فَصَدَّقَهٗ وَلَمْ یُعْطَهٗ بِهَا

(صحیح بخاری، کتاب الأحکام باب من بایع رجلا لایبایعه الا للدنیا)

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخصوں سے اللہ قیامت کے روز نہ بات کرے گا اور نہ انھیں گناہوں سے پاک کرے گا، بلکہ ان کے لیے تکلیف دہ عذاب ہوگا۔

ایک شخص وہ ہے جو راستے پر اپنی ضرورت سے زیادہ پانی رکھتا ہے اور مسافروں کو اس میں سے استعمال نہیں کرنے دیتا۔

دوسرا وہ شخص ہے جو امام سے صرف دنیا حاصل کرنے کی غرض سے بیعت کرتا ہے۔ اگر اس نے اس کی خواہش کے مطابق کچھ دے دیا تو اس نے وفا کی، اگر نہ دیا تو نہ کی۔

تیسرا وہ شخص ہے جس نے عصر کے بعد کسی کے ہاتھ مال فروخت کیا اور جھوٹی قسم کھائی کہ اس کو اس مال کی اتنی قیمت دی جاتی تھی، حالانکہ اس کو اتنی قیمت نہیں دی جاتی تھی۔ مگر خریدنے والے نے اس کی قسم کو سچی قسم سمجھا اور اسی قیمت پر مال لے لیا۔''

اس حدیث میں تین قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا گیا ہے، جنھیں بہت برے اور غلط کردار کے حامل قرار دیا گیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک وہ شخص ہے جو اللہ کے نزدیک بہت برا اور گناہوں کا پتلا ہے، جو راستے پر بیٹھا ہے اور اپنے پاس پانی کا ذخیرہ رکھتا ہے لیکن مسافروں اور پیاسے لوگوں کو اس میں سے ایک گھونٹ پانی کا نہیں دیتا۔ کنوئیں کا مالک ہے تو کنوئیں سے پانی نکالنے نہیں دیتا، نل لگا رکھا ہے، تو اس سے کسی کو پانی نکالنے کی اجازت نہیں، چھوٹی موٹی نہر یا نالے پر قابض ہے، تو اس کی طرف کسی کو دیکھنے نہیں دیتا۔ یہ شخص انتہائی بخیل اور بے رحم ہے اور اللہ کے نزدیک اتنا بڑا مجرم ہے کہ قیامت کے روز اس عمل بد کی بنا پر اللہ تعالیٰ اس سے ہم کلام نہیں ہوگا اور نہ اسے گناہوں سے پاک کرے گا، اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

یہاں یاد رکھنا چاہیے کہ پانی کا ذکر بطور مثال کیا گیا ہے، ورنہ اس سے ہر وہ شخص مراد ہے جو کسی نہ کسی طرح دوسرے شخص کی مدد کر سکتا ہے، لیکن نہیں کرتا، کسی کو ملازمت دلا سکتا ہے، لیکن نہیں دلاتا، غریب کی روپے پیسے سے مدد کرنے کی طاقت رکھتا ہے لیکن نہیں کرتا۔ مستحق کی ضرورتیں پوری کر سکتا ہے مگر نہیں دیتا، کسی کو عاریتاً استعمال کے لیے کوئی چیز دے سکتا ہے مگر نہیں دیتا، کسی کو قرض دینے کی طاقت رکھتا ہے مگر نہیں دیتا۔ اس قسم کے سب لوگ اس میں شامل ہیں اور یہ ایک ہی زمرے سے تعلق رکھتے ہیں اور ایک ہی سزا کے مستوجب ہیں۔ ان لوگوں کی یہ بخیلانہ عادتیں اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں، جن کی انھیں سخت سزا ملے گی۔

دوسرا وہ شخص اللہ کو ناپسند ہے جو امام وقت کے ہاتھ پر خلوص نیت کے ساتھ بیعت نہیں کرتا بلکہ اس نے اپنے دل میں اپنے مفادات کی ایک فہرست تیار کر رکھی ہے، اگر اس کے وہ مفاد بیعت و فرماں برداری کی وجہ سے پورے ہوتے رہے، تو وہ امام کا تابع فرماں رہا۔ ورنہ بغاوت و سرکشی پر اتر آیا۔ یہ شخص انتہائی کمینہ اور ذلیل ہے، جو صرف اپنی ذات کو سامنے رکھتا ہے اور کسی بات کو ماننے یا نہ ماننے کے باب میں اس کا اپنا مفاد ہی اصل معیار ہے۔ اگر اسے فائدہ حاصل ہوتا رہا تو معاملہ ٹھیک ورنہ سب غلط اور ناقابل اعتبار ٹھہرا۔

آج کل یہ مرض عام ہے۔ ہم میں سے بیشتر لوگ وہ ہیں جو عزت و وقار کے متلاشی ہیں۔ وہ کسی حاکم کے پاس جائیں گے تو اس غرض سے کہ انھیں ملازمت مل جائے یا کوئی اور مفاد حاصل ہو جائے۔ حکومت وقت کے سربراہ سے رابطہ رکھیں گے تو چاہیں گے کہ انھیں وزارت مل جائے یا حکومت کا کوئی اہم منصب انھیں حاصل ہو جائے۔ اگر وہ اس میں کامیاب ہو گئے تو حکومت اور اس کے سربراہ اور وزیروں کی تعریفوں کے پل باندھ دیں گے۔ اگر انھیں یہ عہدہ و منصب حاصل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ ہو سکا تو حکومت کی تنقید اور تنقیص پر اتر آئیں گے اور حزب اختلاف میں جا بیٹھیں گے۔ ان کا مطمح نظر محض حصولِ اقتدار اور ذاتی مفاد ہوتا ہے۔ ملک وملت کی مخلصانہ خدمت اور حکومت کی صحیح باتوں کو ماننا ان کا شیوہ نہیں ہوتا۔

حدیث میں ''بیعتِ امام'' سے آج کل کی اصطلاح میں حلف وفاداری یا کسی جماعت کے اغراض ومقاصد کی پابندی بھی مراد لی جا سکتی ہے۔ جو لوگ عہدہ واقتدار کے بھوکے ہوتے ہیں انھیں اپنی وفاداریاں بدلنے میں قطعاً کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی۔ وہ جس جماعت میں جائیں گے حصول اقتدار کی غرض سے جائیں گے۔ اگر ایک جماعت میں رہ کر انھیں کوئی مفاد یا عہدہ حاصل ہو جاتا ہے تو وہ اس میں رہیں گے اور اس کی تعریف میں رطب اللسان ہوں گے، اگر اس میں ان کا عہدہ باقی نہیں رہتا یا مشکوک ہو جاتا ہے اور دوسری طرف سے پیش کشیں ہونے لگتی ہیں تو وہ جھٹ سے پینترا بدل لیں گے اور فوراً وفاداری تبدیل کر لیں گے۔

یعنی ایک جماعت سے ان کی بیعت اور پابندیٔ عہد اور وفاداری اس وقت تک رہی جب تک کہ وہ اس میں صاحب اقتدار رہے، اُدھر اقتدار ختم ہوا، ادھر انھوں نے اپنی وفاداریاں ختم کر ڈالیں۔

تیسری قسم ان لوگوں کی ہے، جو جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اپنا مال بیچتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ چیز بہت اچھی ہے، فلاں شخص اس کی اتنی قیمت دیتا تھا اور اس نے اس کو بہت پسند کیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ بات درحقیقت کچھ بھی نہیں ہوتی۔ نہ وہ چیز اتنی اچھی ہوتی ہے نہ کسی نے اس کی اتنی قیمت ادا کرنے کی پیش کش کی ہوتی ہے۔ وہ جھوٹ بولتا ہے اور اپنے مال کی قیمت بڑھانے کے لیے سب باتیں اس نے گھڑی ہوتی ہیں۔

اس قسم کے لوگ دھوکے باز اور کذب بیان ہوتے ہیں۔ جھوٹی باتیں کر کے لوگوں کو اپنے مکر وفریب کے جال میں پھنساتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

جو شخص جتنا بڑا جھوٹا اور مکار وفریبی ہوگا اتنا ہی راندۂ درگاہِ الٰہی ہوگا۔ اللہ کے نام کی جھوٹی قسمیں کھا کر لوگوں کو لوٹنا اور غلط بات کو ان کے سامنے صحیح کر کے بیان کرنا، انتہائی مذموم فعل ہے۔

خلاصہ یہ کہ تین قسم کے کردار کے حامل لوگوں کا اس حدیث میں ذکر فرمایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے ساتھ نہ کوئی مہربانی کی بات کرے گا نہ ان کی طرف نظر کرم سے دیکھے گا اور نہ انھیں گناہوں سے پاک کرے گا۔ بلکہ یہ لوگ دردناک عذاب میں ڈال دیے جائیں گے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیادہ سوالات سے بچنے کی تاکید

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوْا۔ فَقَالَ رَجُلٌ فِيْ كُلِّ عَامٍ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم؟ فَسَكَتَ حَتّٰى قَالَهَا ثَلَاثًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ..... وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ۔ ثُمَّ قَالَ ذَرُوْنِيْ مَا تَرَكْتُكُمْ۔ فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوْهُ۔ (صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فرض الحج مرۃ فی العمر)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا: لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج کرنا فرض ٹھہرایا ہے۔ لہٰذا تم حج کیا کرو۔ اس پر ایک شخص نے سوال کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہر سال حج کیا کریں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ اس شخص نے یہ سوال تین مرتبہ کیا (اور آپ نے ہر مرتبہ خاموشی اختیار فرمائی) فرمایا اگر میں اس شخص کے سوال کے جواب میں ''ہاں'' کہہ دیتا تو ہر سال تم پر حج فرض ہو جاتا اور تم ہر سال حج ادا نہ کر سکتے۔ اس کے بعد بطور نصیحت فرمایا کہ جب تک میں خود تم کو کچھ نہ بتایا کروں، تم مجھ سے کوئی بات نہ پوچھا کرو۔ یہ اس لیے کہ تم سے پہلے جو امتیں ہلاک ہوئی ہیں، وہ ایسے ہی بے مقصد سوالات پوچھنے اور اپنے انبیا علیہم السلام سے بلاوجہ اختلاف کی بدولت ہلاک ہوئیں۔ اس لیے میں جب تمھیں کسی چیز کا حکم کر دوں، تو جہاں تک طاقت رکھتے ہو بجالایا کرو اور جس چیز

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے روک دیا کروں اس سے فوراً رک جایا کرو۔''

بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ زیادہ باتیں بناتے اور کثرت سے سوال کرتے ہیں۔ ان کے سامنے کوئی بات کی جائے یا مسئلہ بیان کیا جائے تو سوالات کی بوچھاڑ کر دیتے ہیں اور ایک سیدھی اور صاف بات پر مطمئن ہونے کی بجائے، خود بھی شک میں پڑ جاتے ہیں اور دوسروں کے ذہنی وفکری سکون کو بھی متزلزل کر دیتے ہیں۔ کثرتِ سوال کی یہ عادت شریعت کی نظروں میں ناپسندیدہ اور غیر معقول ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان احکام شریعت میں بنیادی اور اصولی حیثیت رکھتا ہے اور اس سے بلاوجہ قیل وقال اور بے مقصد گفت وشنید کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ بعض دفعہ بالکل صاف اور واضح بات پر لوگ اس کثرت سے سوال کرتے ہیں کہ پھر اس کا سلجھانا مشکل ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سختی کے ساتھ روک دیا ہے اور ہر معاملے میں گفتگو کی ایک خاص حد مقرر فرما دی ہے۔ اس سے آگے بڑھنا اپنے آپ کو خواہ مخواہ مشکلات میں ڈالنا ہے۔ یہ احتیاط شرعی معاملات میں بالخصوص ضروری ہے۔ کیونکہ شریعت کا معاملہ بہت ہی نازک ہوتا ہے اور اس میں اعتدال ومیانہ روی لازمی شے ہے۔ مگر بعض لوگ اس کو بے اعتدالی اور بے احتیاطی کی نذر کر دیتے ہیں اور معمولی باتوں پر مسجدوں میں اس قدر جھگڑتے اور بحث کرتے ہیں کہ ان کی ہر بات ایک نئی الجھن پیدا کرنے کا باعث بن جاتی ہے اور ہر جھگڑے میں ایک نئے جھگڑے کی راہ کھل جاتی ہے۔ پھر پوری بات جھگڑے اور مشکل ہی میں الجھی رہتی ہے۔

جدل ونزاع کی یہ عادت بعض علما میں بھی ہوتی ہے اور طبقہ عوام میں بھی۔ یہ عنصر خاص قسم کے جھگڑالو ذہن کے مالک لوگوں میں ہوتا ہے۔ علما بعض دفعہ ایسے مسائل بیان کرتے ہیں، جن سے دنگا فساد پیدا ہو اور انھیں موقع ملے کہ وہ اپنے علم کی نمائش کر سکیں۔ اسی طرح عوام میں سے بعض لوگوں کو بے مقصد مسئلے پوچھنے کی عادت ہوتی ہے اور مختصر سی بات کو بلاوجہ طول دیتے جاتے ہیں۔

یہ طریقہ احقاقِ حق اور مسئلے کی تحقیق کا نہیں بلکہ اس سے خطرہ ہوتا ہے کہ معقول اور متوازن طبقہ شریعت اور علمائے دین سے دور بلکہ متنفر ہو جائے اور لوگ علم اور اہل علم کو ہدفِ طعن بنانا شروع کر دیں۔ لہٰذا اس طریق گفت گو اور اندازِ بحث سے احتراز نہایت ضروری ہے اور اسلام کی بہت بڑی خدمت.....!

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امن اور سلامتی کا راستہ

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا اَحَبَّ عَبْدٌ عَبْدًا لِلّٰهِ اِلَّا اَكْرَمَ رَبَّهٗ عَزَّوَجَلَّ۔ (مشکوٰۃ باب الحب فی اللہ ومن اللہ)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی سے محض اللہ کی رضامندی کے لیے محبت کے تعلقات استوار کرے اس نے اپنے اللہ عزوجل کی عزت کی۔

حدیث میں مسلمانوں کا لفظ بھی نہیں ہے صرف ''عبد'' کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے یعنی کوئی بندہ کسی بندے سے اللہ کی رضا جوئی کے لیے محبت کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کی عزت کرتا ہے اور اللہ اس کے اعزاز واکرام میں اضافہ فرماتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ محبت کرنا اور اس سے توقیر وتکریم کے ساتھ پیش آنا بہت بڑی خدمتِ انسانیت ہے اور اس میں بدرجہ غایت نیکی وصالحیت پائی جاتی ہے۔

دنیا میں جس قدر بھی فسادات ابھرتے اور جنگ وجدال کے حالات پیدا ہوتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کو پہچاننے کی کوشش نہیں کرتا اور یہ احساس نہیں کرتا کہ اس کی عزت کرنا چاہیے اور کوئی ایسا قدم قولاً اور عملاً نہیں اٹھانا چاہیے، جو دوسرے کے لیے تکلیف کا باعث بن سکتا ہو۔ اگر یہ چیز پیدا ہو جائے تو فساد کی جڑ کٹ جاتی ہے اور جدل ونزاع کی تمام صورتیں ختم ہو جاتی ہیں۔

آپ اندازہ فرمائیے، اگر ایک ہمسایہ دوسرے ہمسائے کی عزت وتوقیر کرے، ایک محلے میں رہنے والے آپس میں محبت والفت سے زندگی بسر کریں، ایک گاؤں کے باشندے دوسرے گاؤں والوں سے تعلقاتِ مودت استوار کریں..... ایک شہر کے مکین دوسرے شہر والوں سے عزت کا معاملہ کریں۔ ایک ضلع کے لوگ دوسرے ضلع والوں سے حسنِ سلوک روا رکھیں.....

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے آگے بڑھ کر، ایک صوبے کے رہنے والے دوسرے صوبے کے رہنے والوں سے پیار کریں..... پھر ایک ملک کے باشندے دوسرے ملک والوں سے بہتر تعلقات قائم کریں تو دنیا میں کس درجہ انقلاب عظیم بپا ہو جاتا ہے اور آپس میں نہایت خوش گوار تعلقات کی فضا ابھر آتی ہے ..... آئے دن کے یہ فساد، جنگیں اور روز روز کی یہ کش مکش جو کہیں سیاست کے نام سے پیدا ہو رہی ہے اور کہیں اقتصادی اور معاشی رنگ میں عالم وجود میں آ گئی ہے، بالکل ختم ہو جاتی ہے۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ آج انسانیت کا احترام دلوں سے نکلتا جا رہا ہے..... لوگوں کی دلچسپیوں کا مرکز انسانیت کی محبت نہیں رہی بلکہ خود غرضیوں کی ایک مسموم فضا پیدا ہو گئی ہے۔

اور تو اور..... خود مسلمان جن کو احترام انسانیت کا درس ساری دنیا سے بڑھ کر دیا گیا ہے، وہ بھی ایک دوسرے سے بغض وعداوت پر اتر آئے ہیں۔ معمولی معمولی باتوں پر آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں اور نوبت جنگ وجدال تک پہنچا دیتے ہیں۔

اگر مسلمان ہی ایک دوسرے سے اس طرح پیش آنے لگیں تو اور کس سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ وہ ان سے محبت والفت کا برتاؤ کریں گے.....!

اسلام کے نزدیک دنیا میں امن وسلامتی اسی صورت میں پیدا ہو سکتی ہے کہ کوئی کسی کے ساتھ بلاوجہ لڑائی نہ کرے۔ خواہ مخواہ جھگڑے اور نزاع کی کیفیت نہ پیدا کرتا پھرے بلکہ لوگوں کو پیار، الفت، محبت اور مودت کا درس دے۔

عالم گیر امن کی یہی ایک صورت ہے اور دنیا میں اسی سے سلامتی اور سکون کی کیفیت ابھر سکتی ہے۔ بہر حال مسلمانوں کو اسلام نے بتاکید یہ حکم دیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی عزت کریں اور آپس میں محبت والفت سے رہیں، اگر وہ اس پر عمل نہیں کرتے اور اسلام کے واضح اور صاف حکم کی تعمیل سے گریزاں رہتے ہیں تو وہ ایک بہت بڑے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ مسلمان کا تو یہ فرض ہے کہ وہ اپنے بھائی کو تنگ نہ کرے۔ اس سے عزت واحترام کے ساتھ پیش آئے۔ اس کی تکریم کرے اور کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکالے جو دوسرے مسلمان بھائی کے لیے تکلیف کا باعث ہو۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ اور بندے کا باہمی تعلق

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْمَا یَرْوِیْ عَنِ اللّٰہِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اَنَّہٗ قَالَ یَاعِبَادِیْ! اِنِّیْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰی نَفْسِیْ وَجَعَلْتُہٗ مُحَرَّمًا بَیْنَكُمْ فَلَا تَظَالَمُوْا۔ یَاعِبَادِیْ! كُلُّكُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ هَدَیْتُہٗ فَاسْتَهْدُوْنِیْ اَهْدِكُمْ۔ یَاعِبَادِیْ! كُلُّكُمْ جَائِعٌ اِلَّا مَنْ اَطْعَمْتُہٗ فَاسْتَطْعِمُوْنِیْ اُطْعِمْكُمْ، یَاعِبَادِیْ! كُلُّكُمْ عَارٍ اِلَّا مَنْ كَسَوْتُہٗ فَاسْتَكْسُوْنِیْ اَكْسُكُمْ۔ یَاعِبَادِیْ اِنَّكُمْ تُخْطِئُوْنَ بِاللَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَاَنَا اَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا فَاسْتَغْفِرُوْنِیْ اَغْفِرْلَكُمْ۔ یَاعِبَادِیْ! اِنَّكُمْ لَنْ تَبْلُغُوْا ضُرِّیْ فَتَضُرُّوْنِیْ وَلَنْ تَبْلُغُوْا نَفْعِیْ فَتَنْفَعُوْنِیْ یَاعِبَادِیْ! لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰی اَتْقٰی قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِنْكُمْ مَازَادَ ذٰلِكَ فِیْ مُلْكِیْ شَیْئًا ۔ یَا عِبَادِیْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰی اَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْكُمْ مَانَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُلْكِیْ شَیْئًا۔ یَاعِبَادِیْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ قَامُوْا فِیْ صَعِیْدٍ وَّاحِدٍ فَسَاَلُوْنِیْ فَاَعْطَیْتُ كُلَّ اِنْسَانٍ مَسْاَلَتَہٗ مَانَقَصَ ذٰلِكَ مِمَّا عِنْدِیْ اِلَّا كَمَا یَنْقُصُ الْمِخْیَطُ اِذَا اُدْخِلَ الْبَحْرَ۔ یَاعِبَادِیْ! اِنَّمَا هِیَ اَعْمَالُكُمْ اُحْصِیْهَا لَكُمْ ثُمَّ اُوَفِّیْكُمْ اِیَّاهَا فَمَنْ وَجَدَ خَیْرًا فَلْیَحْمَدِ اللّٰہَ وَمَنْ وَجَدَ غَیْرَ ذٰلِكَ فَلَایَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَہٗ۔ (صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الظلم)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

''اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کرلیا ہے اور تمھارے باہمی معاملات میں بھی اسے حرام کردیا ہے۔ پس تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اے میرے بندو! تم سب گم کردہ راہ ہو، بجز ان کے جنھیں میں ہدایت دوں۔ پس تم مجھ سے ہدایت چاہو، میں تمھیں ہدایت دوں گا۔ اے میرے بندو! تم میں سے ہر شخص بھوکا ہے، بجز ان کے جن کو میں کھانے کو دوں، پس تم مجھ سے کھانے کے لیے مانگو میں تمھیں کھانے کو دوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب ننگے ہو، بجز ان کے جنھیں میں پہننے کو دوں۔ تم مجھ سے پہننے کے لیے مانگو، میں تمھیں پہننے کو دوں گا۔ اے میرے بندو! تم رات دن خطائیں کرتے رہتے ہو اور میں سب خطاؤں کا معاف کر دینے والا ہوں۔ پس تم مجھ سے مغفرت چاہو، میں تمھیں بخشش دوں گا۔ اے میرے بندو! تم مجھے (کسی طرح) نقصان نہیں پہنچا سکتے کہ (نافرمانی کر کے) مجھے نقصان پہنچا دو گے اور نہ تم مجھے نفع پہنچا سکتے ہو کہ (اطاعت کر کے) مجھے نفع پہنچا دو گے۔ اے میرے بندو! اگر تم میں سے سب اگلے پچھلے لوگ اور تمام انسان و جن سب کے سب اتنے متقی ہو جائیں جتنا سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا کسی انسان کا دل ہوتا ہے تو اس سے میرے اقتدار میں کوئی اضافہ نہ ہوگا۔ اے میرے بندو! اگر تم میں سے سب اگلے پچھلے لوگ اور تمام انسان و جن سب کے سب اتنے ناخدا ترس ہو جائیں جتنا کسی انسان کا سب سے زیادہ ناخدا ترس دل ہوتا ہے، تو اس سے میرے اقتدار میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ اے میرے بندو! اگر تم میں سے سب اگلے پچھلے لوگ اور تمام انسان و جن کسی ایک مقام پر کھڑے ہو کر (بہ یک وقت) مجھ سے مانگیں اور میں ہر ایک کا سوال پورا کر دوں تو اس سے میرے خزانوں میں کمی واقع نہ ہوگی۔ ہاں مگر جیسے کوئی سوئی کے ڈالنے سے سمندر میں کمی واقع ہو سکتی ہے۔ اے میرے بندو! یہ تمھارے اعمال ہی ہیں جنھیں تمھارے لیے گن گن کر اور جمع کر کر کے رکھتا ہوں، پھر ایک دن آئے گا جب یہ اعمال پورے کے پورے تمھیں چکا دوں گا۔ تو جس کے سامنے اچھا نتیجہ آئے، اسے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور جو کسی اور انجام سے دوچار ہوا سے اپنے آپ کو ملامت کرنی چاہیے۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس حدیث میں فرمانے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے، اسے حدیثِ قدسی کہتے ہیں، یہ حدیث بھی حدیثِ قدسی ہے۔

''اے میرے بندو!'' کے الفاظ سے اللہ نے بندوں سے اپنی مخاطبت کا آغاز فرمایا ہے اور بار بار انہی الفاظ کو ہر بات کی ابتدا میں دہرایا ہے۔

کتنے رسیلے اور کتنے شیریں ہیں یہ الفاظ۔ ان الفاظ سے اس حقیقت پر تو روشنی پڑتی ہی ہے کہ اللہ سے انسان کا بنیادی تعلق عبدیت ہی کا ہے اور یہ اس کا بلند ترین مقام ہے۔ لیکن اس سے زیادہ اس طرزِ خطاب سے اللہ کی غایت درجہ رحمت و شفقت ٹپکتی ہے اور بندوں سے اس کے انتہائی قرب کا اظہار ہوتا ہے۔

انسان کے پاس ذاتی حیثیت سے جہل کے سوا کچھ نہیں ہے۔ وہ درحقیقت گم کردہ راہ ہستی ہے۔ اِلاَّ یہ کہ اللہ اس کی دست گیری کرے۔ اس کے پاس عرفانِ حقیقت کا کوئی ذریعہ نہیں، نہ اس کے لیے کسی طرح ممکن ہے کہ اپنے طور سے زندگی گزارنے کا صحیح طریق جان سکے۔ وہ طریق جس سے انسانی زندگی حق اور عدل کی بنیاد پر استوار ہو سکے اور جس سے اللہ کی رضا اور آخرت کی کامرانی حاصل ہو سکے۔

- ہدایت، اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ مگر اس کے دینے کے کچھ تقاضے ہیں۔ اس کا ایک قانون ہے اور وہ یہ ہے کہ ہدایت اسی کو ملتی ہے جو اللہ سے ہدایت کا طلب گار ہوتا ہے۔
- انسان کے پاس اپنی بھوک کے رفع کرنے اور اپنا تن ڈھانکنے کے لیے کوئی چیز نہیں ہے۔ زمین پر جو کچھ پیدا ہوتا ہے اللہ کا ہے اور اس کے اذن سے پیدا ہوتا ہے، پروان چڑھتا اور انسان کے لیے کارآمد بنتا ہے۔ انسان جن جسمانی یا ذہنی صلاحیتوں سے کام لے کر کسبِ رزق کرتا ہے وہ اللہ ہی کی بخشی ہوئی ہیں۔ نیز انسانی کوششیں اسی کے قائم کردہ نظامِ قدرت کے تحت اسی کے اذن سے بار آور یا ناکام ہوتی ہیں۔
- دنیا کے فرماں روا جن کا اقتدار مصنوعی، سطحی اور معمولی ہوتا ہے، اپنے باغیوں اور نافرمانوں کو جو دانستہ نافرمانی و بغاوت کا ارتکاب کرتے ہوں اور مسلسل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے رہتے ہوں، بھی معاف نہیں کرتے، لیکن اللہ تعالیٰ فرماں روائے کل، قادر علی الاطلاق اور حقیقی مقتدر اعلیٰ ہونے کے باوجود ایسا نہیں ہے۔ وہ عادل ہے اور اس کے عدل کا تقاضا ہے کہ ہر ایک کو اس کے کیے کا بدل دے۔ مگر وہ رحیم و شفیق بھی ہے اور یہ اس کی رحمت و شفقت ہی کا نتیجہ ہے کہ وہ بروں کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ بلکہ موت کے وقت تک انھیں مہلت دیتا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ وہ موت سے پہلے ہر طرح کے جرم اور بڑی سے بڑی بغاوت کو معاف کرنے کے لیے تیار رہتا ہے، بشرطیکہ اس کا مرتکب اس پر نادم و پشیمان ہو اور اس سے باز رہنے کا عہد کر رہا ہو۔ جوں ہی انسان توبہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی آغوشِ رحمت اس کے لیے وا ہو جاتی ہے اور وہ پوری فراخ دلی کے ساتھ جرائم کو یک لخت معاف کر دیتا ہے اور ان پر ہمیشہ کے لیے پردہ ڈال دیتا ہے (مغفرت کے اصلی معنی ہیں پردہ ڈالنا) اتنا ہی نہیں بلکہ توبہ کرنے کے لیے لوگوں کو مسلسل ابھارتا ہے۔ انبیائے کرام کی بعثت اور کتبِ سماوی کا نزول درحقیقت اسی لیے ہے۔ کتنا رحیم و شفیق ہے وہ آقا اور کتنے بدبخت ہیں وہ لوگ جو اس کے باوجود اپنی غلط روی سے باز نہ آئیں اور اس کی رحمت و شفقت کا مستحق بننے کے بجائے موردِ عذاب بننے پر اصرار کریں۔

- اللہ نفع و نقصان سے بالاتر ہے۔ اس لیے اس کی نافرمانی کرنے سے اس کا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ نقصان سراسر انسان ہی کا ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ کی بندگی میں اللہ کا کوئی فائدہ نہیں۔ فائدہ تمام تر انسان ہی کا ہے۔
- اللہ کا اقتدار کسی کے تسلیم کرنے یا قائم کرنے سے نہیں، آپ اپنے بل پر قائم ہے اور پوری کائنات اور خود انسان پر قائم ہے اور اس طرح قائم ہے کہ کوئی اس اقتدار کو نہ الٹ سکتا ہے اور نہ اس کی گرفت سے نکل سکتا ہے۔ انسان کا ارادہ و اختیار بھی جس کے ذریعے انسان اللہ کی اطاعت یا بغاوت کا رویہ اختیار کرتا ہے، انسان کا اپنا پیدا کردہ نہیں، اللہ کا بخشا ہوا ہے۔ یہ اختیار کائنات میں اللہ کے کلی اقتدار کے منافی و ضد نہیں بلکہ اس کے تحت ہے۔ اللہ نے اپنے عجز کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنا پر نہیں بلکہ اپنی قدرت کی بنیاد پر انسان کو اختیار اور موقع دیا ہے کہ اللہ کے نافذ کردہ طبعی قوانین کے تحت رہ کر وہ خواہ اللہ کی اطاعت کرے یا اس کا نافرمان بن کر رہے، ان دونوں صورتوں میں سے خواہ کوئی صورت ہو بہر حال انسان اللہ کے اقتدار کے تحت ہی ہوگا، نہ اس سے بالاتر اور نہ اس میں اضافہ یا کمی کرنے والا۔

- اللہ کے خزانے بے نہایت ہیں، کیوں کہ وہ کسی محدود سرچشمے سے فراہم کردہ نہیں، بلکہ اللہ کے پیدا کردہ ہیں۔ چونکہ اللہ کی قوتِ تخلیق کی کوئی حد نہیں اس لیے ان خزانوں کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ انسان اللہ سے سب کچھ مانگ سکتا ہے اور اللہ انسان کو سب کچھ دے سکتا ہے۔ اس کے یہاں نہ کسی چیز کی کمی ہے نہ کمی ہونے کا کوئی امکان ہے۔ اس لیے اس کی رضا حاصل کر کے انسان دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں پا سکتا ہے اور اس پر اعتماد کر کے کبھی ناکام و نامراد نہیں ہو سکتا۔
- سوئی سمندر میں ڈال کر نکال لی جائے، اس صورت میں سوئی کچھ نم دار ضرور ہو جائے گی مگر کیا اس سے سمندر کے بے پناہ اور بے انتہا پانی میں کوئی کمی واقع ہوگی؟ ریاضی کی زبان میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہاں۔ مگر اس کا تناسب ہم شاید بیان بھی نہ کر سکیں۔ لیکن محاورے کی زبان میں ہم کہیں گے کہ نہیں۔ قرآن و حدیث میں محاورے کی زبان اختیار کی گئی ہے نہ کہ ریاضی کی۔ اس لیے یہاں کہنا یہی ہے کہ تمام انسانوں کی ساری مرادیں بہ یک وقت پوری کرنے کے بعد بھی اللہ کے خزانوں میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔
- اللہ کی نظر سے انسان کا کوئی عمل اور جھل نہیں کہ انسان کی کوئی نیکی یا بدی اس سے چھپ سکے۔ اللہ نسیان و غفلت سے پاک و منزہ ہے۔ اس کے ساتھ وہ منصف و عادل بھی ہے اس لیے وہ ہر انسان کی زندگی کا پورا اور صحیح ریکارڈ رکھتا ہے کہ اس کے بغیر انصاف کے تقاضے پورے نہیں کیے جا سکتے، کاش یہ حقیقت ہمیں ہر وقت یاد رہتی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❁ آخرت کی جزا وسزا علیحدہ سے کوئی شے نہیں ہے۔ وہ انسان کے اعمال ہی ہیں، جو وہ زندگی بھر کرتا رہتا ہے۔ وہی اعمال اپنے اچھے اور برے اثرات وخواص کے ساتھ اسے آخرت میں مل جائیں گے۔ یہ اس کی اپنی بوئی ہوئی کھیتی ہے، جس کی شیریں یا کڑوی کسیلی فصل وہ مرنے کے بعد کاٹے گا۔ تم اگر آگ میں ہاتھ ڈالتے ہو اور جان بوجھ کر ڈالتے ہو اور آگ تمھارا ہاتھ جلاتی ہے، تو اس میں قصور نہ آگ کا ہے، نہ اس قانون طبعی کا جس کے تحت آگ جلاتی ہے اور نہ اللہ کا جس کے اذن سے آگ جلاتی ہے۔ بلکہ خود تمھارا ہے کہ تم نے ہاتھ ڈالنے کے لیے پانی کی بجائے آگ کو منتخب کیا، بالکل یہی حال نیکی و بدی کا ہے۔ نیکی میں اچھے اثرات اللہ ہی نے رکھے ہیں اور آخرت میں نیکی کے بہتر ثمرات اسی کے اذن سے ظاہر ہوں گے۔ اس کے برعکس بدی کے اندوہناک نتائج اللہ ہی کے پیدا کردہ ہیں اور اسی کے حکم وعلم سے یہ نتائج بندوں کے سامنے آئیں گے۔ لیکن جس طرح آگ میں ہاتھ ڈالنے کے بعد اس کے جلانے کے سلسلے میں اللہ سے شکوہ کرنا یا اس نتیجے کو اللہ کی بے رحمی سے تعبیر کرنا غلط ہے، اسی طرح بدی کے برے نتائج کے سلسلے میں نہ اللہ سے کوئی شکوہ کیا جا سکتا ہے اور نہ اسے اس کی رحمت کے خلاف کہا جا سکتا ہے۔

اس دنیا میں ہر عمل اپنا نتیجہ اور اپنا اثر رکھتا ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ کسی چیز کا نتیجہ کم مدت میں برآمد ہوتا ہے اور کسی کا زیادہ مدت میں۔ اسی دنیا میں بہت سے نتائج ایسے ہیں جو کسی واقعہ کے فوراً بعد ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے سے بھی قبل ظاہر ہو جاتے ہیں اور بہت سے نتائج ایسے ہیں جن کے ظہور کے لیے لاکھوں کروڑوں سال درکار ہوتے ہیں، سطح بین نظریں ان نتائج کا انکار کر دیتی ہیں۔ لیکن ان کے انکار سے حقیقت تو بدل نہیں جاتی۔ بالکل یہی حال انسان کے اعمال کا ہے۔ ان کے طبعی نتائج تو جلد یا بدیر دنیا ہی میں ظاہر ہو جاتے ہیں، لیکن ان کے اخلاقی نتائج دنیا کے خاتمے کے بعد ظاہر ہوں گے اور ہماری عقل بھی کہتی ہے کہ یہ نتائج ضرور سامنے آنے چاہئیں۔ لیکن نتائج چونکہ اس زندگی میں انسان کے سامنے نہیں آتے، اس لیے انسان ان کا انکار کر بیٹھتا ہے یا ان کو عملاً فراموش کر دیتا ہے اور یہ انسان کی نادانی ہے.....!

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❁ آخرت میں جس کا انجام بخیر ہو، اسے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ نے اس سلسلے پر عدل وانصاف کے تقاضے ہی پورے نہیں کیے، بلکہ اس پر اپنی رحمت وشفقت کی مسلسل بارش بھی کی۔ موت تک اس کو سنبھلنے کی مہلت دی۔ حالانکہ اس سے قبل وہ مواخذہ کرسکتا تھا۔ توبہ کرنے پر اس کے تمام جرائم کو اس کے نامۂ اعمال سے محو کردیا۔ حالانکہ عدل کے خلاف یہ بھی نہ تھا کہ وہ ان پر گرفت کرتا۔ توبہ کرنے پر تو اسے مسلسل اکسایا اور اس غرض کی تکمیل کے لیے انبیا ورسل کا عظیم الشان سلسلہ جاری کیا اور ان پر اور ان کے پیروکاروں پر یہ فرض عائد کیا کہ لوگوں کو توبہ کرنے اور اللہ کی رحمت وکرم کا مستحق بننے پر مسلسل ابھارتے رہیں۔ ان سب نعمتوں کا جب انسان تصور کرتا ہے تو اس کا رونگٹا رونگٹا اللہ کا شکر ادا کرنے لگتا ہے۔ اسے یقین ہوجاتا ہے کہ جو بھلائی بھی اس سے صادر ہوئی، اس میں اللہ کے رحم وکرم کا بڑا دخل تھا۔ اللہ کے عذاب سے جو وہ بچ سکا تو یہ اسی کی رحمت وعنایت تھی اور ہر نیکی کے بدلے جو اسے دس گنا سے لے کر بے شمار گنے تک اجر ملا تو یہ اس منعمِ حقیقی کا سرتاسر احسان تھا۔

❁ آخرت میں انجامِ بد سے دوچار ہونے والا اپنے سوا آخر اور کسے ملامت کرسکتا ہے؟ اس نے اپنے اوپر خود ہی تو ظلم کیا۔ اس نے دیدہ ودانستہ وہ طرزِ زندگی اختیار کیا، جس کا انجام عذابِ الٰہی کے سوا اور کچھ نہ ہوسکتا تھا۔ اللہ نے اسے توبہ کرنے کے لیے عمر بھر کی مہلت دی۔ مگر اس نے اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ اللہ نے اسے مسلسل ترغیب دی کہ وہ بغاوت سے توبہ کرکے وفاداری کی روش اختیار کرلے تو اس کی گزشتہ نافرمانیاں حرفِ غلط کی طرح محو کردی جائیں گی۔ مگر وہ بغاوت پر اصرار کرتا رہا۔ اللہ نے سمجھانے اور راہِ راست پر لانے کے لیے انبیائے کرام بھیجے۔ کتابیں نازل کیں اور اپنے نیک بندوں کو مامور کیا۔ مگر اس نے اپنے کان بہرے کرلیے۔ اللہ نے اس پر اپنے فضل وکرم کی بارش کرنا چاہی مگر اس نے اس کی رحمت وشفقت کو بے محابا ٹھکرا دیا۔ ایسے شخص کا انجام عذاب کے سوا اور کیا ہوسکتا تھا اور اس انجام کی ذمہ داری اس کے سوا اور کس پر ہوسکتی ہے؟

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین نصیحتیں

عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ عِظْنِیْ وَاَوْجِزْ فَقَالَ اِذَا قُمْتَ فِیْ صَلٰوتِكَ فَصَلِّ صَلٰوةَ مُوَدِّعٍ وَلَا تُكَلِّمْ بِكَلَامٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ غَدًا وَاَجْمِعِ الْاِیَاسَ مِمَّا اَیْدِی النَّاسِ ..... (مسند امام أحمد)

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی نصیحت فرمایئے۔ لیکن نصیحت مختصر ہو (تاکہ یاد رکھنے میں آسانی ہو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دیکھو! ایک تو یہ بات یاد رکھو کہ جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو اس شخص کی طرح نماز پڑھو جو سب سے رخصت ہونے والا ہو، دوسرے یہ احتیاط رکھو کہ ایسی کوئی بات زبان سے نہ نکالو جس کی کل کو تمھیں معذرت کرنا پڑے۔ تیسری یہ یاد رکھو کہ جو چیز تمھیں لوگوں کے ہاتھ میں نظر آتی ہے اُس سے اپنے آپ کو مایوس کرلو۔

ان چند الفاظ میں تین اہم نصیحتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

- سب سے پہلے نماز پر زور دیا اور فرمایا کہ جب تم نماز کی نیت باندھ کر کھڑے ہو جاؤ تو اپنے خیالات یک جا کرلو۔ نماز میں اللہ کی خشیت اور اس کے خوف کے سوا دوسرا کوئی خیال تمھارے دل میں نہیں آنا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ نماز میں کھڑے ہیں لیکن دنیا بھر کے خیالات میں منہمک ہیں۔ خیالات کا ایک ہنگامہ ہے، کوئی بات دل میں آتی ہے اور کوئی جاتی ہے۔ دل کو کسی بات پر سکون اور ٹھہراؤ نہیں۔ یوں تو قیام، رکوع، سجود، قعدہ، وغیرہ سب ارکان ادا ہو رہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں اور ان میں کچھ پڑھا بھی جا رہا ہے..... لیکن کس طرح ادا ہو رہے ہیں اور کیا کچھ پڑھا جا رہا ہے اور اس کا کیا مطلب ہے؟..... اس کا کچھ پتا نہیں..... ! یاد رکھیے! یہ نماز خشوع سے خالی ہے۔

اسلام میں نماز کا درجہ نہایت بلند ہے اور اس کے تمام ارکان کو حسن و خوب صورتی سے ادا کرنے کے متعلق شریعت نے بے حد زور دیا ہے۔

نماز اس طرح پڑھو کہ تمام امور سے الگ ہو کر اپنے تمام خیالات کا رشتہ اللہ تعالیٰ کی یاد کے ساتھ جوڑ لو اور یوں اپنے آپ کو اللہ کے حضور پیش کر دو کہ یہ تمھاری زندگی کی آخری نماز ہے۔ اس نماز کے بعد تم اس دنیا کو الوداع کہہ دو گے اور سب سے رخصت ہو جاؤ گے۔ فَصَلِّ صَلٰوةَ مُوَدِّعٍ (یعنی اس شخص کی سی نماز پڑھو جو سب کو الوداع کہنے والا اور سب سے رخصت ہونے والا ہے) کتنے جامع اور پُر معنی الفاظ ہیں۔

❁ دوسری بات یہ فرمائی کہ کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکالو جس کی بنا پر کل کو کسی کے سامنے معذرت خواہ ہونا پڑے۔

مطلب یہ کہ کم بولو اور بولو تو سچ بولو اور بولنے سے پہلے بات کو خوب تول لو اور اس کے حسن و قبح کے تمام پہلوؤں کا اچھی طرح جائزہ لے لو۔ یہ نہ ہو کہ جو منھ میں آیا کہتے چلے گئے اور یہ سوچنے کی ضرورت ہی نہ سمجھی کہ جو کچھ زبان سے نکل رہا ہے وہ صحیح ہے یا غلط۔ اس میں کوئی ایسی بات تو نہیں جس کے متعلق بعد کو معذرت کرنا پڑے۔

حدیث کے لفظ تَعْتَذِرُ مِنْهُ غَدًا کا مفہوم عام ہے، اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکالو جس کے متعلق بعد کو کسی انسان سے معذرت کرنا پڑے..... اور یہ بھی ہے کہ کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکالو جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو اور اس کے بارے میں تم سے باز پرس کی جائے اور پھر تمھیں اس غلط بات کی وجہ سے اللہ کے حضور نادم ہونا پڑے۔

❁ تیسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ اپنی تمام امیدوں کا مرجع اور ہر قسم کی تمناؤں اور خواہشوں کا مرکز صرف اللہ تعالیٰ کو قرار دے لو۔ لوگوں کے ہاتھ کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرف مت دیکھو اور اللہ کے سوا کسی سے یہ ہرگز توقع نہ رکھو کہ وہ تمھیں کوئی فائدہ یا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور وہ سب کی امیدوں کا برلانے والا ہے۔

وَاَجْمِعِ الْاِیَاسَ مِمَّا فِیْ اَیْدِی النَّاسِ (کہ لوگوں کے ہاتھ میں جو کچھ نظر آتا ہے اس سے اپنے آپ کو بالکل الگ کرلو) کیسے خوب صورت الفاظ ہیں۔

اگر یہ تینوں چیزیں یعنی:

۱۔ اچھی طرح نماز ادا کرنا

۲۔ سوچ سمجھ کر بولنا

۳۔ اپنی تمام امیدوں کا مرکز صرف اللہ کی ذات کو قرار دینا

کسی شخص میں جمع ہو جائیں تو وہ انتہائی خوش قسمت ہے اور یوں سمجھیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دامن کو تمام احسانات سے بھر دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو جو یہ نصیحتیں فرمائی ہیں وہ اگرچہ مختصر ہیں مگر نہایت جامع ہیں۔ الفاظ کم ہیں لیکن معانی و مطالب کا ذخیرہ وسیع ہے۔ آپ ﷺ نے چند الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مطالب کو سمو دیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ ﷺ کی انیس نصیحتیں

رسول اللہ ﷺ کے ارشادات گرامی ''جوامع الکلم'' کی حیثیت رکھتے ہیں اور لسان نبوت سے جو جملہ ادا ہو گیا، اس میں صداقت وحقانیت کا ایک دریا موج زن ہے۔ ذرہ تدبر وتفکر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کلام رسالت میں بے پناہ جامعیت پنہاں ہے اور پند ونصائح کا ایک ایسا مرتب وخوب صورت نظام ہے اور اس میں صدق وصفا کی ایسی ہمہ گیری مضمر ہے کہ جو صرف مطلع نبوت ہی سے جلوہ گر ہو سکتی ہے۔

ذیل میں ایک حدیث ملاحظہ فرمایئے، سنن نسائی، کے سوا صحاح کی تمام کتابوں میں موجود ہے..... اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے انیس باتیں بطور نصیحت بیان فرمائی ہیں۔ ایک ایک بات لاتعداد صداقتوں اور حقانیتوں کو اپنے دامن سے وابستہ کیے ہوئے ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

١) اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ ٢) وَلَاتَحَسَّسُوْا
٣) وَلَاتَجَسَّسُوْا ٤) وَلَاتَنَافَسُوْا ٥) وَلَاتَحَاسَدُوْا
٦) وَلَاتَبَاغَضُوْا ٧) وَلَاتَدَابَرُوْا
وَكُوْنُوْا عِبَادَاللّٰهِ اِخْوَانًا كَمَا اَمَرَكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى (مسلم)
٩) اَلْمُسْلِمُ اَخُوالْمُسْلِمِ ١٠) لَايَظْلِمُهٗ ١١) وَلَايَخْذُلُهٗ
١٢) وَلَايَحْقِرُهٗ ١٣) بِحَسْبِ امْرِءٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ يَّحْقِرَ اَخَاالْمُسْلِمِ۔
١٤) كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ مَالُهٗ وَدَمُهٗ وَعِرْضُهٗ
١٥) اِنَّ اللّٰهَ لَايَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَاَجْسَادِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ
١٦) اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا وَيُشِيْرُ اِلٰى صَدْرِهٖ۔
١٧) اَلَا لَايَبِيْعُ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔
١٨) وَكُوْنُوْا عِبَادَاللّٰهِ اِخْوَانًا (مسلم)
١٩) وَلَايَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَّهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ (مسلم)

اس حدیث کے ہر جملے پر قارئین محترم کی آسانی کے لیے ہم نے نمبر لگا دیے ہیں۔ اب اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترتیب سے ذیل میں اس کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے۔

۱۔ خبردار! بدگمانی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھو۔ بدگمانی بالکل جھوٹی بات ہے۔

۲۔ لوگوں کی عیب جوئی نہ کرتے پھرو۔

۳۔ کسی کا تجسس نہ کرو۔

۴۔ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لیے جھگڑا نہ کرو۔

۵۔ آپس میں حسد نہ کرو۔

۶۔ ایک دوسرے کے خلاف (دلوں میں) بغض نہ رکھو۔

۷۔ پس پشت کسی کی برائی نہ کرو۔

۸۔ اے اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو، جیسا کہ تم کو اللہ کا حکم ہے۔

۹۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔

۱۰۔ بھائی بھائی پر ظلم نہ کرے۔

۱۱۔ نہ اُسے بے عزت کرے۔

۱۲۔ نہ اسے حقیر اور کمزور جانے۔

۱۳۔ انسان کے لیے یہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔

۱۴۔ مسلمان کا مال، خون، اور عزت دوسرے مسلمان پر بالکل حرام ہے۔

(یعنی نہ کوئی مسلمان کسی مسلمان کا مال چھینے نہ اُس کو قتل کرے اور نہ بے عزت کرے)

۱۵۔ اللہ تعالیٰ تمھاری شکلوں اور جسموں کو نہیں دیکھتا..... وہ تمھارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔

۱۶۔ دل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا..... تقویٰ یہاں ہے۔ تقویٰ یہاں ہے۔

۱۷۔ خبردار ایک کی خرید پر دوسرا شخص خریدار نہ بنے۔

۱۸۔ اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو۔

۱۹۔ مسلمان کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑ دے۔

(یعنی تین دن سے زیادہ اس کے ساتھ کسی رنج یا غصے کی وجہ سے بول چال بند کر دے)

اندازہ کیجیے!

اس حدیث کا مفہوم کتنا وسیع ہے۔ اس میں ہر طبقے کے لوگوں کے لیے پند و موعظت کا ایک وسیع ذخیرہ پایا جاتا ہے اور ایک ایک جملے میں وسعت و جامعیت کی ایک دنیا سمٹی ہوئی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمسائے اور ان کے حقوق

عَنْ اَبِیْ شُرَیْحٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ وَاللّٰہِ لَایُؤْمِنُ، وَاللّٰہِ لَایُؤْمِنُ، وَاللّٰہِ لَایُؤْمِنُ قِیْلَ وَمَنْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ.....؟
قَالَ الَّذِیْ لَایَأْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ۔

(صحیح بخاری۔ کتاب الادب باب اثم من لایامن جارہ بوائقہ)

ترجمہ: ابوشریح رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
خدا کی قسم نہیں ایمان دار ہوتا، خدا کی قسم نہیں ایمان دار ہوتا، خدا کی قسم نہیں ایمان دار ہوتا۔ عرض کیا گیا: کون اے اللہ کے نبی ﷺ.....؟
فرمایا: وہ شخص جس کی شرارتوں سے اس کا ہمسایہ محفوظ نہیں۔

یہ حدیث نبی ﷺ کے مشہور صحابی ابوشریح سے مروی ہے جو قبیلہ بنوخزاعہ کی شاخ بنوعدی سے تعلق رکھتے تھے اور اسی وجہ سے ابوشریح خزاعی عدوی کہلاتے تھے۔

اس نہایت مختصر حدیث میں ایک ایسی بات بیان فرمائی گئی ہے، جس کا تعلق ہمارے معاشرتی معاملے سے ہے اور وہ معاملہ ہے، ہمسائے سے میل جول اور مراسم کا۔ آنحضرت ﷺ نے تین مرتبہ زور دے کر فرمایا کہ ایسا شخص ایمان دار نہیں ہوسکتا جس کی شرارتوں سے اس کا ہمسایہ محفوظ نہیں۔

ہمسائے کے بارے میں نبی ﷺ کے بہت سے فرامین حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں، جن میں آپ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ ہمسائے کی عزت کی جائے، اس کا احترام کیا جائے اور اس کی ضرورتوں کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ جو شخص اس کا خیال نہیں رکھتا اور ہمسائے کو تکلیف پہنچاتا ہے، اسے اپنے ایمان کو ٹٹولنا چاہیے۔ اس کا ایمان تکمیل کو نہیں پہنچا۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمسایہ کون ہے اور اس کا اطلاق کن لوگوں پر ہوتا ہے؟ ہمسائے کی تعریف بہت وسیع ہے اور اس کی حدود دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ ہم عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ ہمسایہ اس کو کہا جاتا ہے، جس کا مکان قریب ہو۔ بے شک وہ ہمسایہ ہے، لیکن ہمسائیگی صرف اسی پر ختم نہیں ہوجاتی، آگے بھی چلتی ہے، گلی اور محلے میں رہنے والے تمام لوگ ہمسائے کہلائیں گے۔ پھر اس کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ والوں کو ہمسائے کہا جائے گا۔ اگر آپ گاؤں میں رہتے ہیں تو اردگرد کے دیہات کے باشندے آپ کے ہمسائے ہوں گے۔ شہر میں سکونت پذیر ہیں تو اس شہر اور ضلعے کے لوگوں کو آپ کے ہمسائے کی حیثیت حاصل ہوگی، جن کی حدیں آپ کے شہر اور ضلعے سے متصل ہیں۔ اسی طرح ایک صوبہ دوسرے صوبے کا ہمسایہ ہوگا۔ پھر اس ملک کو ہمسائیگی کا درجہ دیا جائے گا جو آپ کے ملک کے قریب تر ہے اور جس کی سرحدیں آپ کے ملک سے ملی ہوئی ہیں۔ ہر ملک کے لوگوں بالخصوص سیاست دانوں اور حکمرانوں سے آپ سنتے ہیں کہ فلاں ملک ہمارا قریبی ہمسایہ ہے اور ہم اس سے بہتر تعلقات قائم کرنے اور قائم رکھنے کے خواہاں ہیں۔

اب اس مسئلے پر غور کیجیے کہ کیا اس دور کے لوگ ہمساؤں کے حقوق ادا کرتے ہیں؟ اور ایک دوسرے کو کوئی تکلیف پہنچانے اور اذیت میں مبتلا کرنے سے اپنے ہاتھ یا زبان کو محفوظ رکھتے ہیں؟ جہاں تک واقعات کا تعلق ہے، جواب نفی میں ملے گا، ہم آنکھوں سے دیکھتے اور اخباروں میں پڑھتے ہیں کہ گلی محلے کے ہمسائے آپس میں لڑ رہے ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہیں۔ شہروں اور قصبوں میں رہنے والے باہم دشمن بنے ہوئے ہیں۔ کوئی گالی دے رہا ہے، کوئی چوری کر رہا ہے، کوئی قتل کر رہا ہے، کوئی مذاق اڑا رہا ہے اور کوئی کسی کے خلاف سازش کر رہا ہے۔

حالات اس قدر بگڑ چکے ہیں کہ مسجدوں اور عبادت گاہوں پر حملے کیے جاتے ہیں اور نمازیوں اور عبادت گزاروں کو قتل کیا جاتا ہے۔ مسافروں کو لوٹا جاتا ہے اور ریلوں اور بسوں میں بموں کے دھماکے کیے جا رہے ہیں۔ دکانوں اور گھروں میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ اغوا کی وارداتیں عام ہوگئی ہیں۔ ہر طرف لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے۔ کچہریوں اور عدالتوں میں گولیاں چل جاتی ہیں۔ نہ کوئی ہمسایہ محفوظ ہے اور نہ کوئی بڑا خطرے سے باہر ہے، نہ کوئی چھوٹا۔ اور کچھ نہیں تو الزام تراشی اور طعنہ زنی تو کہیں نہیں گئی۔ اس کے باوجود ہم مسلمان اور مومن ہیں، حالاں کہ سلامتی اور امن نام کی کوئی شے ہم میں دور دور تک نظر نہیں آتی۔ چاروں طرف بدامنی پھیلی ہوئی ہے اور سلامتی کی راہیں خطرات سے بھر گئی ہیں۔ ہم یہ بھول چکے ہیں کہ اسلام، سلامتی کی طرف بلاتا اور ایمان، امن کی دعوت دیتا ہے۔

یہ صورت حال صرف عوام تک محدود نہیں، خواص بھی، کچھ فرق کے ساتھ اسی دھندے میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے خلاف اخباروں میں بیان دیتے ہیں اور جلسوں میں تقریریں کرتے ہیں اور اپنی اپنی جماعتوں اور دھڑوں سے تعلق رکھنے والوں کو دوسروں کے خلاف بھڑکانے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی سعی کرتے اور دوسرے پر ایسے ایسے الزام دھرتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ یہ سب کچھ کر لینے کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ فلاں ہمارا دوست ہے اور اس سے ہمارے ذاتی اور خاندانی تعلقات ہیں۔ یعنی دوستوں اور ہمساؤں کو آڑے ہاتھوں لیا جاتا ہے اور بسا اوقات ایسی باتیں ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، جن کا حقیقت اور صداقت سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔

اسمبلیوں میں بیٹھے ہوئے یہ معزز ہمسائے ایک دوسرے کو جس انداز سے خطاب کرتے اور جو زبان استعمال کرتے ہیں وہ روزانہ اخباروں کے ذریعے ہمارے مطالعے میں آتی ہے۔ پھر دھڑلے سے کہا جاتا ہے کہ ہم لوگ سچائی کے مبلغ، اسلام کے داعی اور مسلمانوں کے نمائندے ہیں۔

یہاں یہ یاد رہے کہ نبی ﷺ نے ہمسائے کے احترام کے لیے کسی خاص مذہب کی شرط عائد نہیں کی، ہمسایہ کوئی بھی ہو، مسلمان ہو یا غیر مسلم، اس کی تکریم کرنی چاہیے۔ اسے نہ ذہنی وفکری تکلیف پہنچانی چاہیے اور نہ مالی و بدنی.....!

اپنے ملک کے ساتھ جس ملک کی سرحدیں ملی ہوئی ہیں؛ وہ بھی ہمسایہ کہلاتا ہے، اس کے ساتھ بھی بہتر تعلقات قائم رکھنے کی کوشش کرنے اور آپس میں احترام کے جذبات سے پیش آنے کے لیے ساعی ہونا ضروری ہے۔ سائنس کی ترقی اور حالات کی رفتار نے پوری دنیا کو ایک محلے کی شکل دے دی ہے۔ کہیں کوئی واقعہ رونما ہو فوراً اس کی تفصیلات دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ جاتی ہیں اور لوگ اس کے حسن وقبح سے آگاہ ہو جاتے ہیں، پھر انھیں یہ بھی پتا چل جاتا ہے کہ اس کے نتائج کیا نکلیں گے اور لوگوں پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے۔

اس اعتبار سے ہر ملک دوسرے ملک کا ہمسایہ ہے اور اسلام کی رو سے حقوق ہمسائیگی کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ لیکن عملاً معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ کسی ہمسائے کا کوئی احترام نہیں کرتا۔ عرب ملکوں کو لیجیے، وہ ایک دوسرے کے ہمسائے ہیں اور ان کی سرحدیں باہم متصل ہیں مگر ان میں سے بعض ملکوں کے اختلاف، دشمنی کی حد تک پہنچتے ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض ملک امریکہ اور برطانیہ وغیرہ ممالک سے تو دوستی کا اظہار کرتے ہیں، لیکن ان مسلمان ملکوں سے، جن کی سرحدیں بالکل ان کے ساتھ وابستہ ہیں، شدید عداوت رکھتے ہیں۔

بہر حال حدیث رسول ﷺ کی رو سے ہمسایہ مسلمان ہو یا غیر مسلم اس کے ساتھ اچھے تعلقات استوار کرنے کے لیے کوشاں ہونا چاہیے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نبی ﷺ کے پانچ ارشادات

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ یَّاْخُذُ عَنِّیْ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ فَیَعْمَلُ بِهِنَّ اَوْیُعَلِّمُ مَنْ یَّعْمَلُ بِهِنَّ؟ قُلْتُ اَنَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَاَخَذَ بِیَدِیْ فَعَدَّ خَمْسًا فَقَالَ:

1. اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ۔
2. وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ اَغْنَى النَّاسِ۔
3. وَاَحْسِنْ اِلٰى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا۔
4. وَاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَاتُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا۔
5. وَلَا تُكْثِرِ الضِّحْكَ فَاِنَّ كَثْرَةَ الضِّحْكِ تُمِیْتُ الْقَلْبَ۔ (ترمذی)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ہم سے فرمایا: کوئی ہے جو مجھ سے یہ چند باتیں سیکھ لے، پھر خود ان پر عمل کرے یا دوسرے عمل کرنے والوں کو بتادے؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں حاضر ہوں، مجھے ارشاد فرمایئے۔ آپ ﷺ نے (کمال مہربانی سے) میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور گن کر یہ پانچ باتیں مجھے بتائیں۔ فرمایا:

۱ جو چیزیں اللہ نے حرام ٹھہرادی ہیں، ان سے بچ کر رہو، بہت بڑے عبادت گزار ہوجاؤ گے۔

۲ اللہ نے جو کچھ تمھیں دے دیا ہے، اس پر راضی رہو، بڑے بے نیاز ہوجاؤ گے۔

۳ اپنے ہمسائے کے ساتھ اچھا سلوک کرو، مومنِ کامل ہوجاؤ گے۔

۴ جو چیز اپنے لیے پسند کرتے ہو، وہی دوسروں کے لیے بھی پسند کرو، پورے پورے مسلمان ہوجاؤ گے۔

۵ زیادہ ہنسا نہ کرو، زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کردیتا ہے۔

یہ پانچ چیزیں ممکن ہے بظاہر کسی کو چھوٹی معلوم ہوتی ہوں، لیکن حقیقت میں بہت بڑی چیزیں ہیں اور ان پر عمل کرنے والا اور دوسروں کو ان پر عمل کی تلقین کرنے والا بڑا خوش بخت انسان ہے، اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے کہ ان میں ایمان کا جوہر اور اسلام کا مغز آ گیا ہے۔

○ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ شب بیدار ہیں، تہجد گزار ہیں، فرض نمازوں کے علاوہ نوافل بھی پڑھتے ہیں، نفلی روزے بھی رکھتے ہیں، اللہ کے فضل سے حاجی بھی ہیں۔ اوراد و وظائف کا بھی پورا اہتمام کرتے ہیں، لیکن ان کی آمدنی کے ذرائع مشکوک، اور کسبِ رزق کے وسائل مشتبہ ہیں۔ وہ اس بات کا خیال نہیں رکھتے کہ ان کے ہاں جو کچھ آ رہا ہے وہ کہاں سے آ رہا ہے۔ ان کی آمدنی کے ذرائع حدودِ شریعت سے متصادم اور دائرۂ حلال سے ہٹے ہوئے تو نہیں ہیں۔ اس باب میں ان کی عدم توجہی اور بے التفاتی کا یہ عالم ہے کہ جو کچھ جہاں سے حاصل ہوا رکھ لیا اور حرام و ممنوع طریقے سے جو آیا، اسے چٹ کر لیا یعنی محرمات و ممنوعات کا قطعاً کوئی خیال نہیں ہے۔ اخلاقی اور شرعی اعتبار سے ان کی زندگی کا یہ پہلو انتہائی قابلِ نفرت اور لائق مذمت ہے۔ نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق بہت بڑا عبادت گزار اور مومن و متقی وہ شخص ہے جو حرام و ممنوع اشیاء کے حصول سے دامن کشاں رہتا ہے اور ناجائز ذرائع آمدنی سے پرہیز کرتا ہے۔ اس ضمن میں نبی ﷺ کا یہ فرمان واضح ہے۔ ﴿اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ﴾

○ دوسری بات نبی ﷺ نے یہ ارشاد فرمائی کہ جو کچھ اللہ نے انسان کے لیے مقرر کر دیا ہے اور جو کچھ اسے عطا فرما دیا ہے، اس پر راضی رہے، تو سمجھ لیجیے کہ وہ بڑا مستغنی اور صاحبِ دولت ہے۔ جب اسے اپنی قسمت پر شکایت نہیں، جو اس کے لیے مقدور و مقسوم ہے، اس پر قانع ہے اور ہر حالت میں صابر اور اللہ پر شاکر ہے تو لازماً وہ اطمینان و سکون سے زندگی بسر کرے گا اور ہر قسم کے تفکرات اور رنج و افسوس سے محفوظ رہے گا۔ دوسروں کی زیادہ آمدنی دیکھ کر اپنی قسمت پر نالاں ہونا اور اپنی کم آمدنی پر غم و اندوہ کا اظہار کرنا، عقل مندوں کا کام نہیں۔ شرافت اور خردمندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ہر حال میں خوش و خرم رہے اور اللہ کا شکر بجا لائے۔ درحقیقت اسی صفت کا حامل شخص غنی ہے، اسی کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ اَغْنَى النَّاسِ۔

○ بعض لوگ بظاہر بڑے نیک اور صالح معلوم ہوتے ہیں، لیکن ہمسایوں کے ساتھ ان کا برتاؤ اچھا نہیں ہوتا۔ ہمسائے ان کے رویے سے شاکی رہتے ہیں، حالانکہ شریعت نے ہمسایوں کے حقوق ادا کرنے کی بے حد تاکید کی ہے مگر انھیں اس کا کوئی احساس نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ ان کے لیے ضروری ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آئیں اور اس عمل پر مداومت کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمسایہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، اس کی شریعت نے تخصیص نہیں کی، کسی مذہب و مسلک کا ہو اس کی تکریم ضروری ہے۔ ایمان والے وہ لوگ ہیں جو نبی ﷺ کے اس عام حکم کو ہمیشہ پیش نگاہ رکھتے ہیں:

وَاَحْسِنْ اِلٰی جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا

○ دنیا میں ایسے لوگ کثرت سے پائے جاتے ہیں جو مسلمان ہیں اور اسلام کے ظواہر پر عمل پیرا ہیں، لیکن دوسروں کے ہمدرد اور خیر خواہ نہیں ہیں۔ ان کی تمام تر ہمدردیوں اور تمناؤں کا مرکز فقط ان کی اپنی ذات ہوتی ہے۔ وہ اپنے تھوڑے اور عارضی فائدے کے لیے دوسروں کو نقصان پہنچانے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ اس عادت و عمل کے لوگ اگرچہ مسلمان ہوں، لیکن اسلام ان کے اندر راسخ نہیں ہوا ہے۔ وہ اسلام کی حلاوت سے محروم ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پورا مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے کہ جو کچھ انسان اپنے لیے پسند کرتا ہے، دوسروں کے لیے بھی کرے۔ صرف اپنی ذات کو ہر شے کا مستحق نہ گردانے اور اپنے ہی فائدے اور نقصان کو سامنے نہ رکھے بلکہ نبی ﷺ کے اس حکم کو مدارِ عمل ٹھہرائے:

اَحِبَّ لِلنَّاسِ مَاتُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُّسْلِمًا

○ پانچویں اور آخری بات یہ ارشاد فرمائی کہ زیادہ ہنسنے سے پرہیز کیا جائے۔ وقار اور سنجیدگی سے بات کی جائے۔ ہر معاملے میں ہنستے رہنا اور متانت کو نظر انداز کیے رکھنا کارِ خردمنداں نہیں ہے۔

وَلَا تُكْثِرِ الضِّحْكَ فَاِنَّ كَثْرَةَ الضِّحْكِ تُمِيْتُ الْقَلْبَ۔

غور فرمایئے! نبی ﷺ کے یہ پانچوں ارشادات کسی درجے میں بر حقیقت ہیں۔ اگر انسان ان پر عمل کرے تو ذاتی اور معاشرتی اعتبار سے بڑی بلندیوں پر پہنچ جاتا ہے، اور اس کی یہ بہت بڑی ذہنی اور اخلاقی فتح ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اس سے خوش، لوگوں کا بھی مرکزِ محبت اور وہ خود بھی مطمئن۔

ایک مرتبہ پھر ان باتوں کو ذہن میں لائیے۔

اللہ تعالیٰ کی حرام اور ممنوع قرار دی ہوئی چیزوں سے بچنا۔

جو کچھ اللہ دے رہا ہے، اس کو کافی سمجھنا اور قناعت کی زندگی بسر کرنا۔

اپنے پڑوسیوں اور ملنے جلنے والوں سے اچھا سلوک کرنا۔

جو کچھ اپنے لیے پسند کرتا ہے، دوسروں کے لیے بھی پسند کرنا۔

زیادہ ہنسی مذاق کی گفتگو سے بچنا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیوہ اور مسکین کی مدد کرنے والے کی فضیلت

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم السَّاعِیْ عَلَی الْاَرْمِلَةِ وَالْمِسْكِیْنِ كَالسَّاعِیْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاَحْسِبُهٗ قَالَ كَالْقَائِمِ لَایَفْتُرُ وَكَالصَّائِمِ لَایُفْطِرُ۔

(مشکوٰۃ، باب الشفقة والرحمة علی الخلق)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیوہ عورت اور مسکین کی خبر گیری کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جو راہِ خدا میں مصروف جہاد ہے۔ (اس سے آگے حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) مجھے گمان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا شخص اس شخص کی طرح ہے جو متواتر رات کو قیام کرتا اور دن کو روزے رکھتا ہے۔

اسلام کے بارے میں یہ حقیقت ذہن میں رکھنی چاہیے کہ یہ امن وسلامتی، شفقت ومحبت، ہمدردی ورحم دلی اور نصح وخیر خواہی کا مذہب ہے۔ جو شخص حلقۂ اسلام میں داخل ہوا اور جس نے اس وادیٔ پرنور میں قدم رکھا، سمجھ لیجیے کہ وہ امن وسلامتی اور شفقت ورحمت کے اوصاف سے مالا مال ہوگیا، بشرطیکہ خلوص قلب کی دولت سے بہرہ مند ہو۔

اسلامی تعلیمات کا دائرہ نہایت وسیع ہے اور قرآن وحدیث کے احکام وفرامین کی حدود دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ ان میں جہاں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ شامل ہیں، وہاں غریب کی امداد، مسکین کی نصرت، بیوہ گان کی اعانت اور بے سہارا افراد کی خبر گیری کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ قرآن مجید نے ان لوگوں کو نیکوکار اور بارگاہِ خداوندی میں لائق احترام قرار دیا جو بلا کسی جزا و صلہ کے محض اللہ کی رضا اور خوش نودی کے لیے مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کی جائز ضرورتیں پوری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے اور ان کے لیے کھانے پینے کا سامان بہم پہنچاتے ہیں۔

قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ بعض ایسے لوگ بھی معاشرے میں پائے جاتے ہیں جو بے شک قابل امداد اور مستحق اعانت ہوتے ہیں، لیکن کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے۔ ان کی غیرت نفس اور خودداری ذہن ان کو مانگنے سے روکتی اور دوسرے کے دروازے پر دستک دینے سے منع کرتی ہے۔ اس قسم کے لوگوں کی تلاش کر کے مدد کرنا نہایت ضروری ہے۔ ان صابر و شاکر اور خاموش طبع لوگوں کی غربت و بے چارگی کا اندازہ ان کے چہروں سے لگانا چاہیے اور آثارِ مسکنت کو ان کی پیشانیوں پر دیکھنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

بیواؤں، مسکینوں اور یتیموں کی مدد کرنا نبی ﷺ کے معمولات میں شامل تھا۔ منصبِ نبوت پر فائز ہونے سے پہلے بھی آپ ﷺ معاشرے کے بے سہارا لوگوں کی دست گیری کرتے تھے اور خلعت نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد بھی نے ہمیشہ ان کو مرکز توجہ ٹھہرائے رکھا۔ آپ ﷺ ان کی مالی مدد بھی کرتے، اور ان کے کام کاج کے سلسلے میں بھی ان سے تعاون فرماتے۔ لوگوں کو بھی ان کی معاونت کی تلقین فرماتے تھے۔

نبی ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں اس قسم کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں کہ آپ ﷺ نے خود تکلیف اٹھا کر ان کی اعانت فرمائی اور ہر موقعے پر آپ ﷺ کی نظرِ التفات ان کی طرف رہی۔

نبی ﷺ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے تو انہوں نے بھی آپ ﷺ کے اس اسوۂ حسنہ پر عمل کیا۔ وہ غریبوں اور بیواؤں کے گھروں میں جاتے، ان کی چھوٹی بڑی ضروریات کا پتا لیتے اور جہاں تک ممکن ہوتا ان کو پورا کرنے کی سعی فرماتے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس منصب پر فائز ہوئے تو وہ بھی کامل توجہ اور کوشش سے یہ فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ انھوں نے گلی محلوں اور گھروں میں جا کر اور مختلف لوگوں سے پوچھ کر مستحقین کی ایک فہرست مرتب کی۔ ان کی حسبِ ضرورت بیت المال (یعنی حکومت کے خزانے) سے ان کو نقد پیسے بھی دیے جاتے تھے اور آٹا، گندم اور ضرورت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی دوسری اشیا بھی مہیا کی جاتی تھیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ادوارِ خلافت میں بھی یہی معمول رہا اور معاشرے کے کمزور اور مستحق طبقے کی بیت المال سے بدستور مدد کی جاتی رہی۔

ہر اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ اپنے ذرائع سے اصحابِ استحقاق کی ایک فہرست بنائے اور ان کی مدد کرے۔ معاشرے کے اربابِ دولت کو بھی چاہیے کہ وہ مالی اعتبار سے کمزور لوگوں کی مدد کو اپنے فرائض میں شامل کریں۔

مستحق لوگوں کی انفرادی طور پر بھی مدد کرنی چاہیے اور ان کے لیے شفا خانے اور سکول وغیرہ قائم کر کے ان کی اجتماعی مدد کے لیے بھی کوشاں ہونا چاہیے۔

اسلام انسانیت کی ہمدردی کا قائل ہے اور اسے ہر معاملے میں مقدم گردانتا ہے۔ حدیث میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ مسلمانوں کی مدد کی جائے بلکہ حدیث کے الفاظ عام ہیں، یعنی ہر مسکین، ہر ضرورت مند، ہر غریب اور ہر بیوہ کی مدد کی جائے، بے شک یہ لوگ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، مسلمان ہوں یا غیر مسلمان۔ یہ حدیث مشکوٰۃ میں جس عنوان کے تحت درج کی گئی ہے وہ ہے ''باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق''، یعنی مخلوق خدا پر شفقت اور مہربانی کرنے کا باب۔ اس سے واضح ہوا کہ بلا امتیاز مذہب وملت خلقِ خدا سے شفقت ورحمت کا برتاؤ کرنا چاہیے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مستحقین کی اعانت.....اسلامی حکومت کا فرض

عَنْ جَابِرِبْنِ عَبْدِاللّٰهِ رضی اللہ عنہما قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اَنَا اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ مَنْ تَرَكَ مَالاً فَلِاَهْلِهٖ وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا اَوْ ضِيَاعًا فَاِلَيَّ وَعَلَيَّ۔ (ابوداؤد، کتاب الخراج والضیئ والامارۃ۔ باب فی ارزاق الذریۃ)

ترجمہ: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ میں مومن لوگوں پر ان کی جان سے بھی زیادہ حق رکھتا ہوں (ان میں سے) جو شخص مال چھوڑ جائے، وہ اس کے وارثوں کے لیے ہے اور جو قرض چھوڑ جائے یا محتاج اہل وعیال چھوڑ کر وفات پا جائے تو (قرض کی ادائیگی) میری ذمہ داری ہے اور اہل وعیال کی نگاہ داشت مجھ پر ہے۔

الفاظ ومعانی کے اعتبار سے یہ حدیث بالکل واضح ہے، یعنی نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو ایمان دار لوگ فوت ہو جائیں اور وہ مقروض ہوں اور ان کے اہل وعیال بھی ہوں تو ان کا قرض ادا کرنا اور ان کے کم عمر بچوں اور غربت زدہ اہل وعیال کی نگاہ داشت کرنا میرے ذمے ہے، اور جو تھوڑا بہت مال انھوں نے اپنے بعد چھوڑا ہے، اس کے حق دار ان کے وارث اور بیوی بچے ہیں۔

یہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ اس سے حسب ذیل امور مستنبط ہوتے ہیں۔

- حضور ﷺ کے اس ارشادِ گرامی کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مسلمان اور کوئی صاحبِ ایمان اپنی جان، اپنے مال، اپنی آل اولاد، اپنے اہل وعیال کی حفاظت، ان کی نصرت و اعانت اور ان کی خیر خواہی کے لیے جو جذبات رکھتا ہے، میں اس کے لیے اس سے بھی زیادہ خیر خواہانہ جذبات رکھتا ہوں۔
- اگر کوئی مسلمان غربت کی زندگی بسر کر رہا ہے اور وہ مقروض ہے اور اس کے بیوی بچے بھی ہیں اور وہ حالتِ غربت ہی میں وفات پا جاتا ہے تو نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کا قرض ادا کرنا میری ذمہ داری ہے اور اس کے بعد اس کے اہل وعیال کی کفالت و

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نگرانی کا فریضہ بھی مجھ پر عائد ہوتا ہے۔

- اگر مرنے والے نے مال واسباب کی صورت میں کچھ چھوڑا ہے تو اس کے مالک اس کے وارث ہیں۔
- نبی ﷺ کا فوت شدہ شخص کے قرض کی ادائیگی اور اس کے اہل وعیال کی کفالت کی ذمہ داری کو اپنی طرف منسوب کرنے کا مطلب اسلامی حکومت اور اس کا بیت المال ہے۔ یعنی یہ فریضہ اسلامی حکومت اپنے بیت المال سے ادا کرے گی۔ چنانچہ نبی ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اس قسم کے مقروضین اور مستحقین میں اسلامی مملکت کا رقبہ بائیس لاکھ مربع میل سے زیادہ تھا، اس طویل وعریض رقبے میں جو بے شمار بلاد وقصبات اور دیہات پر مشتمل تھا، بیت المال کا وسیع سلسلہ قائم تھا۔ اس کے تمام انتظامی معاملات پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پوری گرفت تھی۔ ہر مقام کے مستحقین کی فہرستیں بنی ہوئی تھیں اور سرکاری رجسٹروں میں ان کے نام درج تھے۔ باقاعدگی سے ان کی مالی امداد کی جاتی تھی۔
- خلافتِ راشدہ کے بعد اموی اور عباسی ادوار میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔
- ہر اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ نبی ﷺ کے اس ارشاد کو پیش نگاہ رکھے اور محتاجوں اور غریبوں کی جائز ضروریات کے مطابق مالی اعانت کرے۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ تحائف جو عمال حکومت کو پیش کیے جاتے ہیں

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ بَعَثَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِلَى الْيَمَنِ فَلَمَّا سِرْتُ اَرْسَلَ فِيْ اَثَرِيْ فَرَدَدْتُ فَقَالَ اَتَدْرِيْ لِمَ بَعَثْتُ اِلَيْكَ؟ قَالَ لَاتُصِيْبَنَّ شَيْئًا بِغَيْرِ اِذْنِيْ فَاِنَّهٗ غُلُوْلٌ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِهٰذَا دَعَوْتُكَ وَاقْضِ لِعَمَلِكَ۔

(جامع ترمذی، ابواب الاحکام، باب ماجاء فی ھدایا الأمراء)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا امیر بنا کر بھیجا۔ جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں سے رخصت ہوا تو میرے پیچھے ایک آدمی کو بھیجا اور مجھے واپس بلا لیا گیا۔ فرمایا: تمھیں معلوم ہے، تمھارے پیچھے آدمی کیوں بھیجا؟ فرمایا (دیکھو) میری اجازت کے بعد کوئی چیز نہ لو، (یاد رکھو) وہ خیانت ہے اور جو شخص خیانت کرتا ہے، وہ قیامت کے روز خیانت کی ہوئی چیز لے کر (اللہ کے دربار میں) حاضر ہوگا۔ بس میں نے یہی بات کہنے کے لیے تمھیں بلایا تھا، جاؤ اپنے کام میں مصروف ہو جاؤ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشادِ گرامی اس وقت فرمایا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا امیر مقرر کر کے بھیج رہے تھے۔ یہ حکم بے شک ایک شخص کو دیا گیا ہے، لیکن اس کا اطلاق تمام امرا و حکام اور اپنے اپنے محکمے کے سب ذمے دار افراد پر ہوتا ہے۔ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر اور حکمران کو ہر اس چیز کے قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے جو محض اس بنا پر لوگ اس کی خدمت میں پیش کریں کہ وہ ان کا امیر، حاکم یا ان کے علاقے کے کسی ذمہ دار منصب پر فائز ہے۔ مثلاً اس کی اس حیثیت کے پیشِ نظر اسے کوئی تحفہ دیں، سواری کے لیے گھوڑا، اونٹ یا موٹر وغیرہ پیش کریں، اس کے بچوں کو کپڑے یا مٹھائی اور پھل وغیرہ دیں یا تاجر و دکان دار عام لوگوں کی نسبت اسے سستی چیزیں مہیا کریں، یا سکونت کے لیے اس کو مفت مکان دیں، یا کوئی ایسی سہولت مہیا کریں جو عام حالات میں ممکن نہ ہو۔ یہ سب خیانت اور رشوت میں شامل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ایک حکم جاری کر کے تمام امرائے مملکت اور عمالِ حکومت کو اس قسم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی چیزیں قبول کرنے اور سہولتیں حاصل کرنے سے روک دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کو ''غلول'' یعنی خیانت سے تعبیر کیا ہے۔ جو شخص ایسی چیز حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اس کو اس منصب پر متمکن ہونے کے بغیر حاصل نہ ہو سکتی ہو، وہ مسلمانوں کے مال میں خیانت کرتا ہے اور قیامت کے دن اس کی سزا پائے گا۔

نبی ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو خاص طور سے بلا کر اس سے روکا اور تاکید فرمائی کہ جن چیزوں کا حصول شریعت کے خلاف ہے، اس سے بہر صورت اپنے آپ کو محفوظ رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ اس عمل کو معمولی سمجھو اور جو جی چاہے کرتے رہو۔ یاد رکھو ان تمام چیزوں کو قیامت کے روز لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے گا اور ان کے غلط اعمال کی وجہ سے انھیں اس کی سزا دی جائے گی۔ اس لیے کہ اس کا ارتکاب خیانت، بد دیانتی اور رشوت کے ذیل میں آتا ہے۔

امام ترمذی نے یہ حدیث ابواب الاحکام ''باب ماجاء فی ھدایا الامراء'' میں درج کی ہے، اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا تعلق ان تحائف و ہدایا سے ہے جو لوگ امرا و عمال کو پیش کرتے اور پھر انھیں اپنے جائز و ناجائز مقاصد کے حصول کا ذریعہ بناتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اس وقت یہ حکم دیا، جب آپ انھیں یمن کا امیر و حاکم مقرر کر کے بھیج رہے تھے۔ مطلب یہ کہ لوگ حکومت کے اہل کاروں اور حاکموں کو کسی نہ کسی بہانے سے تحائف دینے کی کوشش کرتے ہیں، اس سے بچنا چاہیے۔

اس سے یہ بھی پتا چلا کہ سربراہانِ مملکت کو ملکی یا غیر ملکی سطح پر جو تحائف پیش کیے جاتے ہیں۔ انھیں اپنے پاس نہیں رکھنا چاہیے، حکومت کے خزانے میں جمع کرا دینا چاہیے۔ اگر وہ اپنے پاس رکھیں گے اور اپنی ذاتی ملکیت بنالیں گے تو امانت میں خیانت کریں گے۔

فی نفسہ نہ تحفے میں کوئی قباحت ہے اور نہ اسے قبول کرنے میں کوئی برائی۔ برائی اور قباحت اس ذہنیت میں ہے جو عام طور پر عمالِ حکومت اور امرائے مملکت کو کوئی چیز پیش کرتے وقت کارفرما ہوتی ہے، اور یہ ذہنیت کسی خاص دور کی پیداوار نہیں ہمیشہ سے چلی آ رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی کو ختم کرنے کے لیے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو کوئی چیز قبول نہ کرنے کی تاکید فرمائی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلام کرنے کی تاکید

ایک دوسرے کو سلام کرنے کی اسلام نے انتہائی تاکید فرمائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا اس باب میں طرزِ عمل یہ تھا کہ آپ ہر شخص کو سلام کہنے میں سبقت فرماتے تھے۔ عمر کا بھی خیال نہیں فرماتے تھے۔ کم عمر صحابہ کو بھی آپ آگے بڑھ کر سلام کہتے۔ اس ضمن میں آپ کا معمول یہ تھا کہ بچوں کو بھی سلام کہتے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے جس میں فرمایا گیا ہے:

عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ عَلٰى غِلْمَانٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ۔ (مسلم، کتاب السلام، باب استحباب السلام، علی الصبیان)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ لڑکوں کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے ان کو سلام کہا۔

آنحضرت فداہ ابی وامی ﷺ اس قدر مہربان اور مشفق تھے کہ ہر ایک کو دعا دیتے، اور اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے شفقت وسلامتی کی التجا فرماتے۔ آپ کا اس سے مقصد یہ تھا کہ اُمت میں بھی یہ جذبہ کارفرما ہو اور ہر شخص دوسرے کے لیے صحت وتندرستی کی دعا کرے۔ بچوں کو سلام کہنے سے مقصود یہ تعلیم دینا ہے کہ ان میں ابھی سے یہ پاکیزہ جذبہ پیدا ہو جائے۔ انھیں یہ معلوم ہو جائے کہ سلام میں سبقت کرنا چاہیے۔

حدیث میں سلام کرنے کے کچھ آداب بیان فرمائے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ کون کس کو سلام کرنے میں پہل کرے۔ ایک حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِيْ وَالْمَاشِيْ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ۔

(مسلم، کتاب السلام، باب سلام الراکب علی الماشی والقلیل علی الکثیر)

ترجمہ: سوار پیدل کو اور چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کہے اور تھوڑے افراد زیادہ تعداد والوں کو سلام کہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گھوڑے، موٹر، بائیسکل اور موٹر سائیکل وغیرہ پر سوار ہونے والوں میں بعض کی گردنیں غرور سے اکڑ جاتی ہیں۔ وہ اپنے آپ کو بہت اونچا اور دوسروں کو کمزور سمجھنے لگتے ہیں اور کسی کو سلام کہنا اپنی توہین خیال کرتے ہیں۔ اسلام نے تکبر کے اس پہلو کو ختم کر دینا چاہا ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا کہ سوار اپنے آپ کو باقی دنیا سے بلند و بالا اور ممتاز و منفرد مخلوق نہ سمجھے، وہ انہی میں سے ایک فرد ہے۔ وہ پیدل چلنے والوں کو معمولی اور گھٹیا نہ خیال کرے اور غرور کے ساتھ گردن اکڑا کر ان کے قریب سے خاموشی کے ساتھ نہ گزر جائے۔ بلکہ انھیں سلام کہے، تاکہ وہ بھی جواب میں اسے سلام کہیں اور اس کی صحت و سلامتی کے لیے اللہ سے دعا کریں۔

اسی طرح چلنے والا ان لوگوں کے پاس سے سلام کر کے گزرے جن کو وہ راستے میں بیٹھے ہوئے پائے۔ جس دکان یا دفتر میں وہ آیا ہے وہاں جو لوگ بیٹھے ہیں، ان کو سلام کہے۔ اگرچہ وہ اس کے ماتحت عملہ ہی کیوں نہ ہو۔ وہ اس چکر میں نہ پڑے کہ یہ تو ماتحت ہیں۔ میں انھیں سلام کیوں کہوں، اسے اپنے غرور کو بہر حال ختم کرنا چاہیے اور بیٹھے ہوئے کو رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق سلام کہنا چاہیے۔

پھر اگر یہ صورت حال ہو کہ دو گروہ راستے میں ملتے ہیں۔ ایک گروہ کی تعداد کم ہے اور ایک کی زیادہ تو کم تعداد والے زیادہ تعداد والوں کو سلام کہیں۔

صحیح بخاری ہی کی ایک حدیث میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ چھوٹا بڑے کو سلام کہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں۔

يُسَلِّمُ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ۔ (بخاری، کتاب الاستیذان، باب یسلم الصغیر علی الکبیر)

ترجمہ: چھوٹا بڑے کو سلام کہے۔

یہ اس لیے کہ چھوٹے کے لیے بڑی عمر والے کی توقیر اسلامی فلسفۂ اخلاق کی رو سے ضروری ہے۔ چھوٹی عمر والے کو یہ ہرگز توقع نہیں کرنی چاہیے کہ بڑی عمر والے اسے سلام کہیں۔ اگر بڑی عمر والا چھوٹے کو سلام کہہ دے تو یہ اس کی شفقت ہے، لیکن یہ فرض چھوٹے پر ہی عائد ہوتا ہے کہ بڑے کی تکریم کرے۔ اس سے عزت کے ساتھ پیش آئے اور سلام کرے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلام کے سلسلے میں یہ بھی ذہن میں رہے کہ آپ اپنے گھر جائیں تو گھر والوں کو سلام کہیں۔ نبی ﷺ نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

يَابُنَيَّ إِذَا دَخَلْتَ عَلَى أَهْلِكَ فَسَلِّمْ يَكُونُ بَرَكَةً عَلَيْكَ وَعَلَى أَهْلِ بَيْتِكَ۔ (ترمذی، کتاب الاستیذان، باب ماجاء فی التسلیم اذا دخل بیته)

ترجمہ: اے بیٹے! جب تو اپنے گھر میں جائے تو گھر والوں کو سلام کر۔ یہ سلام تیرے اور تیرے اہل خانہ کے لیے برکت کا باعث ہوگا۔

دوسری جگہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا دَخَلْتُمْ بَيْتًا فَسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهِ فَإِذَا خَرَجْتُمْ فَأَوْدِعُوا أَهْلَهُ۔ (بیهقی فی شعب الایمان، باب فی مقاربة ومواد فی اهل الدین، فصل فی سلام من خرج من بیته)

ترجمہ: جب تم گھر میں جاؤ تو اپنے گھر والوں کو سلام کرو اور جب گھر سے باہر جانے لگو تو انھیں سلام ہی سے رخصت کرو۔

یعنی سلام ہر حالت میں ضروری ہے۔ گھر میں داخل ہوتے وقت بھی اور نکلتے وقت بھی۔ ان احادیث میں سلام کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ سلام کرنے کے کیا آداب ہیں اور کون کس کو سلام کرنے میں پہل کرے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بُرا آدمی

دنیا میں ہر قسم کی عادات وخصائل کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ان میں ایسے لوگ بھی ہیں، جن کا سب سے بڑا مشغلہ دو آدمیوں یا گروہوں کے درمیان اختلاف اور جھگڑا پیدا کرنا ہوتا ہے۔وہ جب کسی گروہ یا کسی شخص سے ملتے ہیں تو اسے یوں محسوس کراتے ہیں کہ وہ اسی کے آدمی ہیں اور اسی سے تعلق رکھتے ہیں۔دوسرے کسی فریق یا آدمی سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔

اسی طرح جب کسی اور سے ملتے ہیں تو اس سے وابستگی اور تعلق کا اظہار کرتے ہیں، اور اس کے سامنے دوسرے فریق کی مخالفت اور برائی کرنا شروع کر دیتے ہیں۔یعنی ان کی یہ عادت بن چکی ہے کہ جس سے ملے، اس کو اس طرح معلوم کرایا کہ وہ اسی کے بہی خواہ اور اسی کے ہمدرد و خیر اندیش ہیں۔اس کے مقابلے میں کسی دوسرے سے انھیں کوئی تعلق یا ہمدردی نہیں ہے۔

درحقیقت وہ کسی کے بھی نہیں ہوتے۔ان کی یہ بدفطرتی ہے جو مجبور کرتی ہے کہ وہ ہر ایک کے سامنے یہ اظہار کریں کہ وہ اسی کے بہی خواہ ہیں۔

ایسے دورُخے پن کے مالک اور غلط گفتار آدمی کو حدیث میں "ذو الوجھین" کہا گیا ہے۔اس کے متعلق حدیث میں شدید وعید آئی ہے اور اسے سخت ترین عذاب کا مستحق ٹھہرایا گیا ہے۔چنانچہ ایک حدیث ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَجِدُوْنَ مِنْ شَرِّ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ ذِی الْوَجْهَیْنِ الَّذِیْ یَاْتِیْ هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَهٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ (صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب ذم ذی الوجهین)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم قیامت کے روز سب سے بُرے حال میں اس شخص کو پاؤ گے، جو دورُخے پن کا مظاہرہ کرتا ہے۔کچھ لوگوں کے پاس جاتا ہے، تو ان کے رُخ کی بات کرتا ہے۔دوسروں کے پاس جاتا ہے، تو ان کے رُخ کی بات کرتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسا دوئ خا آدمی قیامت کے روز کس حالت میں ہوگا اور اس کی غیبتوں اور چُغل خوریوں کی وجہ سے اس کو کس قسم کا سخت عذاب دیا جائے گا؟ اس کی تفصیل اس حدیث میں ملاحظہ فرمائیے:

عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ كَانَ لَهٗ وَجْهَانِ فِي الدُّنْيَا، كَانَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَّارٍ۔ (ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی ذی الوجھین)

ترجمہ: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص دنیا میں دوئ خا ہوگا۔ (یعنی دو آدمیوں یا دو گروہوں کو باہم لڑانے اور ان کے درمیان اختلاف و نزاع پیدا کرنے کے لیے ہر ایک سے مختلف باتیں کرے گا) قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہونگیں۔

جس طرح نیک عمل اور اچھے کردار کا آخرت میں اچھا بدلا اور نیک اجر ملے گا، اسی طرح دنیا میں جو برائیاں کی جاتی ہیں اور بُرے اخلاق اور غلط کردار کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، قیامت کے روز اس کی سزا ملے گی۔ پھر جس طرح احادیث میں مختلف نیک اعمال کے بدلے میں مختلف درجات کے وعدے ہیں، اسی طرح مختلف برائیوں کے متعلق بھی مختلف وعیدیں بیان کی گئی ہیں اور اس کا تعلق برائی سے ہے، جیسی برائی ویسی وعید!

یہ جو دو آدمیوں یا دو گروہوں کو آپس میں لڑانے اور ان میں نفرت و عداوت پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، یہ نہایت سنگین قسم کی برائی ہے اور اس کی سزا بھی نہایت سخت اور انتہائی اذیت رساں مقرر فرمائی گئی ہے یعنی ایسے آدمی کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔

آگ اور پھر اس کی زبانیں! ذرا تصور میں لائیے کتنا ہولناک عذاب ہے۔ لیکن جس شخص کے متعلق اس عذاب کی وعید ہے، اس کا جرم بھی تو انتہائی سخت اور نہایت نقصان رساں ہے۔

دو آدمیوں کو آپس میں لڑانا اور ان میں نزاع و اختلاف پیدا کرنا کتنی بری بات ہے۔ اخلاقی اعتبار سے یہ کس قدر مذموم فعل ہے اور اس کے نتائج کتنے خطرناک ہو سکتے ہیں۔ افسوس ہے ہم اس کی پروا نہیں کرتے اور ان برائیوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ حالانکہ یہ بہت بڑی برائیاں ہیں اور اس سے اپنے آپ کو بچانا اور محفوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔

ہم دفتروں میں، دکانوں، ہوٹلوں اور مجلسوں میں بیٹھے جو منہ میں آیا بولتے چلے جاتے ہیں۔ بالکل خیال نہیں کرتے کہ ہماری گفتگو کون سا رُخ اختیار کرتی جا رہی ہے اور ہم اپنی باتوں سے فتنہ و فساد کے کتنے دروازے کھول رہے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دو مجلسیں.....ایک کو اختیار کرو اور ایک سے بچو

کم بولنا، بے مقصد اور غیر ضروری باتوں سے پرہیز کرنا، بری مجلس سے بچنا اور غلط کردار لوگوں کی صحبت سے دُور رہنا شریعت کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ اس بارے میں امام بیہقی کی کتاب شعب الایمان میں حضرت عمران بن حطان تابعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث بیان کی ہے جو ہر شخص کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے..... حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حِطَّانَ قَالَ لَقِيْتُ اَبَاذَرٍّ فَوَجَدْتُّهُ فِي الْمَسْجِدِ مُخْتَبِئًا بِكِسَاءٍ اَسْوَدَ وَحْدَهُ فَقُلْتُ يَا اَبَاذَرٍّ مَاهٰذِهِ الْوَحْدَةُ؟ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ الْوَحْدَةُ خَيْرٌ مِّنْ جَلِيْسِ السُّوْءِ وَالْجَلِيْسُ الصَّالِحُ خَيْرٌ مِّنَ الْوَحْدَةِ وَاِمْلَاءُ الْخَيْرِ خَيْرٌ مِّنَ السُّكُوْتِ وَالسُّكُوْتُ خَيْرٌ مِّنْ اِمْلَاءِ الشَّرِّ۔ (شعب الایمان للبیقی، باب فی حفظ اللسان۔ فصل فی فضل السکوت عمالا یعنیه)

ترجمہ: عمران بن حطان رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں، میں ایک روز ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کو مسجد میں اس حالت میں پایا کہ ایک سیاہ کمبل لپیٹے ہوئے بیٹھے ہیں۔ میں نے عرض کی ابوذر رضی اللہ عنہ! یہ تنہائی اور علیحدگی کیوں اختیار کر رکھی ہے؟ انھوں نے جواب میں فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے فرماتے تھے، برے ساتھیوں کی ہم نشینی سے تنہا رہنا اچھا ہے اور اچھے ساتھی کے پاس بیٹھنا تنہائی سے بہتر ہے اور کسی کو نیکی کی باتیں بتانا خاموش رہنے سے بہتر ہے اور بری باتیں بتانے سے خاموش رہنا بہتر ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان بالکل ہی خاموش ہو کر بیٹھا رہے۔ اپنے آپ پر گونگوں اور بہروں کی سی کیفیت طاری کر لے۔ نہ کسی سے بات کرے اور نہ کسی مجلس میں شریک ہو۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خاموشی بری باتوں کے مقابلے میں بہتر ہے۔ اچھی باتیں بھی نہ بتانا اور قطعی طور سے سکوت اختیار کر لینا شریعت کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اسی طرح بُرے اور غلط کردار لوگوں کی ہم نشینی کے بجائے تنہائی اور علیحدگی اختیار کرنا بہر حال بہتر ہے۔ لیکن صلحا اور نیک لوگوں کی صحبت پر تنہائی کو کسی قسم کی افضلیت حاصل نہیں ہے۔ جو شخص خاموش رہنے کا مطلب یہ سمجھتا ہے کہ اچھی بات بھی زبان پر نہ لائے اور تنہائی سے یہ مفہوم مراد لیتا ہے کہ نیک اور صالح لوگوں کی ہم نشینی سے بھی پرہیز کرے تو یہ غلط ہے۔ نیک لوگوں کی صحبت اور نیک باتوں کی تبلیغ و تلقین تو شرعاً ضروری ہے۔ احتراز صرف بری باتوں اور بری صحبت سے کرنا چاہیے۔۔۔۔!

چنانچہ اس کی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے مؤطا امام مالک اور مسند احمد بن حنبل میں حضرت علی بن حسین یعنی حضرت زین العابدین سے مرسل اور ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مسند روایت کیا گیا ہے۔ نیز جامع ترمذی اور شعب الایمان میں مرسل و مسند دونوں طریق سے روایت کیا گیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَالَا يَعْنِيْهِ۔ (ترمذی، کتاب الزھد، باب من حسن السلام المرء ترکہ مالایعنیہ)

ترجمہ: انسان کے اسلام میں حسن و کمال پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ جو بات اسلامی اعتبار سے مفید نہ ہو اس کو چھوڑ دے۔

یعنی فضول اور بے فائدہ باتوں سے اجتناب کرنا اور فضول اور لغو چیزوں کے ارتکاب سے اپنے آپ کو بچا کر رکھنا ایمان کے حسن و کمال کے لیے اور اسلام میں زینت و خوب صورتی پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے۔۔۔ اس حدیث سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ مقصد لغو اور غیر ضروری باتوں کو چھوڑنا ہے۔ اگر اچھی باتیں کرنا بھی ترک کر دیا جائے تو اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا مقصد ختم ہو جاتا ہے۔! بہر حال مجلس دو قسم کی ہے، ایک اچھی اور ایک بری۔ انسان کے لیے اچھی مجلس کو اختیار کرنا ضروری ہے اور بُری مجلس سے پرہیز کرنا ضروری ہے!

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی تنہائی اور ان کے ارشاد کا یہی مطلب ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خطیبوں اور واعظوں کے لیے

اچھے کام خود کرنا اور دوسروں کو ان کی تلقین کرنا انسان کے فرائض میں داخل ہے۔ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ہمارے چاروں طرف برائیاں پھیلی ہوئی ہیں اور گوناگوں قباحتوں نے پورے معاشرے پر قبضہ جما رکھا ہے۔ آج جس طرح زمانہ ترقی کر رہا ہے اور مختلف شکلوں اور بھیسوں میں نئی نئی چیزیں ابھر کر سامنے آ رہی ہیں، اسی طرح برائیوں نے بھی اپنا ایک خاص انداز اختیار کر لیا ہے۔ وہ بھی ایسے نئے نئے پیرائے میں نمودار ہو رہی ہیں کہ عقل انسانی حیران رہ جاتی ہے..... برائی کیا ہے؟ اور اس کی کیا تعریف ہے؟ یہ ہر شخص جانتا ہے..... اس کے لیے کسی لمبی چوڑی تحقیق کی ضرورت نہیں۔ حدیث میں ہے کہ جو چیز دل کو بری محسوس ہو اور طبیعت اس کو ماننے اور اس پر عمل کرنے سے ابا کرے، وہ برائی ہے۔ "مَا حَاكَ فِي نَفْسِكَ" یعنی جس کا ارتکاب قلب انسان میں کھٹکتا ہو، یہ فعلِ بد ہے۔ اس سے دامن کشاں رہنا ضروری ہے۔ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو نہایت شدومد کے ساتھ برائی کے ارتکاب سے روکتے ہیں، اور انھیں پاک بازی کی زندگی اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ لیکن ان کے اپنے عمل کا معاملہ دوسری نوعیت کا ہوتا ہے اور وہ ان برائیوں کے مرتکب ہوتے ہیں جن سے لوگوں کو منع کرتے ہیں۔۔۔ یہ برائی بعض خطیبوں، واعظوں اور مقرروں میں پائی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں مشکوٰۃ کے باب الامر بالمعروف میں ایک حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ رَأَيْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي رِجَالًا تُقْرَضُ شِفَاهُهُمْ بِمَقَارِيْضَ مِّنْ نَّارٍ۔ قُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرِيْلُ علیہ السلام؟ قَالَ هٰؤُلَاءِ خُطَبَاءُ مِنْ أُمَّتِكَ يَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَيَنْسَوْنَ أَنْفُسَهُمْ ..... وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ خُطَبَاءُ مِنْ أُمَّتِكَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ وَيَقْرَءُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَلَا يَعْمَلُوْنَ

ترجمہ: سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس رات مجھے آسمانوں کی سیر کرائی گئی (یعنی معراج کی رات) میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا، یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا، یہ آپ کی امت کے خطیب ہیں۔ جو لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ لیکن انھوں نے اپنے آپ کو نیکی سے بھلا رکھا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے کہا، یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے وہ خطیب ہیں جو لوگوں کو ان باتوں کی تلقین کرتے ہیں جو خود نہیں کرتے اور اللہ کی کتاب کو پڑھتے ہیں لیکن خود اس پر عمل پیرا نہیں ہیں۔

یہ حدیث خصوصیت کے ساتھ واعظین و مقررین اور علما و مشائخ کے لیے قابل غور ہے۔ یہ لوگ تبلیغی جلسوں میں کئی کئی گھنٹے تقریریں کرتے ہیں۔ مختلف اسالیب سے لوگوں کو سمجھاتے ہیں۔ دوران تقریر میں قرآن کی آیات کثرت کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں۔ احادیث بیان فرماتے ہیں۔ بزرگانِ دین کے اقوال سناتے ہیں اور لوگوں کو تلقین کرتے ہیں کہ وہ اچھائی کی طرف لوٹیں، نیکی کے کام کریں، اور برائی ترک کر دیں، لیکن ان کی اپنی یہ حالت ہوتی ہے کہ برائی کی طرف لپکتے اور نیکی سے دور بھاگتے ہیں۔۔۔۔! ایسے لوگ سخت سزا کے مستحق ہیں۔

بہترین انسان وہ ہے جس کے عمل اور قول میں ہم آہنگی ہو، اور وہی بات زبان سے نکالتا ہو جس پر اس کا اپنا عمل ہو۔ خود برائی کرنا اور دوسروں کو نیکی کی تعلیم دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔ (البقرہ: ۴۴)

ترجمہ: کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو۔ حالانکہ تم اللہ کی کتاب پڑھتے ہو، کیا تم نہیں سمجھتے؟

جو شخص خود چور ہو اور لوگوں کو چوری سے روکے، اس کا سننے والوں پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ لوگوں پر اسی شخص کا اچھا اثر پڑے گا اور اسی کی بات مانی جائے گی جو خود نیک ہو، باعمل ہو۔ اونچے کردار کا حامل اور شریف النفس ہو۔ لیکن جو شخص برائیوں کا پتلا اور نقائص کا پیکر ہے، اس کی بات کوئی شخص بھی نہیں مانے گا۔ اس لیے خطیبوں، واعظوں اور مقرروں کو یہ حدیث بالخصوص پیش نگاہ رکھنی چاہیے اور اپنی زندگی کو اچھے قالب میں ڈھالنے کے لیے کوشاں رہنا چاہیے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث میں بھی اس کی شدید مذمت کی گئی ہے، کیوں کہ اس کے نتائج بہ درجہ غایت خطرناک ہوسکتے ہیں۔ یا ایک شخص کسی کے خلاف دل میں ایک بات بٹھالیتا ہے۔ ابتدا میں وہ بالکل معمولی نوعیت کی بات ہوتی ہے، مگر آہستہ آہستہ بغض وکینہ کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ دل میں غصہ پلتا رہتا ہے اور دشمنی اندر ہی اندر پرورش پاتی رہتی ہے۔ شروع شروع میں جو بات معمولی درجے کی ہوتی ہے، بالآخر فریقین کے لیے مصیبت عظمیٰ بن جاتی ہے اور نوبت خون خرابے اور دائمی دشمنی تک جا پہنچتی ہے۔ اسی بنا پر شریعت میں باہمی بغض وعداوت اور کینہ وحسد سے روکا گیا ہے۔ قرآن مجید نے اس سے محفوظ رہنے کے لیے اللہ سے دعا کی تلقین فرمائی ہے۔

وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ (الحشر:۱۰)

ترجمہ: اور (اے اللہ) ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے خلاف کینہ نہ رکھ جو ایمان لا چکے ہیں۔

یہ برائی اس درجہ خطرناک اور فتنہ انگیز ہے کہ کسی کے دل میں پیدا ہوجائے تو ایک کو دوسرے سے متنفر کردے گی، محلے میں گھس آئے تو اہل محلّہ میں اختلاف اُبھر آئے گا، کسی جماعت میں آجائے تو اس کا اتحاد و اتفاق افتراق و انتشار میں بدل جائے گا۔ دو کاروباری دوستوں میں اس کا زہر سرایت کرجائے تو وہ الگ الگ ہوجائیں گے اور نوبت مقدمہ بازی تک پہنچ جائے گی۔ اہل شہر میں یہ بیماری پیدا ہوجائے تو ان میں دنگا فساد بپا ہوجائے گا۔ کسی ملک میں اس کے اثرات پھیل جائیں تو ملک تباہی و بربادی کی نذر ہوجائے گا اور اگر دو حکومتوں میں یہ مہلک جراثیم پرورش پانے لگیں تو وہ باہم تنفر وعدوات کا مظاہرہ کرنے لگیں گی، اور پھر اس کے نتائج واثرات جس قدر ہولناک ہوسکتے، اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔

اسی طرح عمل خیر اور نیکی کی باتوں کے اثرات بھی نہایت وسیع ہوتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان ایک بات معمولی سمجھ کر زبان سے نکالتا ہے لیکن وہ نتیجے کے اعتبار سے اس درجہ مؤثر اور انجام کے لحاظ سے اتنی بہتر ہوتی ہے کہ اس سے لوگوں میں محبت والفت کے جذبات اُبھر آتے ہیں، اور ان کے اختلاف اسی کی بدولت ختم ہوجاتے ہیں اور وہ مودت ومحبت کی زندگی بسر کرنے لگتے ہیں، جو نہایت امن وسکون پر منتج ہوتی ہے۔

مثلاً جیسا کہ مندرجہ بالا حدیث کا ایک لفظ السلام علیکم ہے۔ بہ ظاہر یہ ایک معمولی کلمہ ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن اس کے معنی و مفہوم کی وسعت پذیریوں پر غور کیا جائے تو یہ ایک عمدہ ترین کلمہ ہے اور اس کو انسانی تعلقات و روابط میں بنیادی اینٹ کی حیثیت حاصل ہے۔ اگر یہ کلمہ جذبۂ اخلاص کے ساتھ زبان سے ادا کیا جائے تو ٹوٹے ہوئے دل جڑ جاتے ہیں اور بکھرے ہوئے لوگ یگانگت و وحدت کا روپ دھار لیتے ہیں۔

حدیث کے یہ الفاظ کتنے مختصر مگر کتنے جامع ہیں۔ ان میں اسلام کی پوری روح سمو دی گئی ہے اور امن و سلامتی کی راہ متعین کر دی گئی ہے۔ فرمایا تم اس وقت تک جنت کے مستحق نہیں ٹھہرو گے، جب تک ایمان کی نعمت سے بہرہ ور نہیں ہو گے، اور اس وقت تک ایمان کی نعمت سے بہرہ ور نہیں ہو سکو گے، جب تک آپس میں پیار کا برتاؤ نہیں کرو گے۔ یعنی اپنے دل ایک دوسرے کی طرف سے صاف نہیں کرو گے اور باہمی رنجش کو ختم نہیں کر ڈالو گے۔ اور اس کے خاتمے کی ایک صورت آپس میں السلام علیکم کہنا ہے۔ السلام علیکم کے معنی ہیں، آپ پر سلامتی ہو، اللہ آپ کو خیر و عافیت سے رکھے اور اس کی مہربانیوں کا سایہ آپ پر ہمیشہ قائم رہے۔

یہ درحقیقت ایک دعا ہے، جو ایک مسلمان، دوسرے مسلمان بھائی کے لیے کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ آپ کو جسمانی طور سے صحت عطا فرمائے، اخلاقی بلندی سے نوازے، فکری توانائی بخشے، مالی لحاظ سے آپ کی حالت درست کرے، کاروباری اطمینان سے سرفراز کرے۔ آفتوں اور مصیبتوں سے آپ محفوظ رہیں۔ کوئی شخص آپ کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ دشمن آپ کے درپے آزار نہ ہو اور آپ ہر لحاظ سے مطمئن رہیں۔ جب دوسرا شخص وعلیکم السلام کہتا ہے تو گویا وہ بھی جواب میں اسے یہی دعا دیتا ہے اور اس کے حق میں اپنے بہتر جذبات کا اظہار کرتا ہے۔

ظاہر ہے جب اخلاص قلب سے دو مسلمان بھائی ایک دوسرے کے لیے یہ دعا کریں گے تو آپس میں الفت و محبت کی راہیں ہموار ہوں گی اور سلامتی و خیر سگالی کے مواقع خود بخود پیدا ہوں گے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھانے کا مہذبانہ طریقہ

بعض باتیں بہ ظاہر چھوٹی معلوم ہوتی ہیں اور انسان بسا اوقات انھیں نظر انداز کر جاتا ہے۔ لیکن درحقیقت وہ بہت بڑی ہوتی ہیں۔ اسی بنا پر احادیث میں ان پر عمل کی تاکید کی گئی ہے۔ مثلاً

کھانے پینے کے بارے میں بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ اس کا کیا ہے، جیسا ہوا کھا پی لیا اور جس طرح بن پڑا پیٹ بھر لیا۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ معاملہ بڑا اہم ہے اور کتب احادیث میں اس کے خاص آداب اور طریقے بیان کیے گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں باقاعدہ احکام مذکور ہیں۔ صحابہ کرام اور آئمہ عظام نے اس کے مسائل وضاحت سے بیان کیے ہیں اور محدثین وفقہا رحمہم اللہ نے احادیث وفقہ کی کتابوں میں باقاعدہ باب باندھ کر اور عنوان قائم کر کے اس کو تفصیل سے واضح کیا ہے۔

اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ کے معمولات اور احکام کا ذکر کیا گیا ہے اور ان لوگوں کو عمل کی تاکید فرمائی ہے۔

کھانے کے آداب میں ایک ادب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر دو چار آدمی اکٹھے کھانا کھا رہے ہوں تو ایک ساتھ ہی دسترخوان سے اٹھیں۔ کوئی شخص پہلے ہاتھ اٹھا کر دوسرے کو شرمندگی میں مبتلا نہ کرے۔ اس سلسلے میں مشکوٰۃ کے باب الضیافۃ کی فصل ثالث میں ابن ماجہ اور بیہقی کی شعب الایمان کے حوالے سے ایک حدیث درج کی گئی ہے جو کھانے کے آداب میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔ حدیث کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا وُضِعَتِ الْمَائِدَةُ فَلَا يَقُوْمُ رَجُلٌ حَتّٰى يُرْفَعَ الْمَائِدَةُ وَلَا يَرْفَعُ يَدَهٗ وَاِنْ شَبِعَ حَتّٰى يَفْرُغَ الْقَوْمُ وَلْيَعْذِرْ فَاِنَّ ذَالِكَ يُخْجِلُ جَلِيْسَهٗ فَيَقْبِضُ يَدَهٗ وَعَسٰى اَنْ يَكُوْنَ لَهٗ فِي الطَّعَامِ حَاجَةٌ.....

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب دسترخوان بچھایا جائے تو کوئی شخص (اپنے ساتھیوں میں سے) اس وقت تک نہ اٹھے جب تک کہ دسترخوان نہ اٹھالیا جائے۔ اگر کسی کا پیٹ بھر بھی گیا ہو تو وہ اس وقت تک کھانے سے ہاتھ نہ اٹھائے جب تک کہ سب لوگ فارغ نہ ہو جائیں۔ (اگر کوئی شخص اپنے ساتھیوں کو کھانا کھاتے ہوئے چھوڑ کر) کھڑا ہو جائے تو معذرت کرے کیونکہ اس کا سب سے پہلے کھانے سے ہاتھ روک لینا اور کھڑے ہو جانا ساتھیوں کے لیے شرمندگی اور خجالت کا باعث بنتا ہے۔ ممکن ہے کسی کو ابھی کھانے کی طلب ہو (اور وہ ساتھی کے اٹھ جانے کی وجہ سے کھانے میں شرمندگی محسوس کرے)

اس حدیث نے کھانے کے آداب واضح کر دیئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب دو تین آدمی کھانا کھا رہے ہوں تو ان کو سب کا خیال رکھنا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ ایک فارغ ہو گیا تو وہ ساتھیوں کا خیال رکھے بغیر کھانے سے ہاتھ روک لے اور دسترخوان سے کھڑا ہو جائے۔ اس سے ساتھی کی سبکی ہوتی ہے، عین ممکن ہے کہ وہ مارے شرم کے بھوکا ہی کھڑا ہو جائے۔۔ اگر کوئی شخص کھانے سے رک جائے اور دسترخوان سے کھڑا ہونا چاہے تو اسے معذرت کر کے اور اجازت لے کر کھڑے ہونا چاہیے۔ مشکوٰۃ کے اسی ''باب الضیافۃ'' کی تیسری فصل میں شعب الایمان ہی کے حوالے سے ایک اور حدیث نقل کی گئی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کا عمل بیان فرمایا گیا ہے۔ وہ بھی قابل مطالعہ ہے:

عَنْ جَعْفَرِبْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أَكَلَ مَعَ قَوْمٍ كَانَ آخِرُهُمْ أَكْلاً۔ (رواه البيهقي في شعب الايمان مرسلاً)

ترجمہ: امام جعفر صادق بن محمد سے روایت ہے وہ اپنے والد محترم سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی جماعت کے ساتھ کھانا کھاتے تو سب سے بعد تک تناول فرماتے رہتے۔

اس ضمن میں اور بھی احادیث مروی ہیں، جن میں کھانے کے آداب مذکور ہیں۔ کھانے کے وقت ان آداب کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

اگر کوئی شخص کم کھانے والا ہو یا کھانے میں تیز رفتار ہو تو آہستہ آہستہ کھائے۔ مگر اس کا لازماً خیال رکھے کہ اس کے ساتھی کس منزل میں ہیں..... ساتھیوں کا خیال نہ رکھنا کھانے کے آداب کے خلاف ہے۔ کھانے کا مہذبانہ طریقہ یہ ہے کہ سب کے ساتھ دسترخوان سے اٹھے اور پہلے اٹھ کر کسی کو احساس خجالت میں مبتلا نہ کرے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خط، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو ہر وقت نیکی کی طرف راغب رکھتے اور ان کو نصیحتیں فرماتے رہتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد یہ پاک باز حضرات خود ایک دوسرے سے نیکی کے امور کے متعلق پوچھنے لگے۔ اس مقدس گروہ میں سے جو شخص عمر یا ان کے نزدیک صالحیت میں بڑھا ہوا ہوتا یا جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کا زیادہ موقع میسر آیا ہوتا تو یہ حضرات اس کو نہایت خوش قسمت اور بلند مرتبت سمجھتے اور عام مسائل میں اس کی طرف رجوع فرماتے۔ یا کچھ نصیحتیں حاصل کرنا چاہتے تو اس سلسلے میں اسی کو منتخب فرماتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ تھیں، اور اس حیثیت سے ان کے اوقات کا بڑا حصہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ گزرا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بہت سے لوگ ان کی طرف رجوع کرتے، اور ان سے نصائح کے طالب ہوتے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام ان کا یہ مکتوب گرامی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، اس مکتوب گرامی کی پوری عبارت جامع ترمذی کے حوالے سے ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

عَنْ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ كَتَبَ اِلٰى عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنِ اكْتُبِىْ اِلَىَّ كِتَابًا تُوْصِيْنِىْ فِيْهِ وَلَا تُكْثِرِىْ عَلَىَّ قَالَ: فَكَتَبَتْ عَائِشَةُ رضی اللہ عنہا اِلٰى مُعَاوِيَةَ سَلَامٌ عَلَيْكَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ مَنِ الْتَمَسَ رِضَى اللّٰهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّٰهُ سَوْنَةَ النَّاسِ وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَى النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰهِ وَكَلَهُ اللّٰهُ اِلَى النَّاسِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ ..... (رواہ الترمذی، کتاب الزھد آخری باب)

ترجمہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے سیدہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خط لکھا جس میں درخواست کی کہ آپ مجھے کچھ نصیحت فرمائیں لیکن جو کچھ فرمائیں وہ مختصر ہو۔ بہت زیادہ نہ ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے جواب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ مکتوب گرامی تحریر فرمایا:

تم پر سلامتی ہو۔ امابعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے، جو شخص لوگوں کو اپنے سے ناراض کر کے اللہ کو خوش کرنا چاہے اللہ اس کو لوگوں کی تکلیف سے بے نیاز کر دے گا اور خود اس کے لیے کافی ہو جائے گا۔ اور جو شخص اللہ کو ناراض کر کے بندوں کو راضی کرنا چاہے گا تو اللہ اس کو لوگوں کے سپرد کر دے گا۔ والسلام علیک

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ نصیحت آموز مکتوب کتنا مختصر اور کتنا جامع ہے۔ چند الفاظ میں وہ بات فرما دی ہے، جو انسان کو عمر بھر کام دے اور ایسی نصیحت فرمائی ہے جو تمام نصیحتوں کا نچوڑ ہے۔

دنیا میں انسان کو مختلف حالات سے گزرنا پڑتا ہے اور بعض دفعہ ایسا نازک موقع پیش آ جاتا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے کہ کیا کرے، اور اس سے بچنے کے لیے کیا قدم اٹھائے؟ ایک طرف اللہ کے احکام اور اس کی رضا کا مسئلہ ہوتا ہے۔ دوسری طرف لوگوں کی بات، دوستوں کا اصرار اور دنیوی منفعت کا معاملہ درپیش ہوتا ہے۔ وہ اللہ کا حکم مانتا ہے تو لوگ ناراض ہو جاتے ہیں اور دنیوی مفاد سے ہاتھ دھونا پڑتے ہیں۔ اور لوگوں کی بات مانتا ہے تو اللہ کے احکام کا نافرمان ٹھہرتا ہے۔ ایسے نازک اور پیچیدہ حالات میں یہ حدیث انسان کی بہترین رہنما ہو سکتی ہے، کہ بندہ اگر لوگوں کے اصرار اور ان کی باتوں پر اللہ کے حکم کو ترجیح دے گا تو اللہ اس کو لوگوں کی تکلیفوں اور بار برداری سے محفوظ کر دے گا، اور ان سے اس کو بے نیاز اور مستغنی فرما دے گا۔ اس کے لیے ایسے حالات اور مواقع پیدا کر دے گا کہ اسے اللہ کی رضا بھی حاصل ہو جائے گی اور دنیوی مفاد بھی حاصل ہو جائے گا جو اس نے اللہ کی رضا اور اس کی خوش نودی کے مقابلے میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسترد کر دیا تھا۔

اور اگر اس نے بندوں کی خوش نودی کے مقابلے میں اللہ کی ناراضی اور خفگی کی پروانہ کی اور وہی کچھ کیا جو لوگ چاہتے تھے تو اسے سب سے بڑا نقصان یہ برداشت کرنا پڑے گا کہ اللہ اس سے ناراض ہوگا۔ رہا دنیوی منفعت کا معاملہ تو اس میں دونوں امکان ہیں۔ یہ بھی کہ نہ حاصل ہو اور یہ بھی کہ حاصل ہو جائے۔ لیکن ایسی منفعت جس کے بدلے میں اللہ کو ناراض کیا گیا ہے، اگر حاصل بھی ہو جائے تو اس کا کیا فائدہ؟ اللہ کو ناراض کر کے کسی دنیوی منفعت کا حصول سراسر خسارے کا سودا ہے۔ اس لیے کہ اس نے اللہ کی امداد و اعانت کے مقابلے میں بندوں پر بھروسہ کیا۔ اب یہ بندوں کے اختیار میں ہے کہ اس کے کام آئیں یا نہ آئیں۔ اللہ تعالیٰ کی اعانت و نصرت بہر حال اس کو حاصل نہ رہی اور لطف یہ کہ جن لوگوں پر اس نے اعتماد کیا خود ان کی حالت یہ ہے کہ وہ بھی اللہ کے محتاج ہیں اور اس کے احکام کے سامنے بے بس ہیں۔

بہ ظاہر یہ نصیحت مختصر اور چند لفظوں میں بیان کی گئی ہے۔ مگر معنی و حقیقت کی ایک عظیم دولت اس میں جمع کر دی گئی ہے۔ اگر کوئی شخص صرف اللہ پر اعتماد کرے، اسی کے دروازے پر دستک دے تو ہو نہیں سکتا کہ اللہ اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائے اور اس کی اعانت و نصرت کے اسباب نہ پیدا نہ کرے.....! یہ لوگوں کی بدنصیبی ہے کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کے دروازوں پر حاضری دیتے ہیں۔ جب کہ معاملہ یہ ہے کہ جن کے ہاں وہ جاتے ہیں خود وہ بھی اللہ ہی کے محتاج ہوتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تین ارشاد

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَجُلاً شَتَمَ اَبَا بَکْرٍ وَالنَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم جَالِسٌ فَجَعَلَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم یُعْجِبُ وَیَتَبَسَّمُ فَلَمَّا اَکْثَرَ رَدَّ عَلَیْهِ بَعْضَ قَوْلِهٖ فَغَضِبَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَقَامَ فَلَحِقَهٗ اَبُوْبَکْرٍ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَشْتِمُنِیْ وَاَنْتَ جَالِسٌ فَلَمَّا رَدَدْتُّ عَلَیْهِ بَعْضَ قَوْلِهٖ غَضِبْتَ وَقُمْتَ قَالَ اِنَّهٗ کَانَ مَعَکَ مَلَکٌ یَرُدُّ عَنْکَ فَلَمَّا رَدَدْتَّ عَلَیْهِ بَعْضَ قَوْلِهٖ وَقَعَ الشَّیْطَانُ فَلَمْ اَکُنْ لِاَقْعُدَ مَعَ الشَّیْطٰنِ ثُمَّ قَالَ یَا اَبَابَکْرٍ ثَلٰثٌ کُلُّهُنَّ حَقٌّ، مَا مِنْ عَبْدٍ ظُلِمَ بِمَظْلِمَةٍ فَیُغْضِیْ عَنْهَا لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اِلَّا اَعَزَّ اللّٰهُ بِهَا نَصْرَهٗ وَمَا فَتَحَ رَجُلٌ بَابَ عَطِیَّةٍ یُرِیْدُ بِهَا صِلَةً اِلَّا زَادَ اللّٰهُ بِهَا کَثْرَةً وَمَا فَتَحَ رَجُلٌ بَابَ مَسْئَلَةٍ یُرِیْدُ بِهَا کَثْرَةً اِلَّا زَادَهُ اللّٰهُ بِهَا قِلَّةً۔ (مسند امام احمد، ۲/۴۳۶)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اس شخص کے مسلسل گالیاں دینے پر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سکوت پر) تعجب کر رہے تھے اور تبسم فرما رہے تھے۔ جب اس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بہت زیادہ گالیاں دیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کو اس کی باتوں کا جواب دیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور اُٹھ کر چلے گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس سے تکلیف ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی کی وجہ معلوم کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلے اور عرض کی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ شخص مجھے گالیاں دیتا رہا اور آپ وہاں تشریف فرما رہے۔ جب میں نے اس کی کچھ باتوں کا جواب دیا تو آپ ناراض ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تک تم خاموش تھے اور اس کی گالیاں صبر سے سن رہے تھے، تمھارے ساتھ اللہ کا ایک فرشتہ تھا جو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمھاری طرف سے دفاع کر رہا تھا۔ جب تم نے خود جواب دینا شروع کر دیا تو وہ فرشتہ چلا گیا اور لڑائی کے سلسلے کو آگے بڑھانے کے لیے شیطان بیچ میں آ گیا۔ اور میں شیطان کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتا تھا۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا، ابوبکر! یاد رکھو! تین باتیں ایسی ہیں جو بالکل برحق ہیں:

پہلی بات یہ ہے کہ جس شخص پر کوئی ظلم یا زیادتی کی جائے اور وہ صرف اللہ عزوجل کی رضا حاصل کرنے کے لیے درگزر کرے اور منتقمانہ جذبات کو دل سے نکال دے تو اللہ اس کے بدلے میں دنیا اور آخرت میں اس کی مدد فرمائے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ جو شخص صلہ رحمی کی غرض سے دوسروں کو کچھ عطا کرنے اور ان کی امداد و اعانت کے لیے اپنے گھر کا دروازہ کھولتا ہے، اللہ اس کے عوض اس کو بہت زیادہ عنایت فرمائے گا۔

تیسری بات یہ ہے کہ جو شخص فقط اپنی دولت بڑھانے کے لیے سوال اور گداگری کا دروازہ اپنے لیے کھولتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی دولت اور کم کر دے گا۔

یہ حدیث اپنے مفہوم میں بالکل صاف ہے یعنی انسان کو اپنے دل میں منتقمانہ جذبات نہیں رکھنے چاہئیں۔ رحم دلی اور درگزر سے کام لینا چاہیے۔ اگرچہ ظلم و عدوان کا بدلہ لینا شرعاً جائز ہے تاہم عزیمت اور فضیلت کا تقاضا یہ ہے کہ ظالم کو معاف کر دیا جائے۔ اونچے کردار کے حامل اور متقی لوگوں کا دل تو بہت کھلا ہونا چاہیے اور انھیں زیادہ سے زیادہ وسعتِ قلب کا مظاہرہ کرنا چاہیے، کسی سے انتقام لینے کی کوشش کرنا ان کے لیے مناسب نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ اگر کسی نے ان پر زیادتی کی ہو یا ظلم کا برتاؤ کیا ہو تو وہ معاف کر دیں۔

اس کے ساتھ نبی ﷺ نے صلہ رحمی کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ جو شخص اپنے اعزہ و اقارب کو محض صلہ رحمی کے لیے اپنی استطاعت کے مطابق کوئی چیز دیتا ہے، اللہ اس کا مرتبہ بلند فرماتا ہے اور اسے اپنی رضا اور مال و دولت سے نوازتا ہے۔

تیسری بات آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمائی کہ کسی کے سامنے حصولِ مال کے لیے دستِ سوال دراز کرنا نہایت مذموم فعل ہے۔ اس سے ذہن میں خفت اور خصت پیدا ہوتی ہے اور مالی اعتبار سے انسان گھاٹے میں رہتا ہے۔

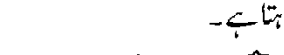

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک دوسرے کو السلام علیکم کہنے کے فوائد

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا اَفَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰی اَمْرٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ، اَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَكُمْ۔ (ابو داود، کتاب الأدب باب افشاء السلام)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جب تک تم ایمان نہیں لاؤ گے جنت میں داخل نہیں ہوسکو گے اور جب تک ایک دوسرے سے محبت سے پیش نہیں آؤ گے مومن نہیں بن سکو گے۔ کیا میں تمھیں ایسی بات نہ بتاؤں کہ جس پر تم عمل پیرا ہو جاؤ تو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو۔۔۔؟ اور وہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کو کثرت سے السلام علیکم کہا کرو۔

انسان بہت سے اعمال کو بالکل معمولی سمجھتا ہے، لیکن درحقیقت وہ بہت بڑے عمل ہوتے ہیں اور بسا اوقات ان کے نتائج نہایت دوررس نکلتے ہیں۔ ان اعمال میں اچھے بھی ہیں اور برے بھی۔۔۔ بعض دفعہ اس کا ایک ہی عمل جسے بہ ظاہر وہ کوئی اہمیت نہیں دیتا، عظیم فتنہ بپا کر دیتا اور ایک دنیا کو مصیبت میں ڈال دیتا ہے۔ اسی طرح بعض دفعہ وہ ایسی بات زبان سے نکالتا یا ایسا کام کرتا ہے، جس کی بہ ظاہر کوئی حیثیت نہیں ہوتی، لیکن اس کے نتائج نہایت اچھے نکلتے ہیں اور وہ کام ایک عالم کے لیے باعث رحمت بن جاتا ہے۔

مثال کے طور پر ایک شخص کسی کی غیبت کرتا ہے اور بلا سوچے سمجھے ایک بات زبان سے نکال دیتا ہے، لیکن درحقیقت وہ بات اتنی بڑی ہوتی ہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے اس درجہ خطرناک صورت اختیار کر لیتی ہے کہ امن وسلامتی اور محبت والفت کے تمام سلسلوں کو منقطع کر کے رکھ دیتی ہے۔ قرآن مجید نے اسی لیے غیبت سے سختی کے ساتھ روکا ہے اور اسے انتہائی مذموم گردانا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث میں بھی اس کی شدید مذمت کی گئی ہے، کیوں کہ اس کے نتائج بہ درجہ غایت خطرناک ہوسکتے ہیں۔ یا ایک شخص کسی کے خلاف دل میں ایک بات بٹھالیتا ہے۔ ابتدا میں وہ بالکل معمولی نوعیت کی بات ہوتی ہے، مگر آہستہ آہستہ بغض وکینہ کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ دل میں غصہ پلتا رہتا ہے اور دشمنی اندر ہی اندر پرورش پاتی رہتی ہے۔ شروع شروع میں جو بات معمولی درجے کی ہوتی ہے، بالآخر فریقین کے لیے مصیبت عظمیٰ بن جاتی ہے اور نوبت خون خرابے اور دائمی دشمنی تک جا پہنچتی ہے۔ اسی بنا پر شریعت میں باہمی بغض وعداوت اور کینہ وحسد سے روکا گیا ہے۔ قرآن مجید نے اس سے محفوظ رہنے کے لیے اللہ سے دعا کی تلقین فرمائی ہے۔

وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا۔ (الحشر:۱۰)

ترجمہ: اور (اے اللہ) ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے خلاف کینہ نہ رکھ جو ایمان لا چکے ہیں۔

یہ برائی اس درجہ خطرناک اور فتنہ انگیز ہے کہ کسی کے دل میں پیدا ہوجائے تو ایک کو دوسرے سے متنفر کردے گی، محلے میں گھس آئے تو اہل محلہ میں اختلاف اُبھر آئے گا، کسی جماعت میں آجائے تو اس کا اتحاد و اتفاق افتراق و انتشار میں بدل جائے گا۔ دو کاروباری دوستوں میں اس کا زہر سرایت کرجائے تو وہ الگ الگ ہوجائیں گے اور نوبت مقدمہ بازی تک پہنچ جائے گی۔ اہل شہر میں یہ بیماری پیدا ہوجائے تو ان میں دنگا فساد بپا ہوجائے گا۔ کسی ملک میں اس کے اثرات پھیل جائیں تو ملک تباہی و بربادی کی نذر ہوجائے گا اور اگر دو حکومتوں میں یہ مہلک جراثیم پرورش پانے لگیں تو وہ باہم تنفر وعدوات کا مظاہرہ کرنے لگیں گی، اور پھر اس کے نتائج واثرات جس قدر ہولناک ہوسکتے، اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔

اسی طرح عمل خیر اور نیکی کی باتوں کے اثرات بھی نہایت وسیع ہوتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان ایک بات معمولی سمجھ کر زبان سے نکالتا ہے لیکن وہ نتیجے کے اعتبار سے اس درجہ مؤثر اور انجام کے لحاظ سے اتنی بہتر ہوتی ہے کہ اس سے لوگوں میں محبت والفت کے جذبات اُبھر آتے ہیں، اور ان کے اختلاف اسی کی بدولت ختم ہوجاتے ہیں اور وہ مودت ومحبت کی زندگی بسر کرنے لگتے ہیں، جو نہایت امن وسکون پر منتج ہوتی ہے۔

مثلاً جیسا کہ مندرجہ بالا حدیث کا ایک لفظ السلام علیکم ہے۔ بہ ظاہر یہ ایک معمولی کلمہ ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن اس کے معنی ومفہوم کی وسعت پذیریوں پر غور کیا جائے تو یہ ایک عمدہ ترین کلمہ ہے اور اس کو انسانی تعلقات و روابط میں بنیادی اینٹ کی حیثیت حاصل ہے۔ اگر یہ کلمہ جذبۂ اخلاص کے ساتھ زبان سے ادا کیا جائے تو ٹوٹے ہوئے دل جڑ جاتے ہیں اور بکھرے ہوئے لوگ یگانگت و وحدت کا روپ دھار لیتے ہیں۔

حدیث کے یہ الفاظ کتنے مختصر مگر کتنے جامع ہیں۔ ان میں اسلام کی پوری روح سمودی گئی ہے اور امن وسلامتی کی راہ متعین کردی گئی ہے۔ فرمایا تم اس وقت تک جنت کے مستحق نہیں ٹھہرو گے، جب تک ایمان کی نعمت سے بہرہ ور نہیں ہو گے، اور اس وقت تک ایمان کی نعمت سے بہرہ ور نہیں ہوسکو گے، جب تک آپس میں پیار کا برتاؤ نہیں کرو گے۔ یعنی اپنے دل ایک دوسرے کی طرف سے صاف نہیں کردگے اور باہمی رنجش کو ختم نہیں کر ڈالو گے۔ اور اس کے خاتمے کی ایک صورت آپس میں السلام علیکم کہنا ہے۔ السلام علیکم کے معنی ہیں، آپ پر سلامتی ہو، اللہ آپ کو خیر وعافیت سے رکھے اور اس کی مہربانیوں کا سایہ آپ پر ہمیشہ قائم رہے۔

یہ درحقیقت ایک دعا ہے، جو ایک مسلمان، دوسرے مسلمان بھائی کے لیے کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ آپ کو جسمانی طور سے صحت عطا فرمائے، اخلاقی بلندی سے نوازے، فکری توانائی بخشے، مالی لحاظ سے آپ کی حالت درست کرے، کاروباری اطمینان سے سرفراز کرے۔ آفتوں اور مصیبتوں سے آپ محفوظ رہیں۔ کوئی شخص آپ کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ دشمن آپ کے درپے آزار نہ ہو اور آپ ہر لحاظ سے مطمئن رہیں۔ جب دوسرا شخص وعلیکم السلام کہتا ہے تو گویا وہ بھی جواب میں اسے یہی دعا دیتا ہے اور اس کے حق میں اپنے بہتر جذبات کا اظہار کرتا ہے۔

ظاہر ہے جب اخلاص قلب سے دو مسلمان بھائی ایک دوسرے کے لیے یہ دعا کریں گے تو آپس میں الفت ومحبت کی راہیں ہموار ہوں گی اور سلامتی وخیر سگالی کے مواقع خود بخود پیدا ہوں گے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قابلِ نفرت لوگ!

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اَبْغَضَ الرِّجَالِ اِلَى اللّٰهِ اَلْاَلَدُّ الْخَصِمُ۔ (مشکوٰۃ باب الاقضیۃ والشہادات)

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ قابلِ نفرت وہ شخص ہے، جو سخت جھگڑالو ہے۔

شائستگی، متانت اور رفق ولینت کو اسلامی تعلیم میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اسلام چوں کہ امن اور سلامتی کا مذہب ہے اس لیے لوگوں کو خاص طور سے اس کا درس دیتا ہے۔ بہترین ثقافت اور عمدہ ترین تہذیب سکھانا اور اس کے تمام پہلوؤں سے روشناس کرانا اسلام کے اولین مقاصد میں داخل ہے۔ وہ لوگوں کو تلقین کرتا ہے کہ اپنے قول اور عمل سے ملاطفت کا ثبوت دیں اور ہر موقعے پر شریفانہ اخلاق کا مظاہرہ کریں۔ مسلمانوں کا اسلوبِ حیات صاف ستھرا اور طرزِ زندگی پاکیزہ وشائستہ ہونا چاہیے۔ لڑائی جھگڑے، گالی گلوچ اور بدزبانی وفحش گوئی سے اسلام کو شدید نفرت ہے۔ اس کی تعلیمات کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ خود بھی امن وسلامتی کی زندگی بسر کرو اور دوسروں کو بھی اس جادۂ مستقیم پر چلنے کی تاکید کرو۔

جو لوگ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنے کاروانِ حیات کو اسلام کے بتائے ہوئے خطوط پر رواں دواں رکھنے کا عزم کر لیتے ہیں، وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک نہایت پسندیدہ ہیں اور معاشرے میں بھی ان کو احترام واکرام کا مستحق گردانا جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ دنگا فساد کو اپنا معمول ٹھہرا لیتے اور بغض وعداوت کی راہ پر چل پڑتے ہیں، وہ بارگاہِ خداوندی میں بھی قابلِ نفریں قرار پاتے ہیں اور معاشرے میں بھی ان کو نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہی بات ارشاد فرمائی ہے کہ جو شخص جھگڑے فساد پر آمادہ رہتا ہے اور ہر چھوٹی بڑی بات پر ہنگامہ بپا کر دیتا ہے، وہ اللہ کے نزدیک انتہائی قابلِ نفرت ہے۔ قرآن مجید نے ایسے شخص کو ''الدالخصام'' سے تعبیر کیا ہے یعنی سخت جھگڑالو، بات بات پر اڑ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جانے والا اور ضد کرنے والا۔ دوسرا شخص صحیح بھی ہو تو اسے غلط اور ناحق قرار دینے والا۔ اس حدیث میں بھی رسول اللہ ﷺ نے یہی بات ارشاد فرمائی ہے۔

بعض لوگ ہر وقت آمادۂ فساد رہتے ہیں۔ کوئی انھیں سمجھانے کی کوشش کرے تو الٹا اس کے درپے آزار ہو جاتے ہیں۔ دوسرے کا دل دکھانے میں انھیں لطف آتا ہے اور ان کا یہ معمول بن جاتا ہے کہ ایسی بات زبان سے نکالیں جو مخاطب کے لیے تکلیف اور اذیت کا باعث بنے۔ وہ دھونس، دھاندلی اور ہنگامے سے لوگوں پر رعب جماتے اور ان کو ذہنی اور قلبی اذیت میں مبتلا کرتے ہیں۔ مدمقابل شریف اور کمزور آدمی ہو تو تیز کلامی اور چرب زبانی سے اس کو دبا لیتے ہیں اگر زوردار آدمی سے واسطہ پڑے تو اس سے دب جاتے ہیں۔

اس قسم کے لوگ معاشرے میں برائی پھیلانے، اختلاف کو ہوا دینے اور نزاع و انتشار کی فضا پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ گھر میں ہوں تو بیوی بچوں سے جھگڑتے اور ان کی عادتیں بگاڑتے ہیں، باہر ہوں تو گلی محلے اور دفتر کے لوگوں کا ناک میں دم کر دیتے ہیں۔

اس قماش کے لوگ معاشرے کے ہر طبقے میں پائے جاتے ہیں، ان پڑھ طبقے میں بھی اور پڑھے لکھے طبقے میں بھی۔۔۔! بعض اچھے خاصے پڑھے لکھے اور تعلیم یافتہ حضرات کو دیکھا گیا ہے کہ وہ بغل میں کتابیں دبائے پھرتے ہیں اور ہر شخص سے بحث و مناظرے میں الجھ جاتے ہیں۔ پھر بلند آواز سے بولتے اور میز پر مکے مار مار کر اپنی بات کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوسرے کو نہ بات کرنے کی مہلت دیتے ہیں اور نہ ٹھنڈے دل سے اس کی سنتے ہیں۔ اگر کوئی ایسی بات کسی کے قلم یا زبان سے نکل گئی ہو جو ان کی تحقیق سے مطابقت نہیں رکھتی تو اس کا جینا دوبھر کر دیتے ہیں اور جگہ جگہ اس کی مذمت کرتے پھرتے ہیں۔ ایسے لوگ اگر سچے بھی ہوں تو سنجیدہ افراد پر ان کا اچھا اثر نہیں پڑتا اور وہ انھیں پیشہ ور جھگڑالو قرار دیتے ہیں۔

ان عادات و اطوار کے لوگوں کی حدیث میں مذمت فرمائی گئی ہے۔ اسلام نے تحمل، بردباری اور متانت و سنجیدگی کی تعلیم دی ہے۔ وہ صحت مندانہ اختلاف کی اجازت دیتا ہے اور لوگوں کو غور و فکر کی تلقین کرتا ہے۔ اس کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ہر معاملے میں سوچ سمجھ کر قدم اٹھاؤ اور دوسرے کی بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ اگر کوئی غلطی پر ہو تو اس سے نرمی اور لینت سے پیش آؤ۔ زبردستی، خصومت، ضد اور جبر اسلام کو قطعاً پسند نہیں۔ وہ رواداری، حلم اور سلامتی کا مذہب ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شرک کی ایک قسم.....شگون اور فال

بعض لوگ تفاؤل اور تشاؤم کے قائل ہوتے ہیں۔ وہ یقین رکھتے ہیں کہ اچھی یا بری فال ایک حقیقت ہے۔ آئندہ کام کی تکمیل یا عدم تکمیل کا انحصار اسی پر ہے۔ مثلاً وہ اس وہم میں مبتلا ہوتے ہیں کہ صبح اگر انھیں سب سے پہلے بھینسا نظر آ جائے تو یہ بری علامت ہے۔ جس کام کے لیے وہ جا رہے ہیں یا جو ارادہ کیے ہوئے ہیں، وہ پورا نہیں ہوگا اور اس میں انھیں نقصان پہنچے گا۔ اسی طرح صبح صبح اگر انھیں ساہوکار یا سرمایہ دار یا کوئی چودھری مل گیا، جب بھی ان کا مقصد پورا نہیں ہوگا اور وہ اپنے عزم میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے اور اگر گھر سے باہر نکلتے ہی خاکروب مل جائے تو یہ کامرانی کی علامت ہے، یا گندگی کے ڈھیر پر نظر پڑ جائے تو بھی مطلب حل ہو جائے گا اور جس کام کا دل میں ارادہ باندھ رکھا ہے، وہ بخیر و خوبی انجام کو پہنچے گا۔

جانوروں میں سے اگر کوا منڈیر پر بیٹھا ہے تو سمجھتے ہیں کہ یہ کامیابی کی علامت ہے، اور اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ کوئی عزیز یا جگری دوست گھر آئے گا اور اس سے ملاقات ہوگی۔ چیل کے منڈیر پر بیٹھنے کو بیماری اور زحمت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح زمانۂ جاہلیت میں اکثر لوگوں کا معمول تھا کہ وہ کسی کام کا ارادہ کرتے تو اسے شروع کرنے سے پہلے کچھ جانوروں کو اڑاتے اور اس کی روشنی میں آئندہ لائحہ عمل کا آغاز کرتے۔

اسلام ان سب چیزوں کو غلط قرار دیتا ہے اور ان سے سختی سے روکتا ہے۔ جیسا کہ الفاظِ حدیث سے ظاہر ہے اور واضح الفاظ میں فرمایا گیا ہے کہ یہ باتیں ترک کر دو، پرندوں کو اپنی جگہ بیٹھا رہنے دو، انھیں اڑایا نہ کرو۔ ان کے اُڑنے یا نہ اُڑنے سے اچھے شگون یا بد شگونی کا عقیدہ بالکل وابستہ نہ کرو۔ یہ نہ کسی کام کو روک سکتے ہیں اور نہ کسی کام کو مکمل کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حرکت کو شرک سے تعبیر فرماتے ہیں، یعنی جن امور کا تعلق براہِ راست اللہ تعالیٰ سے ہے، اسے جانوروں سے وابستہ کرنا شرک ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ قَالَهٗ ثَلَاثًا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ابوداؤد، کتاب الکهانة والتطیر، باب فی الطیر والخط)

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار تاکید کے ساتھ فرمایا، بدفالی شرک ہے۔ اسی مضمون کی ایک اور حدیث ان الفاظ پر مشتمل ہے۔

عَنْ قَبِيصَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الْعِيَافَةُ وَالطَّرْقُ وَالطِّيَرَةُ مِنَ الْجِبْتِ۔ (أبو داؤد، كتاب الكهانة والتطير، باب في الخط وزجر الطير)

ترجمہ: حضرت قبیصہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پرندے اڑا کر فال لینا، رمل کا عمل کرنا اور بدفالی لینا، یہ سب امورِ شرک ہیں۔

یہ سلسلہ چھوٹے طبقے یا چند غیر تعلیم یافتہ لوگوں تک محدود نہیں، بلکہ بڑے بڑے مہذب اور اونچے درجے کے لوگ ان حرکتوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس دور میں یہ عام رواج ہے کہ دو حکومتوں کے سربراہ آپس میں ملتے ہیں یا بعض قومی یا ملکی تقریبات کا انعقاد ہوتا ہے تو فاختائیں اڑائی جاتی ہیں اور اسے باہمی صلح و آشتی اور محبت و تعلق کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی رُو سے یہ شرک تو ہے ہی لیکن اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ سب محض دکھاوے کے لیے ہوتا ہے۔ یہ لوگ رسماً فاختائیں بھی اُڑا دیتے ہیں اور انھیں امن و آشتی کی علامت بھی سمجھتے ہیں، لیکن اس میں عام طور پر مخلصانہ جذبات اور قلبی محبت کو کم ہی دخل ہوتا ہے۔ اصلی شے تو دل ہے۔ اگر دل صاف نہیں ہے اور اس میں عداوت کے جراثیم بھرے ہوئے ہیں تو ظواہر سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح وزارتوں اور عہدوں کے طلب گار دست شناسوں اور جوتشیوں کے دروازوں پر جاتے اور ان سے قسمت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ یہ سب غلط حرکتیں ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نماز کے آداب

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ رَفْعِهِمْ أَبْصَارَهُمْ عِنْدَ الدُّعَاءِ فِي الصَّلٰوةِ إِلَى السَّمَاءِ أَوْلَتُخْطَفَنَّ أَبْصَارُهُمْ۔ (صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب النهی عن رفع البصر الی السماء فی الصلوٰۃ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ نماز میں آسمان کی طرف نظریں اٹھانے سے رک جائیں، ورنہ ان کی نظریں اچک لی جائیں گی۔

نماز اسلام کا ایک بنیادی اور اساسی رکن ہے جو کسی صورت میں معاف نہیں۔ اس کو ادا کرنا بہر حال ضروری ہے۔ قرآن اور حدیث میں بار بار اس کی تاکید فرمائی گئی ہے اور لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ نماز پڑھیں، اس سے ہرگز روگردانی نہ کریں۔ تندرست ہوں تو کھڑے ہو کر پڑھیں، بیمار ہوں تو بیٹھ کر پڑھیں، بیٹھنے کی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر پڑھیں، اس سے بھی معذور ہوں تو اشارے سے یہ فریضہ انجام دیں۔

پھر نماز کے کچھ آداب ہیں، کچھ ارکان ہیں، کچھ طریقے ہیں، جن پر عمل کرنا ضروری ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ نماز کامل طور سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر پڑھنی چاہیے۔ اپنے اوپر عجز اور انکسار کی کیفیت طاری کر کے پڑھنی چاہیے۔ نماز میں اس طرح استغراق ہونا چاہیے کہ کسی چیز کی طرف کسی حالت میں بھی کوئی دھیان نہ ہو، فقط اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان ہو۔

مختلف سیاق وسباق میں قرآن مجید میں بار بار نماز کا ذکر آیا ہے۔ کہیں اس بات کا تذکرہ ہے کہ نماز کا متعین اوقات میں ادا کرنا ضروری ہے، کہیں اوقات کی صراحت ہے، کہیں اس امر کی وضاحت ہے کہ پانچ نمازوں میں، کن نمازوں کو روحانی برکات کے اعتبار سے زیادہ فضیلت حاصل ہے۔ کہیں نماز کے ظاہری آداب وشرائط کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور کہیں اس نقطہ اخلاص پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ عبادت کی تمام صورتوں اور نماز کا اصل مقصد، اللہ تعالیٰ کی رضا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جوئی اور خوش نودی حاصل کرنا ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ (الانعام:۱۶۲)

ترجمہ: (اے پیغمبر) کہہ دیجیے کہ میری نماز، میری قربانیاں، میری زندگی اور میری موت، سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔

قرآن نے انداز اور سلوب بدل بدل کر، اس بات پر بار بار روشنی ڈالی ہے کہ بندگی اور عبودیت کے اس رشتے کو، جسے نماز کہا جاتا ہے، مسلمانوں کی عملی زندگی میں نکھرنا اور آشکار ہونا چاہیے، اور ان تمام پاکیزہ مراحل کو طے کرنا چاہیے جو انسان کی زندگی کو لطیف تر روحانی و اخلاقی سانچوں میں ڈھالنے کا سبب بنتے ہیں۔

نماز کے بارے میں اس حقیقت کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اس فریضے کی حیثیت صرف ایک حکم اور اس کی رسمی بجا آوری کی نہیں، بلکہ اس کا تعلق انسانی فطرت اور اس کے عمق و باطن سے ہے، یہ ایک وقتی اور اتفاقی حکم نہیں، بلکہ یہ ابدی اظہارِ نیازمندی ہے، جس پر نظام عالم کا پورا کارخانہ قائم ہے۔ قیام، رکوع اور سجود، نماز کے لازمی ارکان ہیں، اور کائنات میں فطری طور پر عبودیت، اطاعت اور نیازمندی کا جو ہمہ گیر وصف پایا جاتا ہے، ان سے اس کی مکمل ترجمانی ہوتی ہے۔

پھر نماز کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ عبادت کی یہ ایک جامع ترین شکل ہے۔ اس میں صرف غور و فکر اور استغراق باطنی ہی نہیں پایا جاتا، نہ محض زبانی اظہارِ تشکر کو کافی سمجھا جاتا ہے، بلکہ عبادت کی یہ ایک ایسی صورت ہے، جس میں قلب و ذہن بھی فکر و تعمق کا فریضہ ادا کرتے ہیں، زبان بھی ذکر خداوندی سے آراستہ ہے اور اعضاء و جوارح بھی رکوع، سجدہ اور قیام کی شکل میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبودیت میں مصروف ہوتے ہیں یعنی ہر حصۂ جسم عبادتِ الٰہی میں مشغول ہوتا ہے۔

جب صورتِ حال یہ ہو، اور انسان اپنے آپ کو یادِ خدا اور ذکرِ الٰہی میں پوری طرح مستغرق و منہمک کر دے تو ظاہر ہے وہ دنیا کے تمام معاملات سے الگ ہو جائے گا اور اپنے آپ کو کلی طور اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دے گا۔ صحیح مسلم کی اس حدیث میں یہی کچھ بیان کیا گیا ہے۔

یعنی نماز اس اہتمام اور توجہ کے ساتھ پڑھو کہ ادھر اُدھر نہ دیکھو، دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف رکھو، اس کی رضامندی کو مرکز التفات ٹھہراؤ، جو الفاظ زبان سے ادا کر رہے ہو، ان کے معنی و

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطلب کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرو۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ نماز میں اِدھر اُدھر دیکھتے رہتے ہیں، ہاتھ بھی ہلاتے رہتے ہیں اور ٹانگوں کو بھی حرکت دیتے رہتے ہیں۔ یہ سب چیزیں ناجائز ہیں، آدابِ نماز کے خلاف ہیں اور ان سے نماز میں نقص پیدا ہوتا ہے۔ بعض دفعہ نماز ٹوٹنے کا خطرہ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ لوگ نماز میں آسمان کی طرف نظریں اٹھا کر نہ دیکھیں، اس حرکت سے باز رہیں، یہ اتنی غلط بات ہے کہ اس کی یہ سزا ہو سکتی ہے کہ ان کی آنکھیں اچک لی جائیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ نماز اس قدر لطیف اور نازک عبادت ہے کہ اس میں دوسری کسی چیز کا تصور تو کجا، یہ بھی جائز نہیں کہ انسان، حالتِ نماز میں آسمان کی طرف ہی نظر اُٹھا سکے۔

بعض دفعہ نماز میں دعائیہ کلمات ادا کرتے وقت انسان پر ایسی بے خودی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، جو اسے عجز و زاری کے اونچے مقام پر لا کھڑا کرتی ہے، اور وہ آسمان کی طرف نظریں اٹھا کر دعائیہ کلمات ادا کرنا شروع کر دیتا ہے۔ حدیث میں حالت نماز میں اوپر نظر اٹھانے سے منع کیا گیا ہے اور ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اس کے نتیجے میں ایسی حرکت کرنے والے شخص کی آنکھیں چندھیائی جا سکتی ہیں۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عبادات میں نماز کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ اسے ادا کرتے وقت قلب و ذہن کو حاضر رکھا جائے۔ اپنے آپ پر یہ احساس طاری کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں کھڑا ہے، نظر سجدے کے مقام پر رہنی چاہیے۔ نظریں گھما کر دوسری طرف بالکل نہیں دیکھنا چاہیے، جو الفاظ زبان سے ادا ہو رہے ہیں، ان کے معانی پر غور ہونا چاہیے اور خالصتاً متوجہ الی اللہ ہو کر یہ بنیادی فریضہ ادا کرنا چاہیے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چند معاشرتی برائیاں

عَنْ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ صَعِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْمِنْبَرَ فَنَادٰى بِصَوْتٍ رَفِيْعٍ يَامَعْشَرَ مَنْ قَدْ اَسْلَمَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يُفْضِ الْاِيْمَانُ اِلٰى قَلْبِهٖ لَاتُؤْذُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَاتُعَيِّرُوْهُمْ وَلَاتَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهٗ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ يَتَتَبَّعُ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِيْ جَوْفِ رَحْلِهٖ۔

(جامع ترمذی، ابواب البر والصلة باب ماجاء فی تعظیم المومن)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور بلند آواز سے پکارا۔ اے وہ لوگو جو زبان سے ایمان لائے ہو اور ان کے دلوں میں ابھی پوری طرح ایمان نہیں اُترا ہے..... (یہ باتیں یاد رکھو کہ) مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچاؤ، ان کو کسی معاملے میں عار دلا کر شرم سار نہ کرو، ان کے چھپے ہوئے عیبوں کے پیچھے نہ پڑو۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے پوشیدہ عیبوں کو تلاش کرے گا اور اس کو بدنام اور رُسوا کرنے کی کوشش کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے عیبوں کے پیچھے پڑ جائے گا اور جس شخص کے عیبوں کے پیچھے اللہ تعالیٰ پڑ جائے، وہ اس کو ذلیل اور رسوا کر دے گا، اگرچہ وہ شخص اپنے گھر کے اندر ہی ہو!

انبیا علیہم السلام کے سوا دنیا میں کوئی ایسی شخصیت پیدا نہیں ہوئی جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو اور جو لغزشوں سے پاک ہو۔ صرف انبیا علیہم السلام کا وہ مقدس گروہ ہے جو ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک، تمام معصیتوں سے منزہ اور ہر نوع کی خطاؤں سے مبرا ہے، انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دنیا کے کسی شخص کو معصوم قرار نہیں دیا جا سکتا، خطا و لغزش کے ارتکاب سے کوئی بھی محفوظ نہیں۔

لیکن گناہ گاروں اور معصیت و خطا کے مرتکبین کے الگ الگ مدارج ہیں۔ کچھ لوگ تو وہ ہیں جنھوں نے گناہ کیے اور ان پر اڑ گئے، ان سے رکنے کے بجائے مزید مبتلائے معاصی ہوتے گئے۔ یہ دنیا کے سب سے برے لوگ ہیں، انھیں اشرار الناس کہنا چاہیے۔ ان کا احساس مر چکا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، ان کے قلب وضمیر کے ہر گوشے سے افسوس وندامت کی رمق کلیتہً ختم ہوگئی ہے، گناہ ان کے ذہنوں میں اس قدر رچ بس گیا ہے کہ اس کے ارتکاب سے انہیں قطعاً کوئی احساسِ ندامت نہیں ہوتا۔ بلکہ جب تک وہ گناہ نہ کرلیں انھیں تسلی نہیں ہوتی۔

کچھ لوگ وہ ہیں جن سے بہ تقاضائے بشریت گناہوں کا صدور تو ہو جاتا ہے، لیکن وہ ان پر اصرار اور مداومت نہیں کرتے، بلکہ اپنے دل کو ہدف ملامت ٹھہراتے اور افسوس وندامت کے آنسو بہاتے ہیں۔ ان لوگوں کو گناہ سے شدید نفرت ہے اور اسے وہ نہایت مکروہ شے سمجھتے ہیں۔ جب تک اس کی تلافی نہ ہو جائے اور وہ اس سے توبہ نہ کرلیں، انھیں قرار نہیں آتا۔ گناہ ان کے دل کے سکون کو درہم برہم کر دیتا ہے اور ان کے ذہن وضمیر کا اطمینان اس سے معطل ہو کر رہ جاتا ہے۔ انہی خوش قسمت لوگوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

خَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ۔ (او کما قال)

کہ گناہ گاروں میں سے وہ بہترین لوگ ہیں، جو اپنے گناہوں پر ندامت کے آنسو بہاتے اور ان سے تائب ہو جاتے ہیں۔

پھر گناہوں کی بھی کوئی حد نہیں ہے۔ انسان کے چاروں طرف جہاں لاتعداد نیکیاں پھیلی ہوئی ہیں، وہاں گناہوں اور معصیتوں کا بھی شمار نہیں۔ کسی کو اذیت پہنچانا، بے جا طنز کرنا، اس کے عیوب ونقائص کی ٹوہ میں رہنا اور پھر اسے بدنام کرنے کی کوشش کرنا، یہ سب باتیں گناہوں کی طویل فہرست میں شامل ہیں۔ لیکن افسوس ہے یہ چیزیں ہماری روزمرہ کی ایک عادت بن گئی ہیں اور بدقسمتی سے ہم بالکل خیال نہیں کرتے کہ ان سے بچنا چاہیے۔

اس حدیث میں جو اوپر درج کی گئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے خاص طور سے منبر پر چڑھ کر ان تین چیزوں سے سختی کے ساتھ منع فرمایا:

۱۔ مسلمانوں کو ستانے اور تکلیف پہنچانے سے

۲۔ ان کو عار دلانے اور شرم سار کرنے سے۔۔۔۔ اور

۳۔ ان کے چھپے ہوئے عیبوں کی ٹوہ لگا کر ان کو فاش کرنے سے

فرمایا یہ قانونِ خداوندی ہے اور کوئی شخص اس کے دائرے سے باہر نہیں کہ جو شخص کسی مسلمان بھائی کے چھپے ہوئے عیبوں کی تلاش میں رہے گا اور اس کو رُسوا اور بدنام کرنے کے لیے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوشاں ہوگا، خود اللہ تعالیٰ لوگوں پر اس کے عیوب ظاہر کر دے گا اور کسی کی بدنامی کرنے والا خود ہی بدنام ہو جائے گا، اگرچہ اس کی بدنامی اور رسوائی کا دائرہ محدود ہو اور گھر کی چہار دیواری تک ہی ہو، مگر وہ بدنام اور رُسوا بہر حال ہوگا۔

یہ قدرتی بات ہے کہ جس شخص کے دل میں ایمان کی جڑیں مضبوط ہو جاتی ہیں اور وہ اس کے قلب وضمیر کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے، وہ شخص تمام عیوب اور ہر چھوٹے بڑے گناہ کے ارتکاب سے محفوظ رہنے کی سعی کرتا ہے۔ ایسا شخص دوسروں کے متعلق اظہار رائے میں محتاط ہو جاتا ہے اور اس کی نظر صرف اپنے ہی عیبوں کو تلاش کرتی ہے، دوسرے کے عیب کی طرف اس کی نگاہ مرتکز نہیں ہوتی۔ وہ اس حقیقت کو پالیتا ہے کہ جس قدر اس کا اپنا آئینہ دل صاف ہوگا اسی قدر اس کی زبان میں اثر، اس کے قلب میں پاکیزگی اور اس کی باتوں میں تاثیر و جاذبیت کی کیفیتیں رونما ہوں گی۔ وہ دوسروں کو بدنام اور ذلیل ورُسوا کرنے کی بجائے خود اپنے آپ کو گناہوں سے مجتنب رکھنے کی فکر میں رہے گا۔

اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو ذلیل وشرمندہ کرے گا اور اس کے چھپے ہوئے عیب لوگوں پر ظاہر کرنے کی کوشش میں رہے گا تو اللہ تعالیٰ ایسے اسباب پیدا کر دے گا کہ وہ خود ہی بدنام ہوگا اور اس کے عیوب و نقائص عوام کے سامنے آئیں گے، یعنی جن ہتھیاروں سے وہ دوسروں کو زخمی کرنا چاہتا ہے، خود ہی ان کی زد میں آ جائے گا۔

یہ حدیث معاشرتی اصلاح کے لیے بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ معاشرتی برائیاں دوسروں کی عیب جوئی کرنے، ان کو روحانی اور جسمانی اذیتوں میں مبتلا کرنے اور ان کو کسی معاملے میں مطعون ٹھہرانے اور شرم سار کرنے ہی سے پیدا ہوتی اور پھیلتی ہیں۔ ایک شخص دوسرے پر الزام لگاتا ہے تو دوسرا اس کے عیبوں کی تلاش میں مصروف ہو جاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دونوں فریق آپس میں دشمنی پر اتر آتے ہیں اور باہمی بگاڑ کی ایک واضح شکل سامنے آ جاتی ہے اور روز بروز اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو اس سے سختی کے ساتھ روکا ہے اور آپس میں اتفاق واتحاد کی تاکید فرمائی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اخلاص اور اللہ تعالیٰ کا خوف

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ حَتّٰى يَدَعَ مَالَا بَأْسَ حَذَرًا لِمَا بِهٖ بَأْسٌ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ کوئی شخص اس وقت تک اصحاب تقویٰ کے مقام بلند تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا جب تک وہ ناجائز امور میں مبتلا ہونے کے خطرے کے پیش نظر کچھ جائز امور کو بھی ترک نہ کردے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں تقویٰ کے مقام رفیع کی نزاکتوں کو نہایت عمدہ اسلوب میں بیان فرمایا گیا ہے۔

بات یہ ہے کہ ایک چیز جائز ہوتی ہے، اور ایک ناجائز۔ لیکن مقام تقویٰ کی بلندی اور رفعت شان اس تقسیم کی قائل نہیں۔ اس کے تقاضے کچھ اور ہیں۔ تقویٰ میں بعض ان امور سے بھی دست بردار ہونا پڑتا ہے، جو بہ ظاہر جواز کے دائرے میں داخل ہوتے ہیں تاکہ متقی کا دامن کسی ایسی چیز سے ملوث نہ ہو، جو کسی بھی صورت میں اشتباہ کے حدود میں داخل ہوسکتی ہے۔ اس کی وضاحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مشہور صحابی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ ''کامل تقویٰ یہ ہے کہ انسان بعض حلال امور کو بھی اس خوف کی بنا پر ترک کردے کہ کہیں ان میں حرام کے جراثیم موجود نہ ہوں تاکہ حرام اور حلال کے درمیان ایک پردہ باقی رہ جائے۔''

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''میں یہ چاہتا ہوں کہ ہمیشہ اپنے اور امور حرام کے درمیان ایک حجاب قائم رکھوں اور اسے چاک نہ ہونے دوں۔''

میمون بن مہران کا کہنا ہے کہ ''انسان فقط حلال پر اس وقت تک قائم نہیں رہ سکتا جب تک کہ حلال کے ایک حصے کو اپنی ذات اور اشیائے حرام کے درمیان حائل نہ ہونے دے۔''

یہاں ہم اس ضمن میں جامع العلوم کے حوالے سے حافظ ابن رجب حنبلی کی ایک عبارت درج کرنا چاہتے ہیں جس میں انھوں نے تقویٰ کے بارے میں میں ایک اہم نکتے کی طرف عنان توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ: یہاں ایک بات سمجھ لینا ضروری ہے اور وہ بات یہ ہے کہ شبہات کے بارے میں اس شخص کو تو باریک بینی سے کام لینا چاہیے، جس کے ذاتی احوال و اوصاف کا معیار بھی اونچا ہو اور اس کے ورع و تقویٰ کا پیمانہ بھی بلند ہو، لیکن وہ شخص جو کھلم کھلا محرمات کا مرتکب ہوتا ہو اور پھر اس کے بعد باریکیاں نکال کر متقی بننے کا شوق رکھتا ہو، تو یہ بات نہ صرف یہ کہ اس کے لیے مناسب نہیں، بلکہ قابل مذمت ہوگی۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے عراق کے ایک شخص نے سوال کیا کہ اگر (حالتِ احرام میں) مچھر مار دیا جائے، تو اس کو کیا سزا دینی چاہیے؟ انھوں نے فرمایا کہ تعجب ہے ان لوگوں نے (نواسہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو تو شہید کر ڈالا، اب مجھ سے مچھر کے خون کا فتویٰ پوچھنے آئے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ فرماتے ہوئے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ وہ (یعنی حسن اور حسین رضی اللہ عنہما) دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔

اسی طرح بشر بن حارث سے ایک شخص نے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص کی والدہ یہ کہتی ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔ اب اسے کیا کرنا چاہیے (ماں کا یہ حکم ماننے یا نہ ماننے) انھوں نے جواب دیا۔ اگر وہ شخص اپنی والدہ کے تمام حقوق ادا کر چکا ہے اور اس کی فرماں برداری میں طلاق دینے کا حکم ماننے کے سوا اور کوئی بات باقی نہیں رہی ہے، تو اسے طلاق دے دینی چاہیے۔ (اور اگر ایسا نہیں تو طلاق کیوں دے)

حضرت عبداللہ بن عمر اور بشر بن حارث رضی اللہ عنہ کے یہ ارشادات اپنے مندرجات کے اعتبار سے بالکل واضح ہیں۔ ان میں ظاہر داری کی نیکی اور ایسے تقویٰ کی جس میں کوئی جان نہ ہو اور والدین کی ایسی اطاعت کی، جس میں ریا کے سوا اور کچھ نہ ہو، شدید مذمت کی گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور بشر بن حارث رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو ایسا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے، جو اس کی زندگی کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اطاعت کی راہ پر گامزن ہونے میں مدد دے، اور جس سے اس کے دل میں اخلاص اور اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہو۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیکی اور صدقے کی مختلف صورتیں

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كُلُّ سُلَامَیٰ مِنَ النَّاسِ عَلَیْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ یَوْمٍ تَطْلُعُ فِیْهِ الشَّمْسُ یَعْدِلُ بَیْنَ الْاِثْنَیْنِ صَدَقَةٌ وَیُعِیْنُ الرَّجُلَ عَلٰی دَابَّتِهٖ فَیَحْمِلُ عَلَیْهِ صَدَقَةٌ اَوْ یَرْفَعُ فِیْهِ مَتَاعَهٗ صَدَقَةٌ وَكُلُّ خُطْوَةٍ یَخْطُوْهَا اِلَی الصَّلٰوةِ صَدَقَةٌ وَیُمِیْطُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ صَدَقَةٌ۔ (صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب بیان ان اسم الصدقۃ یقع علی کل نوع من المعروف)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، روزانہ جب سورج نکلتا ہے تو انسان کے جسم میں جتنے جوڑ اور بند ہیں، ان سب کی طرف سے اس پر ضروری ہے کہ صدقہ کرے۔

۱۔ وہ دو آدمیوں کے درمیان کسی معاملے میں فیصلہ کرا دیتا ہے، یہ بھی صدقہ ہے۔

۲۔ کسی سوار کی مدد کرتا اور اس کو سواری پر سوار کرا دیتا ہے، یہ بھی صدقہ ہے۔

۳۔ کسی کا سامان اٹھانے میں اس کی اعانت کرتا ہے، یہ بھی صدقہ ہے۔

۴۔ کوئی اچھی بات زبان سے نکالتا ہے، یہ بھی صدقہ ہے۔

۵۔ ہر وہ قدم جو نماز کے لیے اٹھاتا ہے، یہ بھی صدقہ ہے۔

۶۔ راستے میں کوئی تکلیف دہ چیز پڑی ہوئی دیکھتا ہے اور اسے اٹھا کر دور پھینک دیتا ہے، یہ بھی صدقہ ہے۔

صدقہ اور نیکی دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے بعض نیکیوں کو انسان کے لیے نہایت آسان بنا دیا ہے اور اس کے لیے اتنی سہولتیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیدا کر دی ہیں کہ وہ بغیر کسی تکلیف اور دشواری کے نیکی اور صدقے کے اہم فرائض سے سبک دوش ہو سکتا ہے۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس کے حدود کی وضاحت فرما دی ہے۔ مثلاً:

دو شخص آپس میں کسی وجہ سے خفا ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے عداوت رکھتے ہیں، ان دونوں کی صلح کرا دینا اور ان کی باہمی رنجش کا خاتمہ کرا دینا بہت بڑی نیکی اور بہت بڑا صدقہ ہے..... دو شخصوں کی یہ خفگی ممکن ہے بظاہر کسی کو معمولی بات معلوم ہوتی ہو، لیکن درحقیقت یہ بڑی خطرناک شے ہے، اس کو ابتدا ہی میں اگر ختم نہ کر دیا جائے تو یہ دونوں کے دلوں میں برابر پلتی اور بڑھتی رہتی ہے اور اس میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ پھر ہر وقت یہ اندیشہ لاحق رہتا ہے کہ کسی دن اس کے نتائج خطرناک نکل آئیں اور یہ معمولی رنجش کسی بہت بڑے فتنے کا دروازہ کھول دے..... لہٰذا ضروری ہے کہ پہلے دن ہی اس کا سدِ باب کر دیا جائے۔ جو شخص اس سلسلے میں آگے بڑھتا ہے اور فریقین کی مصالحت کرا دیتا ہے، وہ بہت بڑی نیکی اور بہت بڑا صدقہ کرتا ہے۔

اسی طرح سواری پر سوار ہونے میں کسی کی مدد کرنا، اس کا سامان اٹھا کر سواری پر رکھ دینا، اس کے لیے ٹکٹ خرید دینا، اسے لوگوں کی بھیڑ سے باہر نکال دینا، عظیم نیکی اور صدقہ ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی جسمانی کمزوری یا کسی اور وجہ سے ان نیکیوں میں سے کوئی نیکی بھی کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، یا سستی اور کاہلی کے باعث اس طرف زیادہ توجہ نہیں دیتا، وہ زبان سے میٹھا بول بولے اور کوئی ایسی بات منہ سے نہ نکالے جس سے کسی کو قلبی اور ذہنی تکلیف پہنچتی ہو، یہ بھی بہت بڑی نیکی ہے اور بہت بڑے اجر کا کام ہے۔ جب کچھ بولنا ہی ہے اور زبان سے کوئی بات نکالنا ہی ہے، تو کیوں اچھی اور میٹھی بات نہ کی جائے اور گفتگو میں مخاطب کو پیار، محبت اور نرمی سے خطاب نہ کیا جائے۔

نماز کے لیے مسجد کو جانا عظیم الشان اور بنیادی نیکی ہے۔ اس سلسلے میں جو قدم بھی اٹھے گا، اسے مستقل صدقے کی حیثیت حاصل ہوگی۔

راستے میں پڑی ہوئی کسی تکلیف دہ چیز کو اٹھا کر دور کر دینا کہ اس سے کسی کو اذیت نہ پہنچے، نیکی اور صدقہ ہے۔ مثلاً کیلے کا چھلکا، خربوزے کا چھلکا، اینٹ روڑا وغیرہ راستے سے اٹھا دینا تاکہ راہ گزر پھسل نہ جائے یا اسے ٹھوکر نہ لگے، یہ سب باتیں نیکی اور صدقے کی تعریف میں آتی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔اس دنیا میں نیکی اور صدقے کی کوئی کمی نہیں۔ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ انسان یہ عہد اور تہیہ کر لے کہ اسے ہر صورت میں نیکی کرنا اور برائی سے حتی الامکان مجتنب رہنا ہے۔

اس کے برعکس جو شخص اشتعال اور سوخ کے باوجود جھگڑے والے فریقوں میں مصالحت نہیں کراتا، نرمی کے بجائے گفتگو میں سخت لہجہ اختیار کرتا ہے، نماز کے لیے مسجد میں نہیں جاتا، تکلیف دہ چیز کو راستے میں پھینک دیتا ہے یا راستے میں پڑی ہوئی چیز کو نہیں اٹھاتا، وہ برائی کا ارتکاب کرتا ہے۔بہر حال اس دنیا میں نیکی اور برائی دونوں کی کثرت ہے۔جو شخص نیکی کرنا چاہتا ہے اس کے لیے بھی میدان کھلا ہے، جتنی نیکی چاہے کرتا جائے، اس کی کوئی حد نہیں۔۔۔۔ جو برائی کا خواہش مند ہے، اس کی حدود بھی دور تک پھیلی ہوئی ہیں اور بڑی طویل وعریض ہیں جس قدر چاہے برائی کا ارتکاب کرتا جائے، اگر دل میں خوف خدا نہیں ہے تو کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔

اسلامی نقطہ نظر سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنے لیے بھی اچھائی اور خیر پسند کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتا ہے۔اس عالم آب وگل میں نیکی پھیلانا اور اس کی نشر واشاعت کے لیے کوشاں رہنا، اصل اور بنیادی کام ہے اور اس کی بے شمار صورتیں ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رمضان المبارک کے تین عشروں کی خصوصیات

عَنْ سَلْمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَاَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَاٰخِرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ۔ (بیهقی فی شعب الایمان، باب فی الصیام فصل فضائل شهر رمضان)

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا..... رمضان وہ مہینہ ہے، جس کے پہلے دس دن اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے دن ہیں، درمیان کے دس دن اللہ تعالیٰ کی بخشش کے دن ہیں اور آخری دس دن دوزخ کی آگ سے بچاؤ کا ذریعہ ہیں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ممتاز صحابی تھے۔ ان سے حدیث کی مختلف کتابوں میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خطبہ مروی ہے، جو آپ نے شعبان کی آخری تاریخ کو یعنی رمضان سے صرف ایک دن بیشتر مدینہ منورہ میں صحابہ کے مجمع میں ارشاد فرمایا۔ یہ خطبہ نہایت اہمیت کا حامل ہے اور چوں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت کے ذریعے سے پہنچا ہے، اس لیے ''خطبہ سلمان فارسی'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس خطبے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ الفاظ بھی مروی ہیں جو اوپر درج کیے گئے ہیں۔ یہ خطبہ مشکوٰۃ کی کتاب الصوم کی فصل ثالث میں بیان ہوا ہے۔ بعض اور کتابوں میں بھی منقول ہے، کسی میں کچھ لفظ کم ہیں اور کسی میں زیادہ!

اس خطبے کے جو الفاظ اوپر درج کیے گئے ہیں، ان کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کا مبارک و مقدس مہینہ تین عشروں میں منقسم ہے اور ہر عشرہ خاص امتیازات و خصائص کا حامل ہے، جن میں ایک سچے اور پاک باز مسلمان کے لیے ہر ہر قدم پر بے شمار برکتیں اور فضیلتیں پنہاں ہیں۔

عشرۂ اول میں یعنی یکم رمضان سے دس رمضان تک، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں، نوازشوں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بندے اگر اپنا طرز حیات بدل لیں اور اپنے آپ کو احکام خداوندی کے تابع کر دیں تو رحمتوں سے بھرپور ان دنوں میں زیادہ سے زیادہ فیض حاصل کر سکتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ظاہر ہے جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں کے لیے خاص کر لے وہ اس پر اپنے کرم کا نزول شروع فرما دے، اس سے خوش قسمت کوئی شخص نہیں ہوسکتا۔اس کی زندگی ہر لحاظ سے قابلِ رشک ہے اور وہ دنیا و عقبیٰ میں کامیاب و کامران ہے۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہو گیا تو لازماً تمام ذہنی اذیتوں، روحانی تکلیفوں اور فکری الجھنوں سے نجات پا گیا۔

عشرۂ ثانی کا آغاز گیارہ رمضان سے ہوتا ہے اور ۲۰ رمضان کو یہ عشرہ ختم ہوتا ہے۔ ماہ رمضان کے دس دن کی اس مدت کو اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور بخشش کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے یعنی جو لوگ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے روزہ رکھتے اور طلب اجر و ثواب کے لیے بھوک پیاس کی شدتیں برداشت کرتے ہیں، ان کے گناہوں پر خط تنسیخ کھینچ دیا جاتا ہے اور وہ ان دس دنوں میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے حق دار ہو جاتے ہیں۔

عشرۂ ثالث یعنی اکیس رمضان سے آخری تاریخ تک کے دس روز دوزخ کی آگ سے بچاؤ کا ذریعہ ہیں۔ یہ دس دن اپنے اندر بے انتہا فضائل رکھتے ہیں۔ان میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اعتکاف کرتے ہیں اور اعتکاف کرنے والے بارگاہِ الٰہی سے بے شمار درجات پاتے ہیں۔ پھر اسی عشرے میں لیلۃ القدر آتی ہے، جس میں عبادت کرنا، قرآن کی رو سے ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے بھی افضل ہے۔ پھر ان ہی دنوں میں عید سے پہلے صدقۃ الفطر ادا کیا جاتا ہے، جس سے لاتعداد مستحق اور غریب آدمی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ظاہر ہے، یہ تمام باتیں بہ درجہ غایت قابلِ ستائش ہیں۔اگر ان میں نیت خالص ہو اور واحد مقصد حصول رضائے الٰہی ہو تو ان عبادات کا نتیجہ یقیناً دوزخ کی آگ سے حفاظت ثابت ہوگا۔

جس بلند بخت شخص نے رمضان میں محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور حصول اجر و ثواب کے لیے روزے رکھے، وہ تین چیزوں کا مستحق ٹھہرا۔ (۱) اللہ تعالیٰ کی رحمت کا (۲) اس کی مغفرت کا اور (۳) دوزخ کی آگ سے محفوظ رہنے کا۔۔۔۔۔۔ یہ انسانی کامیابی کی آخری حد ہے۔جس شخص نے نیکی کے میدان میں اس قدر تگ و تاز کی اور رمضان المبارک میں اتنی عبادت کی کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت اسے حاصل ہوگئی اور دوزخ سے حفاظت کی اس کو ضمانت مل گئی، وہ یقیناً دنیا کا عظیم انسان ہے اور اس نے فوز و فلاح کے آخری فرازوں تک رسائی حاصل کر لی۔

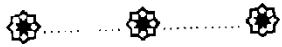

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دو کردار۔۔۔۔۔اچھا اور بُرا

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ سَتَرَ عَوْرَةَ اَخِیْهِ الْمُسْلِمِ سَتَرَاللّٰہُ عَوْرَتَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَمَنْ کَشَفَ عَوْرَةَ اَخِیْهِ الْمُسْلِمِ کَشَفَ اللّٰہُ عَوْرَتَهٗ حَتّٰی یَفْضَحَهٗ بِهَا فِیْ بَیْتِهٖ۔(ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہے، اللہ قیامت کے دن، اس کے عیوب کی پردہ پوشی کرے گا۔ اور جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیب ظاہر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے عیب ظاہر کرے گا، یہاں تک کہ اس کی وجہ سے اس کے گھر ہی میں اسے ذلیل کر دے گا۔

اسلام میں جن اخلاقی قدروں کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے، ان میں اکرام مسلم اور احترام مومن سرفہرست ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کو ضروری قرار دیا ہے۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی عزت کرتا اور اس کے لیے دل میں اچھے جذبات رکھتا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں اس کی بے حد تعریف کی گئی ہے۔۔۔۔اور جس شخص کا دل اپنے مسلمان بھائی کی تکریم سے خالی ہے اور وہ کسی نہ کسی طرح اس کے درپے آزار رہتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مذمت فرمائی ہے۔ کسی کو تکلیف پہنچانے اور ایذا دینے کی کئی صورتیں ہیں۔ اس کی اہانت کرنا، اس کی تذلیل کرنا، اس کو گالی گلوچ دینا، اس کے عیب لوگوں کو بتانا اور ان کی تشہیر کرنا، ایذا رسانی کے ذیل میں آتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو انتہائی مذموم حرکت قرار دیا ہے۔

اس کے برعکس مسلمان کی پردہ پوشی کرنا اور اس کے ذاتی عیوب و نقائص کو چھپانا بہت بڑی نیکی اور ایک اہم اخلاقی قدر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صفت کے حامل شخص کی تعریف فرمائی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی لغزشوں کو چھپاتا اور ان پر پردہ ڈالتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جب کہ لوگوں کی غلطیاں ایک خاص شکل میں متشکل ہو کر ان کے سامنے آ کھڑی ہوں گی، اس کی غلطیوں اور لغزشوں پر پردہ ڈال دے گا۔ کسی پر ان کو ظاہر نہیں ہونے دے گا۔ صرف اس لیے کہ اس شخص نے دنیا میں اپنے مسلمان بھائی کی غلطی پر پردہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈالا تھا۔ لیکن جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی عیب جوئی کرتا اور اس کے نقائص لوگوں کو بتاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی دنیا میں اس کے عیب ظاہر ہو جائیں گے اور ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے کہ وہ خود اپنے ہی گھر میں اپنے اس غلط کردار کی وجہ سے ذلت و فضیحت میں مبتلا ہو جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث میں دو قسم کے لوگوں کے ذاتی کردار کا ذکر فرمایا گیا ہے اور اس کردار سے جو نتیجہ نکلتا ہے، اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ ایک ان لوگوں کا، جنھیں اس بات کا پوری طرح علم ہوتا ہے کہ فلاں شخص کسی غلطی کا مرتکب ہوا ہے، اور اس سے فلاں لغزش سرزد ہو گئی ہے، مگر وہ اس کی تشہیر نہیں کرتے اور کسی کے سامنے اس کا ڈھنڈورا نہیں پیٹتے، فقط اس لیے کہ غلطی کا ارتکاب کرنے والا شخص معاشرے میں یا اپنے خاندان اور اعزہ و اقارب اور حلقہ احباب میں بدنام نہ ہو جائے اور لوگوں میں اس کی توہین نہ ہو۔۔۔ اللہ تعالیٰ ان پردہ پوش لوگوں سے خوش ہوتا ہے اور انھیں اس کردار کا بہتر بدلہ دیتا ہے کہ انھوں نے دوسرے کے عیب کو محض لوجہ اللہ لوگوں سے چھپائے رکھا اور غلطی کرنے والے کو جہاں تک ممکن تھا معاشرے میں ذلیل ہونے سے بچایا۔

دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو دوسروں کے عیب و نقائص کی ٹوہ میں رہتے ہیں۔ اگر انہیں کسی کی چھوٹی موٹی غلطی کا پتا چل جائے تو اسے خوب بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ اس غلطی کو ہر شخص کے علم میں لے آئیں۔ اس سے ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں اس شخص کی عزت و آبرو باقی نہ رہے اور لوگ اس کو نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگیں۔

اس قسم کے لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک انتہائی قابل نفرت ہیں اور کسی نہ کسی صورت میں جلد یا بدیر اپنے کیے کی سزا پاتے ہیں۔ دوسروں کی غلطیوں کو اچھالنے اور ان کی لغزشوں کو پھیلانے والے لوگ معاشرے کے ہر طبقے میں پائے جاتے ہیں۔ پڑھے لکھے حضرات میں بھی یہ عادت پائی جاتی ہے اور ان پڑھ لوگوں میں بھی! لیکن ہر شخص کا طریق اظہار اور اسلوب بیان مختلف ہوتا ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس سے وہ غلطی یا عیب مراد ہے، جس کی نوعیت انفرادی ہو اور وہ کم اہمیت کی حامل ہو۔۔۔۔۔۔ لیکن اگر غلطی اجتماعی نوعیت کی ہو اور اس کے ارتکاب سے پورے اسلامی معاشرے کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہو اور اس کے چھپانے سے کسی بھی سطح پر قومی، ملی اور اجتماعی نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو اس سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہیے اور متعلقہ لوگوں کے علم میں لا کر معاشرے کو اس کے خطرناک نتائج سے بچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آداب واخلاق کے چند ضروری پہلو

عَنِ الْمُغِيرَةَ بْنِ شُعْبَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ وَمَنَعًا وَهَاتِ وَوَأْدَ الْبَنَاتِ وَكَرِهَ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةَ الْمَالِ (صحیح بخاری، کتاب الآداب، باب عقوق الوالدین من الکبائر)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام قرار دیا ہے، ماؤں کی نافرمانی کو، کسی کو کچھ نہ دینے کو، سوال کرنے کو اور لڑکیاں زندہ دفن کر دینے کو۔ نیز تمھارے لیے اس نے مکروہ ٹھہرا دیا ہے، غیر محتاط طریقے سے باتیں کرنے کو، کثرت سے سوال کرنے کو اور مال ضائع کرنے کو۔۔۔!

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اسلامی آداب واخلاق کی چند نہایت ضروری اور بنیادی باتیں بیان فرمائی ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے چار چیزیں حرام قرار دے دی ہیں، ان سے بہر حال بچنا چاہیے اور اپنے عمل کو کسی صورت میں بھی اس کے ارتکاب سے ملوث نہیں کرنا چاہیے۔

پہلی بات جسے اللہ تعالیٰ نے انسان پر حرام قرار دیا ہے، ماں کی نافرمانی ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بچپن سے لے کر بڑی عمر تک انسان کی یہ عادت ہوتی ہے کہ والد کی بات تو مانتا ہے، لیکن ماں کی بات کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ وہ کوئی کام کہے تو اس پر عمل کرنے میں سستی کرتا ہے، حالانکہ حدیث میں ماں کی فضیلت بہت زیادہ بیان فرمائی گئی ہے۔ یوں تو ماں اور باپ دونوں کا اکرام ضروری ہے اور دونوں کے زیر فرمان رہنا لازم ہے، لیکن ماں کے بارے میں بالخصوص رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جنت ماں کے قدموں میں ہے، یعنی حصول جنت کا اصل ذریعہ ماں کی خدمت ہے۔

صحیح بخاری کے کتاب الآداب کے باب من احق الناس بحسن الصحبة میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ میرے لیے سب سے زیادہ حسن سلوک کا مستحق کون ہے؟ فرمایا تیری ماں۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ پھر کون؟ فرمایا تیری ماں۔ اس نے تیسری دفعہ عرض کیا پھر کون؟ فرمایا تیری ماں۔ چوتھی دفعہ عرض کیا پھر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کون؟ فرمایا تیرا باپ! یعنی حسنِ سلوک کے بارے میں باپ کی باری ماں کے بعد چوتھے درجے میں آئی، لہٰذا ماں کی کبھی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔ اس کے ساتھ زیادہ سے زیادہ عزت اور احترام کا برتاؤ کرنا چاہیے۔

دوسری چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے انسان پر حرام ٹھہرایا ہے، وہ ہے انسان کا انتہائی بخل سے کام لینا اور جو چیز اس کے اختیار اور قبضے میں ہے، اسے ضرورت مند اور مستحق آدمی کو دینے سے انکار کر دینا۔ یعنی کسی کی ضرورت کا بالکل احساس نہ کرنا اور ہوتے سوتے بھی کسی حق دار کو کچھ نہ دینا۔ بلکہ اگر کوئی اس کے سامنے اپنی ضرورت کا اظہار کرے بھی اور یقین بھی دلائے کہ وہ واقعی محتاج ہے، تو بھی قطعاً کوئی چیز نہ دینا۔

تیسری چیز جسے حرام ٹھہرایا گیا ہے، بلاضرورت سوال کرتے اور مانگتے رہنا ہے۔ بعض لوگ مانگنے کو پیشہ بنا لیتے ہیں اور سب کام چھوڑ کر مانگنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ نہایت بری عادت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پیشے کی آمدنی کو حرام فرمایا ہے۔

چوتھی چیز جو حرام ٹھہرائی گئی، یہ ہے کہ انسان اپنی بیٹی کو زندہ درخاک کر دے۔ عربوں میں رواج تھا کہ وہ لڑکی کی پیدائش کو بہت برا جانتے تھے اور لڑکی کو پیدائش کے فوراً بعد مار دیتے تھے یا زندہ ہی دفن کر دیتے تھے۔ قرآن اور حدیث میں ان کے اس فعل قبیح کی نہایت مذمت فرمائی گئی ہے۔ اس حدیث میں بھی اس کی اتنی قباحت بیان کی گئی ہے کہ اسے حرام کا درجہ دیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ اس حدیث میں تین چیزیں اور ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے بہت ہی مکروہ ٹھہرایا ہے۔ ان میں ایک یہ ہے کہ انسان ہر وقت اُلٹی سیدھی باتیں کرتا رہے۔ کبھی بے احتیاطی کے ساتھ کسی کی باتیں شروع کر دیں کبھی کسی کی۔ اس کی کوئی پروانہ کی کہ اس کا کیا نتیجہ نکلے گا اور اس کے کتنے غلط اثرات ظاہر ہوں گے۔

دوسرے یہ کہ کثرت سے سوال کرتے رہنا۔ ہر معاملے میں دوسرے سے کہنا کہ وہی اس کا کام کرے، وہی اس کے لیے کہیں جائے، وہی اس کی ضرورتوں کی کفالت کرے اور وہی اس کے دنیوی کاموں کا ذمہ دار ہو۔ تیسرے یہ کہ اپنا مال و دولت ضائع کرتا پھرے۔ اس میں جائز یا ناجائز میں کوئی تمیز نہ کرے۔ یہ حدیث الفاظ کے لحاظ سے بہت مختصر ہے مگر اپنے اندر معنی و مطلب کی بڑی وسعتیں لیے ہوئے ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا طریقہ

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم! وَاللّٰهِ إِنِّي أُحِبُّكَ فَقَالَ انْظُرْ مَاتَقُوْلُ؟ قَالَ وَاللّٰهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، قَالَ إِنْ كُنْتَ تُحِبُّنِي فَأَعِدَّ لِلْفَقْرِ تِجْفَافًا، فَإِنَّ الْفَقْرَ أَسْرَعُ إِلٰى مَنْ يُحِبُّنِي مِنَ السَّيْلِ إِلٰى مُنْتَهَاهُ. وَفِي رِوَايَةٍ إِنَّ الْفَقْرَ إِلٰى مَنْ يُحِبُّنِي مِنْكُمْ أَسْرَعُ مِنَ السَّيْلِ مِنْ أَعْلَى الْوَادِي. (جامع ترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی فضل الفقر)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا، اور عرض کیا۔ (یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ سے محبت رکھتا ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ تم کہہ رہے ہو، اس پر غور کرلو۔ اس شخص نے تین بار پھر کہا، خدا کی قسم میں آپ سے محبت رکھتا ہوں۔ یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا، اگر تم اپنی اس بات میں سچے ہو تو (مجھ سے محبت کے بعد) جو تمھیں فقر لاحق ہوگا (اور اس کی وجہ سے جو تمھیں تکلیفیں پہنچیں گی) اس سے محفوظ رہنے کے لیے لوہے کا ایک جھول تیار کرلو، کیونکہ مجھ سے محبت رکھنے والے کی طرف فقر اس سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ آتا ہے، جیسا کہ رکا ہوا پانی نشیب کی طرف جاتا ہے۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ تم میں سے جو شخص مجھ سے محبت رکھتا ہے، اس کی طرف فقر اس سے بھی زیادہ تیزی سے آتا ہے، جیسا کہ وادی کی بلندی سے پانی نشیب کی طرف جاتا ہے۔

بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے ساتھ محبت ایمان و اسلام کی اولین اور بنیادی شرط ہے۔ لیکن آپ سے محبت صرف اس بات کا نام نہیں کہ انسان زبان سے محبت محبت کی گردان کرتا رہے یا مجلس میں آپ کا اسمِ گرامی لیا جائے تو ہاتھ کی انگلیوں کو چومنا شروع کردے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نبی ﷺ سے اصل محبت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی اتباع کی جائے، جن چیزوں کے کرنے کا آپ ﷺ نے حکم دیا ہے، ان پر عمل کیا جائے اور جن چیزوں سے روکا ہے، ان سے بچا جائے۔ یعنی محض زبانی محبت کافی نہیں، بلکہ اصل محبت وہ ہے جو دل کی گہرائی اور مسلسل عمل سے کی جائے۔ پھر جو شخص رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت رکھے گا، اسے مالی اور بدنی تکلیفیں بھی اٹھانا پڑیں گی۔ جتنی آپ سے زیادہ محبت ہوگی، اتنا ہی تکلیفوں میں اضافہ ہوگا، دعوائے محبت کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ ان متوقع تکلیفوں سے اپنے لیے حفاظت کا سامان تیار کرلیں۔ اس کے لیے نبی ﷺ نے "تجفاف" کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ تجفاف لوہے کے اس جھول کو کہتے ہیں جو لڑائی کے موقعے پر گھوڑے کی حفاظت کے لیے اس کے اوپر ڈالا جاتا ہے۔

یعنی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت رکھنے والے کے لیے ضروری ہے کہ اس قسم کی زندگی بسر کرے، جیسی نبی اکرم ﷺ بسر کرتے تھے اور وہی انداز و اسلوب اختیار کرے جو نبی ﷺ کا تھا۔ ظاہر ہے، رسول اللہ ﷺ ہر موقعے پر دوسروں کا خیال رکھتے تھے۔ بھوکے کو کھانا کھلانا، جس کے پاس کپڑے نہیں اس کو کپڑے دینا، ضرورت مند کو ضرورت کی چیزیں مہیا کرنا، پیدل کو سواری عنایت کرنا، غریب کی مدد کرنا، پیاسے کو پانی پلانا، اپنا کام چھوڑ کر دوسرے کے کام آنا، کمزور کی حمایت کرنا، محتاج کی حاجت پوری کرنا رسول اللہ ﷺ کے بنیادی اوصاف اور شب و روز کے معمولات تھے۔ جو شخص نبی ﷺ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے، اس کے لیے آپ کے ان اوصاف اور معمولات کو اپنانا ضروری ہے۔ خود بھوکا رہے اور دوسرے کو روٹی دے، اپنا سامان دوسرے ضرورت مند کے حوالے کردے اور خود بے سروسامان ہوجائے۔ اپنی سواری دوسرے کو دے دے اور خود پیدل چلے، اپنا کام چھوڑ کر مصیبت زدہ کے ساتھ جائے اور اس کا کام کرائے۔ اس سے لازماً اپنا وقت حرج ہوگا، اپنا سامان دوسرے ضرورت مند کے پاس جائے گا۔ مال و اسباب میں کمی واقع ہوگی، کاروبار متاثر ہوگا اور آمدنی گھٹے گی۔ یہی مطلب ہے فقر کا۔۔!

رسول اللہ ﷺ سے محبت کا نتیجہ تو کچھ تکلیفیں، کچھ پابندیاں اور کچھ فقر و فاقہ ہے، اسے برداشت کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے، پھر دعوائے محبت کرنا چاہیے۔ آپ کی محبت و اطاعت کے سلسلے میں جو مالی اور بدنی مشکلات پیش آئیں، انھیں صبر و تحمل اور استقلال و استقامت سے انگیز کرنا چاہیے۔ جس طرح گھوڑے کو میدان جنگ میں لے جاتے وقت آپ اس پر لوہے کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جھول ڈال دیتے اور اسے خطرات سے حتی الامکان محفوظ کر لیتے ہیں، اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی محبت واطاعت کے نتیجے میں مسلمان کو جو مشکلات پیش آئیں، ان سے بالکل نہ گھبرائے، بلکہ ان کا ایک بہادر انسان کی طرح مقابلہ کرے۔

اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی محبت کا دم بھرے گا وہ فقر و احتیاج کا شکار ہو جائے گا، اور اس طرح محبانِ رسول اور صحیح مسلمان فقیروں اور محتاجوں کا ٹولا بن جائیں گے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ مسلمان اور محبِ رسول کو وہی اسلوبِ حیات اختیار کرنا چاہیے جو رسول اللہ ﷺ کو پسند اور محبوب تھا اور اس کے وہی معمولات ہونے چاہئیں جو نبی اکرم ﷺ کے تھے، اسی طرح اپنا کام اور وقت حرج کر کے دوسروں کے کام آنا اور ان کی ضروریات پوری کرنا چاہیے جس طرح نبی ﷺ کرتے تھے۔ لازماً اس سے اپنے ذاتی کام پر اثر پڑے گا اور فقر و فاقہ تک بھی نوبت پہنچ جانے کا امکان ہے۔ اگر کسی وقت ایسے حالات پیش آ جائیں تو ان کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے اور ان کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ سے محبت کا طریقہ یہی ہے، ورنہ آپ سے محبت یہ نہیں ہے کہ خود تو پیٹ بھر کر کھا لیا، اور پڑوسی بھوکا ہے، اس کا کوئی خیال نہ کیا۔ خود عمدہ سے عمدہ لباس زیب تن کر لیا اور جو لوگ غربت کی وجہ سے عریانی کا شکار ہیں، ان کو کبھی کچھ نہ دیا۔ خود اونچے اونچے محلوں اور وسیع بنگلوں میں رہتے ہیں اور بے گھروں اور جھونپڑوں میں گزر بسر کرنے والوں کی کوئی پروا نہیں۔ یہ اندازِ زندگی نہ نبی ﷺ سے محبت کا غماز ہے، نہ آپ ﷺ سے کسی قسم کے تعلق خاطر کا عکاس ہے!

نبی ﷺ سے محبت یہ ہے کہ اس کا دعوے دار دوسرے کی مشکلوں کا احساس کرے اور انھیں رفع کرنے کے لیے کوشاں ہو۔ اس ضمن میں بے شک وقت اور روپے کی قربانی بھی دینا پڑے۔ دوسرے کی ہمدردی کے لیے اپنے آپ کو اس طرح وقف کر دے کہ خود اپنی زندگی اگر تکلیف و مصیبت اور فقر و فاقہ کا ہدف بن جاتی ہے تو کوئی پروا نہ کرے۔ دوسرے کی مصیبت اس کے لیے باعث مصیبت اور دوسرے کا غم اس کے لیے باعثِ غم ہو۔

یہ ہے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سچی محبت اور قلبی لگاؤ۔ اس کے بغیر دعوائے محبت کسی گنتی شمار میں نہیں ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برائی کے بعد نیکی کا حکم

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِتَّقِ اللّٰہَ حَیْثُمَا کُنْتَ وَاَتْبِعِ السَّیِّئَۃَ الْحَسَنَۃَ تَمْحُھَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ۔ (ترمذی، کتاب البر والصلۃ باب ماجاء فی معاشرۃ الناس)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا کہ تم جہاں اور جس حالت میں بھی ہو، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اور ہر برائی کے بعد نیکی کرو۔ نیکی برائی کو مٹا دے گی اور لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔

حدیث کے ان الفاظ میں ایک لفظ "اِتَّقِ اللّٰہَ" ہے، جس کے معنی ہیں، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ "اِتَّقِ" تقویٰ کے معنی میں ہے۔ تقویٰ، شریعت میں تمام نیکیوں کی اصل اور ہر قسم کی اچھائیوں کا مرکزی نقطہ ہے۔ اس کا مطلب ہے، اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اس کے محاکمہ و محاسبہ کی فکر میں رہنا۔

تقویٰ ایک ایسی باطنی کیفیت سے تعبیر ہے، جس کا زندگی کے ظواہر پر یہ اثر مرتب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کی جائے اور اپنے آپ کو تمام خواہشوں اور تمناؤں کے ہجوم سے الگ کر کے کلی طور پر اس کے اوامر کے سامنے جھکا دیا جائے اور جن چیزوں سے شریعت نے روکا ہے یا جن کو گناہ اور معصیت قرار دیا ہے، ان سے دامن بچا کر رکھا جائے اور ہر ممکن طریقے سے معاصی و معائب کی آلودگیوں سے خود کو محفوظ رکھا جائے۔

اگر انسان ظاہری طور پر اس کا پابند رہے اور اپنے کو تقویٰ کا خوگر بنا لے تو اس سے باطنی کیفیات بے حد متاثر ہوتی ہیں اور معاصی سے خود بخود طبیعت میں نفرت پیدا ہو جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا پابند ہو جاتا ہے اور جن چیزوں کا ارتکاب از روئے شریعت ممنوع ہے، ان سے کنارہ کشی اختیار کر لیتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے طبیعت میں ایک ایسی روشنی ودیعت کر دی جاتی ہے جو نیکی کی طرف اس کی رہنمائی کرتی اور برائی سے روکتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن انسان کی فطرت اور سرشت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے اور اس دنیا کے حالات کی رفتار کچھ اس قسم کی ہے کہ انسان احتیاط کے باوجود گناہ سے ملوث اور برائی کا مرتکب ہو ہی جاتا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر خطا سرزد ہو جائے تو اس کی تلافی کا طریقہ یہ ہے کہ برائی کے بعد نیکی کر لیا کرو، نیکی برائی کو مٹا دیتی ہے۔۔۔۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ

نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔

حدیث زیر تشریح کے آخر میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ

اور لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔

یعنی لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک رکھو، ان سے میل جول اور معاملات میں نیکی اور اچھائی کا مظاہرہ کرو، سب سے خندہ پیشانی سے ملو اور گفتار و کردار میں ہمیشہ معروف کو پیشِ نگاہ رکھو۔ یہ حقوق العباد میں داخل ہے، اور حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کا خیال رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ نیکی اسی وقت مکمل ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ انسانوں کے حق بھی بہ طریقِ احسن ادا کیے جائیں۔

مختصر طور پر یوں سمجھیے کہ اس حدیث میں مندرجہ ذیل تین چیزوں پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو۔

۲۔ برائی کا ارتکاب ہو جائے تو اس کے بعد نیکی کرو، تاکہ برائی کا اثر زائل ہو جائے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے اچھا سلوک اور بہتر برتاؤ کرو۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جمائی کے وقت منہ پر ہاتھ رکھنا

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ اِذَا عَطَسَ غَطّٰی وَجْهَهٗ بِیَدِهٖ اَوْ بِثَوْبِهٖ وَغَضَّ بِهَا صَوْتَهٗ۔

(ترمذی، ابواب الآداب، باب ماجاء فی حفض الصوت، وتخمیر الوجہ عندالعطس)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادتِ مبارکہ تھی کہ جب جمائی لیتے تو ہاتھ یا کپڑا منہ پر رکھ لیتے اور آواز آہستہ کر لیتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ہمہ گیر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واعمال کا دائرہ وسعت پذیر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی ہر لحاظ سے تربیت کی۔ ان کو عبادات کی تفصیلات بھی بتائیں اور معاملات کے تمام گوشوں سے بھی آگاہ فرمایا اور اس کے متعلق ضروری ہدایات دیں۔ اس کے علاوہ تہذیب وشائستگی کا درس بھی دیا اور آدابِ مجلس سے بھی بہرہ ور کیا اور خود بھی اس پر عمل کر کے دکھایا۔ مندرجہ بالا حدیث اسی سلسلۂ حسین کی ایک زریں کڑی ہے۔

اس حدیث پاک میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب جمائی آتی تو آپ اپنا منہ مبارک کھلا نہیں چھوڑ دیتے تھے، بلکہ منہ پر ہاتھ یا رومال اور کپڑا رکھ لیتے اور آواز یا تو بالکل نہ نکالتے یا اسے بہت ہی آہستہ کر لیتے۔ یہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا۔ ایک حدیث میں آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ جمائی آئے تو منہ بند کر لو اور کوشش کرو کہ کسی کو اس کا پتہ نہ چلے۔ اگر ایسا نہ کر سکو تو منہ پر ہاتھ یا کپڑا رکھ لو۔ یعنی اس پر قابو پانے کی سعی کرو۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جمائی درحقیقت سُستی اور کاہلی کی علامت ہے۔مجلس میں یہ عمل معیوب معلوم ہوتا ہے اور اسے آدابِ محفل کے منافی سمجھا جاتا ہے۔بعض لوگ بالکل کھلا منہ چھوڑ کر اور بلند آواز نکال کر جمائی لیتے ہیں۔قریب بیٹھے ہوئے لوگوں کو اس سے وحشت سی محسوس ہوتی ہے اور سمجھتے ہیں کہ اس شخص پر غنودگی یا نیند کا غلبہ طاری ہوگیا ہے۔اس کے پاس بیٹھنا مناسب نہیں، یہاں سے اُٹھ جانا چاہیے۔

نبی ﷺ کے اس عمل اور فرمان کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو ہر وقت چوکس رہنا چاہیے اور برسرِ مجلس کسل یا کاہلی کے اظہار سے بچنا چاہیے۔نبی ﷺ مسلمان کو ہر معاملے میں مہذب اور شائستہ دیکھنا چاہتے ہیں اور یہ نبی ﷺ کی مقدس تعلیمات کا بنیادی حصہ ہے۔

اسلام دنیا کا پہلا مذہب ہے جو لوگوں کو بہ ظاہر چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی تہذیب و شائستگی کا درس دیتا ہے اور ایسی تمام حرکات سے انھیں روکتا ہے جو آدابِ مجلس کی منافی ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی کی ایک جھلک

عَنِ الْاَسْوَدِ رضی اللہ عنہ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ مَا كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَصْنَعُ فِيْ اَهْلِهٖ؟ قَالَتْ كَانَ فِيْ مِهْنَةِ اَهْلِهٖ فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ۔ (صحیح بخاری، کتاب الادب، باب کیف کان الرجل فی اھلہ)

ترجمہ: اسود بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھر میں کیا مصروفیات رہتی تھیں؟ فرمایا، آپ اپنے گھریلو کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ جب نماز کا وقت ہو جاتا تو نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔

کتبِ حدیث و تاریخ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ اقدس کے ہر پہلو اور ہر گوشے کو الگ الگ بیان کر دیا گیا ہے۔ اور اس کی تفصیلات و جزئیات کی پوری نشان دہی کر دی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شب و روز کس طرح گزرتے تھے، آپ کے معمولات کیا تھے، مسجد میں، گھر میں، میدانِ جنگ میں، عام لوگوں میں، سفر میں، حضر میں، بیوی بچوں میں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح رہتے اور ان سے کیا برتاؤ کیا کرتے تھے؟ یہ سب باتیں پوری تفصیل کے ساتھ سیرت و حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ اس حدیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے ایک پہلو کی نشان دہی کی گئی ہے۔

اسود بن یزید جو کوفے کے ممتاز علما اور نامور تابعین میں سے تھے اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے شاگرد تھے، کہتے ہیں کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی کے بارے میں سوال کیا اور عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں تشریف فرما ہوتے تو کیا کرتے تھے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کا مختصر جواب دیا اور فرمایا: گھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھریلو کاموں میں مصروف رہتے اور اس میں اپنے اہل و عیال کی مدد فرماتے۔ پھر جب نماز کا وقت ہو جاتا تو مسجد میں جا کر نماز ادا فرماتے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ ﷺ کی گھریلو زندگی نہایت شان دار اور مثالی تھی۔ باپ کی حیثیت سے دیکھیں تو آپ ﷺ انتہائی شفیق اور رحم دل باپ تھے۔ آپ ﷺ نے جس ڈھب سے اپنی پیاری بیٹیوں کی پرورش فرمائی اور جس طریقے سے ان کی اور اپنے نواسے نواسیوں کی تربیت کے لیے کوشاں ہوئے، پوری دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

پھر شوہر کی حیثیت سے دیکھا جائے تو اس میں بھی کوئی شخص آپ ﷺ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ آپ ﷺ اس سلسلے میں سب سے آگے اور سب سے منفرد نظر آتے ہیں۔ آپ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن آپ ﷺ کے طرزِ عمل سے بے حد متاثر اور خوش تھیں۔ کسی بیوی کو آپ ﷺ سے کبھی شکایت پیدا نہیں ہوئی۔

گھریلو معاملات میں پیچیدگی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب معاشرتی زندگی کو پُرتکلف بنانے کی کوشش کی جائے اور ضروریات کے خانوں کو زیادہ سے زیادہ وسیع کر دیا جائے۔ حدِ اعتدال سے آگے نکل جانا اور توازن و اقتصاد کی راہوں کو ترک کر دینا، مسائل میں الجھاؤ اور معاملات کی گرہوں میں پیچیدگی پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے۔ اگر ضرورت کو محدود اور احتیاج کو کم کیا جائے تو خانگی انتظام میں کبھی خلل واقع نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ میں یہ خصوصیت پائی جاتی تھی کہ آپ ﷺ نے اپنی بود و باش کو ہمیشہ سادہ رکھا، توکل و قناعت کی زندگی بسر فرماتے رہے، تکلف اور تصنع سے ہر آن دامن بچائے رکھا اور تمام امورِ دنیا میں سادگی کو ترجیح دی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کے خانگی معاملات کی گاڑی ہمیشہ صحیح اور درست خطوط پر رواں دواں رہی۔

رسول اللہ ﷺ پوری کائنات کے سردار اور سیّد العرب والعجم تھے، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ گھر میں انتہائی سادہ طریقے سے رہتے تھے۔ گھر کے کام کاج کی انجام دہی میں اہلِ خانہ کا ہاتھ بٹاتے تھے اور خانگی زندگی کے بشری مظاہر سے آراستہ تھے۔ مرتبے اور درجے کی بے پناہ عظمتوں کے باوصف آپ ﷺ کی گھریلو زندگی کے طور طریقے ہر لحاظ سے قابلِ رشک اور مثالی تھے، جن کی ایک جھلک سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ان مختصر الفاظ میں بیان فرمائی گئی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ اپنے بندوں کو کس طرح یاد کرتا ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ اللّٰهُ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَاَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَكَرَنِیْ فَاِنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِیْ نَفْسِیْ وَاِنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ مَلَاٍ ذَكَرْتُهٗ فِیْ مَلَاٍ خَیْرٍ مِّنْهُمْ وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ بَاعًا وَاِنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُهٗ هَرْوَلَةً (بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ ویحذرکم اللہ نفسہ الی آخرہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''میں اس یقین کے مطابق ہوں جو میرا بندہ میرے بارے میں رکھتا ہے اور میں اس کے ساتھ ہوں، جب وہ مجھے یاد کرے۔ اگر وہ مجھے اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے مجمعے میں یاد کرتا ہے تو میں اس مجمعے سے بہتر مجمعے میں اسے یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں اور اگر وہ میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف دو ہاتھ بڑھتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف لپک کر آتا ہوں۔''

احادیث سے دعا کی قبولیت پر روشنی پڑتی ہے۔ اگر انسان اپنی ضرورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور اپنی ہر حاجت کے لیے اسی سے تعلق پیدا کرے، تو نہ صرف یہ ایک فطری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بات ہے بلکہ اللہ کو محبوب بھی ہے اور اس کا اس نے بار بار حکم دیا ہے۔ دعا سے اللہ کے ساتھ بندے کا رشتۂ بندگی مضبوط ہوتا ہے۔ غیر اللہ سے اس کی امیدیں منقطع ہوتی ہیں اور رفتہ رفتہ اللہ پر اسے اس قدر پختہ اور کلی اعتماد ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے پوری طمانیت قلب کے ساتھ دنیا کی تمام طاقتوں کو چیلنج دیتا ہے۔ لیکن یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ انسان کو اپنے محتاجِ محض اور اللہ کے قادرِ مطلق اور محسنِ کل ہونے کا شعور ہو اور وہ اللہ تعالیٰ سے اس یقین کے ساتھ دعا مانگے کہ جو کچھ ملے گا اسی سے ملے گا۔ یہاں سے اگر نہ ملا تو اور کہیں سے کچھ بھی نہیں مل سکتا۔ اگر وہ چاہے تو دونوں جہان کی کامرانی بخش سکتا ہے۔ اس شعور کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے گی تو وہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرے گی، اس میں اللہ تعالیٰ پر توکل کی قوت پیدا کرے گی اور دعا کا اجرِ عظیم اس کے علاوہ ہوگا۔ اس ضمن میں مذکورہ بالا حدیث قابلِ مطالعہ ہے۔

اس حدیث میں ''ظن'' کا لفظ آیا ہے، جس کے معنی ہیں بغیر دیکھے کسی شے کے بارے میں کچھ خیال کرنا۔ اس طرح کا خیال بالعموم یقین سے خالی ہوتا ہے۔ بنابریں ''ظن'' کا استعمال بھی عموماً ''گمان'' کے لیے ہوتا ہے۔ لیکن بعض اوقات اس قسم کا خیال، محکم عقلی دلائل پر مبنی ہوتا ہے اور پختہ یقین کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس لیے اس لفظ کا استعمال ''ایمان بالغیب'' یعنی ''بغیر دیکھے یقین'' کے لیے بھی ہوتا ہے۔ خود قرآن پاک میں یہ لفظ اس مفہوم میں جا بجا آیا ہے۔ اس حدیث میں بھی ''ظن'' کے یہی معنی مراد ہیں یعنی دلائل وشواہد کی روشنی میں اللہ اور اس کی صفاتِ حسنہ پر ایمان بالغیب۔

''میرا بندہ'' سے مراد وہ شخص ہے جسے اپنے مقام بندگی کا شعور ہو اور جس نے اس شعور کے بعد اللہ تعالیٰ سے عملاً تعلقِ بندگی قائم کر لیا ہو۔ یعنی مردِ مومن و مخلص مولف کے لیے ''عبدی'' (میرا بندہ) کہنے سے عبدیت پر بھی زور دینا مقصود ہے اور اس سے اللہ کا بندۂ مومن سے قرب بھی ظاہر ہوتا ہے۔ ''میں اس یقین کے مطابق ہوں جو میرا بندہ میرے بارے میں رکھتا ہے۔'' یعنی ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ میرا بندہ، بندۂ مومن ہونے کے حیثیت سے مجھ پر بھروسا کرے، میرے وعدوں پر یقین کرے، میری رحمت و مغفرت کی آس لگائے، میری رضا کو اس توقع اور یقین پر اپنا مقصدِ زندگی بنائے کہ جب وہ ایسا کرے گا تو میں اس سے راضی ہو جاؤں گا اور اس پر اپنے فضل و کرم کی بارش کر دوں گا۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ اس کی یہ توقعات جھوٹی اور خواب و خیال ثابت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوں۔ میں اس کی توقعات اور امیدوں کے مطابق ثابت ہوں گا۔ میں دونوں جہان میں اس کا سہارا اور آسرا بنوں گا۔ میں اس سے ہمیشہ کے لیے راضی ہو جاؤں گا۔ میں اس پر اپنی رحمت و مغفرت کا سایہ کروں گا۔ میں اسے اپنے دیدار اور تقرب سے سرفراز کروں گا۔ مختصر یہ کہ دنیا میں اس کا مولیٰ و کارساز ثابت ہوں گا اور آخرت میں اسے وہ سب کچھ دوں گا جس کا میں نے اس سے وعدہ کیا ہے۔

''میں اس کے ساتھ ہوں۔'' یہ حدیث کا جملہ مختصر ہونے کے باوجود اپنے اندر بے پایاں وسعت رکھتا ہے۔ شاید تسکین و تبشیر کے لیے اس سے بہتر الفاظ نہیں استعمال کیے جا سکتے۔ ''میں اس کے ساتھ ہوں'' یعنی اس سے دور نہیں ہوں، اس کے حالات سے بے خبر نہیں ہوں۔ بہت قریب بلکہ اس کے ساتھ ہی ہوں۔ اس کے حالات سے پوری طرح اور ہر دم آگاہ ہوں اور آگاہی دور کی نہیں، قریب کی ہے۔ میں اس سے نہایت درجہ دلچسپی اور تعلق رکھتا ہوں۔ ''میں اس کے ساتھ ہوں۔'' یعنی میری رحمت اس پر سایہ فگن ہے۔ میری نصرت و تائید اسے حاصل ہے۔ میں اسے خیر کی توفیق دیتا اور شر سے محفوظ رکھتا ہوں۔ ''میں اس کے ساتھ ہوں'' یعنی میں اس کا کارساز و مولیٰ ہوں۔

''میں اس کے ساتھ ہوں، جب بھی وہ مجھے یاد کرے۔'' اس میں پہلے جملے کی ترتیب دوسرے جملے پر ہے۔ جب بندہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا، اللہ اس کے ساتھ ہوگا۔ اور جب وہ اللہ تعالیٰ کو فراموش کر دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ نہ ہوگا۔ گویا اللہ تعالیٰ کی نصرت و رحمت، اس کا قرب و معیت، اس کی ولایت و سرپرستی، ان سب کے حصول کی لازمی شرط یہ ہے کہ انسان اللہ کو یاد رکھے۔ اگر انسان اللہ کو یاد نہ کرے گا تو وہ اسے اپنے سے دور پھینک دے گا۔ اپنی نصرت و رحمت سے اسے محروم کر دے گا۔ مختصر یہ کہ انسان جس قدر اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا، اسی قدر وہ اللہ کی نصرت و معیت کا مستحق ہوگا اور جس درجے وہ اللہ سے غافل ہوگا، اسی درجے وہ اللہ سے دور اور شیطان کے قریب ہوگا۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی یاد دین کی اساس و بنیاد ہے اور اس پر فلاحِ انسانی کا کلی انحصار ہے۔

اللہ کی یاد کیا ہے؟ اللہ کے اسمائے حسنیٰ و صفاتِ کمال کا زبان سے ورد، دماغ سے ان پر تدبر و تفکر، دل میں ان کا شعور و حضور۔ یہ تینوں چیزیں مل کر اللہ کی یاد بنتی ہیں۔ انسان زبان سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس قدر اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا، دماغ سے جتنا ان کو سمجھے گا اور ان پر غور وفکر کرے گا اور اپنے دل میں جس قدر ان کا تصور جمائے گا اتنا ہی اس کے دل و دماغ پر ان صفات کا گہرا نقش ثبت ہوگا۔ اتنا ہی اس کا ایمان پختہ تر ہوگا۔ اسی قدر بندۂ ذاکر کا یقین و مشاہدہ احساس کی سی کیفیت اختیار کرے گا اور اسی قدر انسان کے جذبات اس کی عقل کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر محبتِ خداوندی کو جنم دیں گے اور اسی قدر، اللہ تعالیٰ کی بندگی کی راہ انسان کے لیے ہموار اور آسان ہوگی اور اس راہ پر سفر اس کے لیے پسندیدہ و محبوب ہو جائے گا اور اسی قدر اس کی زندگی صبغۃ اللہ میں رنگتی چلی جائے گی اور اسی قدر وہ اللہ تعالیٰ کا دوست، اس کا محبوب بندہ اور اس کی معیت و نصرت کا مستحق بن سکے گا۔ اس کے برعکس انسان جس قدر اللہ کی یاد سے غافل ہوگا اسی قدر وہ اس کی بندگی سے دور ہوگا اور اسی قدر اس کی نصرت و رحمت سے محروم ہوگا۔ تو ''اگر وہ مجھے اپنی جی میں'' یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنی جی میں یاد کروں گا۔ ''اپنے جی میں'' یعنی انفرادی طور پر۔ مطلب یہ ہے کہ اگر بندہ انفرادی طور پر اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے انفرادی طور پر یاد کرے گا۔

''اگر وہ مجھے مجمعے میں یاد کرتا ہے'' یعنی اگر وہ اللہ کو اجتماعی طور پر یاد کرتا ہے۔ مثلاً کچھ لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ صفات کا تذکرہ کرتا ہے، اس کے دین کی باتیں کرتا ہے یا کچھ لوگوں کے ساتھ مل کر اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ اس کے اسمائے حسنیٰ پر ان کے ساتھ ہو کر غور وفکر کرتا ہے۔ قرآن پڑھ کر سناتا، سمجھتا اور سمجھاتا ہے یا اُن کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے۔

''تو میں اس مجمعے سے بہتر مجمعے میں اسے یاد کرتا ہوں۔'' ''بہتر مجمعے میں'' یعنی مقربانِ بارگاہ کے مجمعے اور فرشتوں کی محفل میں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ''جو کوئی مجھے اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے کسی مجمعے میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس مجمعے سے بہتر مجمعے میں اسے یاد کرتا ہوں۔''

بندے کے یاد کرنے پر اس کا اللہ اسے یاد کرے اور اس سے بہتر طریق پر یاد کرے۔ اللہ اکبر۔ اللہ کی کتنی بڑی بندہ نوازی اور بندے کا کتنا بڑا مقام ہے، جسے یہ مقام حاصل ہو گیا۔ اسے اور کیا چاہیے، اسے تو سب کچھ حاصل ہو گیا۔ اس قرب کی ذرا سی امید بھی اس کے لیے کافی ہے کہ بندہ اپنے رب کی یاد سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہ ہو۔ کتنا روح پرور اور وجد انگیز ہے یہ تصور کہ میں جس دم اپنے رب کو یاد کرتا ہوں، میرا رب بھی اسی دم مجھے یاد کر رہا ہوتا ہے اور نہ صرف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے جی میں مجھے یاد کر رہا ہوتا ہے بلکہ اپنے مقربین بارگاہ میں میرا ذکر خیر فرما رہا ہوتا ہے۔

''اگر وہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے۔'' اصل عبارت میں ''تقرب'' کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں قریب ہونے کی کوشش کرنا۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی مادی ومحسوس شے نہیں کہ انسان اپنے قدموں سے چل کر اس سے قریب ہو سکے۔ درحقیقت یہ پیرایۂ مجاز ہے یعنی بات تشبیہ وتمثیل کے اسلوب میں کہی گئی ہے۔ گویا اللہ منزل مقصود ہے، بندہ مسافر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دین راہ ہے اور اس راہ پر چلنا سفر ہے۔ خود قرآن پاک میں اس تشبیہ وتمثیل کو کئی مقامات پر اختیار کیا گیا ہے..... دین حق کو قرآن مجید میں بالعموم ''صراط مستقیم'' (سیدھی راہ) کہا گیا ہے، کہاں تک پہنچنے اور پہنچانے والی راہ؟ اس کو بھی قرآن نے صاف کر دیا ہے۔

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ۔ (حجر: ۴۱)

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ راہ ہے سیدھی مجھ تک پہنچتی۔''

یعنی میری رضا تک، میری رحمت اور میرے اجر تک۔ آخرت میں میرے دیدار اور میرے قرب تک۔ بہرحال اس جملے میں جس تقرب کا ذکر ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کی رضا جوئی کے سوا اور کچھ نہیں۔ ''اگر وہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں۔'' جس تشبیہ کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اسے ذہن میں مستحضر کر لیجیے، دین حق وہ سیدھی راہ ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے قرب تک لے جاتی ہے۔ گویا اس راہ کے ایک سرے پر بندۂ مومن کھڑا ہے اور دوسرے سرے پر اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب ہے۔ بندۂ مومن جس قدر اللہ کے دین پر عمل کرتا ہے، اسی قدر یہ راہ طے ہوتی ہے اور اسی قدر بندہ اللہ تعالیٰ سے اور اس کی رضا سے قریب تر ہوتا جاتا ہے۔ لیکن یہ تو ہوئی بندۂ مومن کی جادہ پیمائی! بات صرف اتنی نہیں ہے کہ بندۂ مومن اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ اللہ بھی اپنے وفادار بندوں سے قریب تر ہوتا ہے۔ دین کی راہ پر چل کر ہر طرف سے بندہ اللہ تعالیٰ سے قریب ہوتا ہے تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ اس کی طرف بڑھتا ہے۔ اسے اپنی بندگی کی مزید توفیق دیتا اور اپنی عنایت وتوجہ سے اس دشوار گزار راہ کو آسان اور مختصر کر دیتا ہے۔ اور اس طرح بندہ اللہ تعالیٰ سے روز بروز اور لمحہ بہ لمحہ قریب سے قریب تر ہوتا جاتا ہے۔ کتنی انوکھی ہے یہ راہ جس میں مسافر ہی منزل کی طرف پیش قدمی نہیں کرتا بلکہ منزل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی دوڑ کر مسافر کے پاس آتی ہے۔ بندے کو اللہ کا کس قدر قرب نصیب ہوا۔ اس دنیا میں اس کا اس کے سوا کوئی معیار نہیں کہ انسان کو اللہ کی بندگی کی کس قدر توفیق ہوئی۔ دین کی پیروی اس کے لیے کس قدر آسان ہوئی جسے طے کیے بغیر اللہ کا قرب حاصل ہونا ممکن نہیں ہے۔

''اگر وہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں، اور اگر وہ میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف لپک کر دو ہاتھ بڑھتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے صرف اسی قدر قریب نہیں ہوتا، جس قدر اس کا بندہ اس کے قریب ہونے کی کوشش کرتا ہے بلکہ وہ اس سے کئی گنا زیادہ اپنے بندے سے قریب ہوتا ہے اور اس کی کوشش سے کہیں زیادہ اپنے قرب، اپنی رضا اور اپنی رحمت سے اسے نوازتا ہے۔

اس حدیث میں جو چیز سب سے زیادہ ابھر کر سامنے آتی ہے، وہ مومنین پر اللہ کی غایت درجہ رحمت و رأفت، اس کی نصرت و معیت اور اس کا قرب و تلطف ہے اور اس لحاظ سے یہ حدیث اہل ایمان کے لیے بہت بڑی بشارت ہے۔

دین کی اگر مجمل اور بنیادی تقسیم کی جائے تو اس کے تین گوشے ہو سکتے ہیں۔

(۱) ایمان

(۲) ذکر الٰہی

(۳) عمل صالح

یہ حدیث ان تینوں گوشوں کی جامع ہے۔ بلکہ اس حدیث سے ان تینوں گوشوں کے مابین جو ربط و ترتیب ہے، اس پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ سب سے مقدم یقین و ایمان ہے۔ اس کے بعد ذکر الٰہی ہے جو ایمان کو تازہ اور عقائد اسلامی کو انسان کے دل و دماغ میں پیوست اور رگ و ریشے میں جاری و ساری کر دیتا ہے۔ پھر ایمان و ذکر ہی سے وہ زندگی بنتی ہے جس میں انسان ہر لمحہ رضائے الٰہی کو سامنے رکھتا ہے اور والہیت و شیفتگی کے ساتھ دین کی راہ طے کرتا ہے اور اس یقین، یاد اور جد و جہد کے سہ گونہ پروگرام پر عمل کرتے ہوئے اسے اللہ کی نصرت و معیت، اس کے قرب و رضا اور اس کی رحمت و شفقت کا پورا یقین اور اپنے رب پر کامل اعتماد اور توکل ہوتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سات عالم گیر برائیاں اوران سے بچنے کی تاکید

متعدد احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو باہم محبت و ہمدردی کا برتاؤ کرنے اور ایک جسم و جان بن کر رہنے اور آپس میں خیر خواہی و الفت سے زندگی بسر کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ بدگمانی رکھنے، کسی کی بدگوئی و عیب جوئی کرنے، کسی کی تکلیف اور مصیبت پر خوش ہونے، اس کے ساتھ حسد و عداوت کرنے، کسی کے خلاف بغض و کینہ کو پالنے، آپس میں بے تعلق رہنے اور اجنبیت اختیار کیے رکھنے، کسی مسلمان بھائی کو ایذا پہنچانے اور اس کو برا بھلا کہنے کی سخت ممانعت فرمائی ہے اور اسے اسلام اور اس کی تعلیمات کے منافی قرار دیا ہے۔ اس ضمن کی مندرجہ ذیل حدیث اپنے مفہوم میں بالکل صاف اور واضح ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ وَلَاتَحَسَّسُوْا وَلَاتَجَسَّسُوْا وَلَاتَنَافَسُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَاتَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَکُوْنُوْا عِبَادَاللّٰهِ اِخْوَانًا۔ (رواہ البخاری، کتاب الأدب، باب ماینهی عن التحاسد والتدابر)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم دوسروں کے متعلق بدگمانی سے اپنے آپ کو بچا کر رکھو۔ کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے، تم کسی کی کمزوریوں کی تلاش میں نہ رہا کرو اور نہ جاسوسوں کی طرح خفیہ طریقوں سے کسی کے عیب معلوم کرنے کی کوشش کیا کرو۔ اور نہ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی بے جا ہوس کیا کرو۔ نہ آپس میں حسد کرو۔ نہ بغض اور کینہ رکھو اور نہ ایک دوسرے سے ناراض ہو کر منہ پھیرو۔ بلکہ اللہ کے بندو، اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق آپس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں بھائی بھائی بن کر رہو۔

یہ حدیث آپ کے سامنے ہے۔ اس کا متن اور ترجمہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس حدیث میں سات چیزوں کی ممانعت کی گئی ہے۔ اور مسلمانوں کو ان سے بچ کر رہنے کی سختی سے تاکید فرمائی گئی ہے۔

۱۔ کسی پر بدگمانی نہ کرو۔ یہ بہت بڑا جھوٹ ہے۔

۲۔ کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں نہ رہو۔

۳۔ کسی کا تجسس کر کے اس کے خفیہ عیب معلوم کرنے کی کوشش نہ کرو۔

۴۔ بے جا اور ناروا طور پر کسی سے آگے بڑھنے کی ہوس نہ کرو۔

۵۔ آپس میں حسد نہ کرو۔

۶۔ باہم بغض اور کینہ نہ رکھو۔

۷۔ ایک دوسرے سے خفا ہو کر اور منہ بسور کر نہ رہو۔

اگر غور سے دیکھا جائے اور فکر و تعمق سے کام لیا جائے، تو پتہ چلے گا کہ اس مختصر حدیث میں بلندیٔ اخلاق، رفعت کردار اور اعمال حسنہ کا ایک پورا دفتر سمو دیا گیا ہے۔ اور آپس کے تعلقات اور میل جول کی نہایت عمدہ پیرایۂ بیان میں ہدایات دی گئی ہیں۔

یہی سات چیزیں ہیں جو انسان میں نفرت کے بیج بوتی اور ان کے قلب و ذہن میں ایک دوسرے کے خلاف ایسے زہریلے اثرات اور خوف ناک جراثیم پیدا کرتی ہیں جن کے نتائج انتہائی ہولناک ہو سکتے ہیں جو آگے چل کر انفرادی اور اجتماعی طور پر لوگوں کو تباہی کے گڑھے میں دھکیل دینے کا موجب ثابت ہو سکتے ہیں۔ یہی چیزیں ہیں، جو تمام مفاسد کی جڑ اور تمام برائیوں کی اصل ہیں، اگر افراد اور قومیں ان سے بچ کر رہیں تو پوری دنیا پر امن و عافیت کا پرچم لہرانے لگے اور خیر و سلامتی کا شامیانہ نوع انسانی پر تن جائے اور کرۂ ارض ہلاکت و تباہی سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے۔ یہی وہ عالم گیر برائیاں ہیں جو دلوں میں بغض پیدا کر کے آپس کے تعلقات کو خراب کرتی ہیں اور بدامنی کی فضا کو جنم دیتی ہیں۔

حدیث میں سب سے پہلے بدگمانی کا ذکر فرمایا گیا ہے اور اسے سب سے بڑے جھوٹ اور کذب بیانی سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو شخص اس بیماری کا شکار ہو جائے، اس کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ جس سے بھی ذرا اختلاف ہوا اس کی ہر حرکت اور اس کے ہر کام میں اسے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اخلاص معدوم اور دیانت داری مفقود ہے اور بدنیتی ہی بدنیتی کا دور دورہ ہے۔ یہ بدگمانی آہستہ آہستہ اتنی بڑھ جاتی ہے کہ انسان دوسرے کی طرف بہت سی ایسی باتیں منسوب کر دیتا ہے، جن کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہوتا۔ وہ بعض غلط باتوں کو حقیقت سمجھ لیتا ہے اور واقعات کو اسی غلط ترتیب سے مرتب کرتا چلا جاتا ہے، اس کا ردعمل جب دوسرے شخص پر ظاہر ہوتا ہے تو اس کے نتائج نہایت مہلک نکلتے ہیں اور اس طرح ایک دوسرے پر جھوٹ، افترا اور کذب بیانی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ نتیجے کے اعتبار سے بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ثابت ہوئی۔ اسی لیے ابوداؤد کی ایک حدیث میں ایک دوسرے پر حسنِ ظن کو عبادت قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا: "حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ"۔ یعنی کسی پر نیک گمان اور حسنِ ظن کا اظہار بہترین عبادت ہے۔ اس کے علاوہ کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں رہنا، دوسروں کے عیبوں کا تجسس کرنا، ایک دوسرے پر ناروا فوقیت حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہونا، کسی کو بہتر حالت میں دیکھ کر حسد کرنا اور اس کی خوش حالی پر ناگواری کا اظہار کرنا نہایت قبیح حرکتیں ہیں اور تمام برائیوں کے سوتے یہیں سے پھوٹتے ہیں۔ ان سے دلوں میں محبت، یگانگت، ہمدردی، خلوص، ایک دوسرے سے خیر خواہی اور حسنِ سلوک کے جذبات پیدا ہونے کی بجائے دشمنی، نفرت، حقارت اور بہتان کے جراثیم جنم لیتے ہیں۔ اگر یہ چیزیں محدود پیمانے پر ہوں تو ان کا نقصان محدود دائرے میں رہتا ہے اور اگر یہ حکومتوں اور بڑی بڑی قوموں میں پیدا ہو جائیں تو ان کی مضرتوں اور ایذا رسانیوں کا حلقہ بہت وسیع ہو جاتا ہے۔ اور بسا اوقات اس کے نقصانات کی لپیٹ میں پوری دنیا اور نوعِ انسانیت کا ہر گوشہ آ جاتا ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث نہایت حکیمانہ ہے۔ اگر اس پر عمل کیا جائے اور ان عیوب سے دامن بچا کر رکھا جائے، تو ہر دائرے میں خلوص و محبت کی فضا پیدا ہو سکتی ہے۔ اگر عمل کا دائرہ محدود ہو گا تو اس کے فوائد محدود ہوں گے اور اگر عمل کا دائرہ وسیع ہو گا تو اس کے فوائد کا دائرہ بھی اسی نسبت سے بڑھتا جائے گا۔

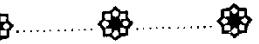

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چار احکام

حدیث وسیر کی تقریباً تمام کتابوں میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی زبانی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

أَيُّهَا النَّاسُ أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصِلُوا الْأَرْحَامَ وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ (الدر فی اختصار المغازی والسیر لابن عبدالبر ص ۹۲ طبع قاهر ۱۳۸۶ هجری)

ترجمہ: اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ، (محتاجوں کو) کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو اور شب کو جب لوگ محوِ خواب ہوں نماز (تہجد) ادا کرو تو سلامتی کے ساتھ بہشت میں داخل ہو جاؤ گے۔

جس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں داخل ہونے لگے تو تیز دھوپ ہونے کے باوجود اہل مدینہ استقبال کے لیے باہر نکل آئے۔ ان میں یہود مدینہ بھی تھے اور ان کے حبر و سردار سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کی پہلی نظر جب چہرۂ انور پر پڑی تو بے ساختہ دل نے گواہی دی کہ

إِنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ

''یہ پُرانوار چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔''

اس کے بعد عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے کانوں میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو پہلی آواز پہنچی وہ یہی مذکورہ بالا کلمات تھے۔ یہ کلمات سلام سے شروع ہو کر سلام ہی پر ختم ہوتے ہیں اور اسے سننے والے سلام کے فرزند عبداللہ ہیں۔ یہ بلاغتِ کلام بھی فرزندِ سلام پر اثر کیے بغیر نہ رہی ہوگی۔ کہتے ہیں کہ پہلا تاثر آخری تاثر ہوتا ہے۔ ہر جگہ اور ہر موقعے پر اس کا اطلاق ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو، لیکن عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جیسے پاک نفس اور حق پرست نے جو پہلا اثر لیا وہی آخر تک رہا۔ اس میں کبھی کوئی کمی نہیں آئی۔ ہر روز اضافہ ہی ہوتا گیا اور اسلام لا کر سلامتی کی زندگی اختیار کر لی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذکورہ بالا الفاظِ نبوی ﷺ محض مسجّع کلام نہیں بلکہ اس میں پورے اسلامی نظام کو چند لفظوں میں سمیٹ لیا گیا ہے۔ انسانی معاشرہ اسی وقت ایک صالح اور خوش گوار معاشرہ بن سکتا ہے جب

۱۔ باہمی تعلقات خوش گوار ہوں۔

۲۔ معاشی زندگی میں ہمواری ہو۔

۳۔ ہدایاتِ الٰہی پر عمل ہو۔

۴۔ آخرت بھی ہر آن پیش نظر رہے۔

یہی وہ باتیں ہیں جو اس ارشاد میں بڑی جامعیت کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ گویا مدینہ منورہ آتے ہی حضور ﷺ نے اپنی آمد کا مقصد بیان کر دیا۔

ان ارشادات میں سب سے پہلے یہ فرمایا کہ "اَفْشُوا السَّلَامَ" (سلام کو پھیلاؤ اور عام کرو) یہ سلام محض کورنش یا (SALUTE) نہیں، السلام علیکم کے معنی میں ہے۔ تم پر سلامتی ہو۔ یہ دراصل ایک دلی آرزو اور مخلصانہ تمنا ہے، جس نے دعائیہ الفاظ کا پیکر اختیار کر لیا ہے۔ یہ محض رسمی کورنش نہیں، ایک جذبہ دُروں ہے۔ ایک ہمہ گیر خواہش ہے کہ تم سلامت رہو۔ آفات سے محفوظ رہو۔ حالات کچھ بھی ہوں مگر تم سلامتی ہی سے ہم کنار رہو۔ اس کے افشا اور پھیلاؤ کا مقصد ہی یہ ہے کہ سلام کرنے والا سب کی بھلائی چاہتا ہے۔ وہ ایسا نظام زندگی چاہتا ہے جس میں کوئی کسی کے لیے باعثِ آزار نہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں وہ صحیح معنوں میں اسلام چاہتا ہے جس کا مادہ وہی ہے جو سلام کا مادہ ہے یعنی اسلام جس کے معنی صلح و آشتی اور سلامتی کے ہیں۔ یہی ہے رسالت کا وہ پہلا پیغام جو اہلِ مدینہ کے کانوں نے سُنا۔ اس کے بعد دوسرا جملہ ہے:

وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ (کھانا کھلاؤ) یہ ارشاد اسلام کے پورے معاشی نظام کا موٹو ہے۔ حضور ﷺ یہ بتا رہے ہیں کہ ہمارا دین محض زبانی کلامی فلسفہ نہیں، جس میں خوش آئند باتیں ہوں۔ ذہنی پروازیں ہوں، محض روحانی، اخلاقی اور اخروی گفتگوئیں ہوں اور معاشی و معیشی زندگی کی پیچیدگیوں کا کوئی حل نہ ہو۔ ایسے نظام کو کون پسند کرے گا، جس میں زندہ رہنے کی سہولتیں نہ ہوں۔ حضور ﷺ نماز تہجد کا ذکر فرمانے سے پہلے طعام کا ذکر فرماتے ہیں۔ یہاں کھانا کھلانے کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ کبھی کبھی کسی غریب کو روٹی دے کر ثوابِ دارین حاصل کر لیا کرو اور بھوکے، غریب ہمیشہ روٹیوں کے لیے تمھاری طرف ترستی ہوئی نگاہوں سے دیکھتے رہیں اور زندگی بھر اسی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محتاجی کی حالت میں رہیں۔ استغفر اللہ۔ یہ مطلب ہرگز نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ تو اسلامی مساوات کی روح کے خلاف ہے اور اس سے انسانیت، حاجت مند و حاجت روا کے دو مختلف طبقوں میں منقسم ہو جاتی ہے۔ اس ارشاد کا مطلب ایسا نظامِ معاش قائم کرنا ہے کہ کوئی بھوکا نہ رہے، ننگا نہ رہے، لامکان نہ رہے، بے علم و بے تربیت نہ رہے۔ ہر فرد کو زندگی کی سہولتیں یکساں حاصل ہوں۔ طعام سے مراد محض دو روٹیاں نہیں بلکہ پوری معاشی و معیشی زندگی ہے۔ اور "اَفْشُوا السَّلَامَ" کا یہی پہلا عملی مظہر ہے۔

پھر ارشاد ہوا: وَصِلُوا الْاَرْحَامَ (صلہ رحمی کرتے رہو) صلہ رحمی بھی "اَفْشُوا السَّلَامَ" ہی کا عملی مظہر اور انسانیت کا ایسا امتیازی نشان ہے جو حیوانوں میں نہیں پایا جاتا۔ انسان کو عام حیوانی سطح سے بلند کرنے والی یہی اخلاقی صفت ہے۔ اس ارشاد کے اندر جو روح کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ صلہ رحمی کا دائرہ محض چند قریبی نفوس کے اندر تنگ نہیں ہونا چاہیے بلکہ اسے ساری اولادِ آدم پر محیط ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ دراصل سارے بنی آدم ایک دوسرے کے "اولوالارحام" ہیں اور سب ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔

اس کے بعد ایک بنیادی روحانی فریضے کی طرف حضور ﷺ توجہ فرماتے ہیں کہ: "وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ" (شب کو اس وقت اٹھ کر نماز پڑھو جب لوگ محوِ خواب ہوں) یہاں نماز پنجگانہ کا ذکر نہیں۔ اس لیے کہ یہ تو وہ فرض ہے جو ادا کرنا ہی ہے۔ جو کام کرنا ہی پڑے اس کا اجر تو ملتا ہے لیکن تقربِ الٰہی کا بہت بڑا ذریعہ قیام اللیل ہے اور اس کی بدولت بے شمار درجات و مراتب حاصل ہوتے ہیں۔ اس دنیا میں بھی یہی اصول کارفرما ہے۔ اگر ایک شخص مثلاً چھ گھنٹے کی ڈیوٹی ہر روز ادا کرے تو بلاشبہ اسے معاوضہ و محنت پورا مل جائے گا لیکن اگر وہ کوئی زائد (Over Time) کی طمع کے بغیر اپنی خوشی سے سات یا آٹھ گھنٹے کام کرتا ہے تو یہ اس سے دلچسپی ہے، اس میں خیر خواہی کا سچا جذبہ کارفرما ہے، اور وہ تکمیل کار ہی کو کام کا معاوضہ سمجھتا ہے۔ یہ طریق کار ایک ایسا شریفانہ رجحان ہے کہ اگرچہ اس کے معاوضے میں کوئی اضافہ ہو یا نہ ہو لیکن اسے محبوبیت، دلعزیزی، احترام اور تقرب مراتب ضرور حاصل ہوتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث قدسی مروی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"میرا بندہ نوافل کے ذریعے مسلسل تقرب حاصل کرتا رہتا ہے تو وہ میرا ایسا محبوب ہو جاتا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ پھر وہ اگر مجھ سے سوال کرے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں۔" (بخاری اصح المطابع ص ۹۲۳ جلد دوم)

اس حدیث قدسی کی تشریح اس وقت پیشِ نظر نہیں۔ بس اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ تقرب کے اس درجے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تمام دید و شنید اور سارے حرکات و سکنات مرضی الٰہی کے قالب میں ڈھل جاتے ہیں۔ یہ ہے درجہ نوافل کا۔

صلوٰۃ پوری اسلامی زندگی کی سمٹی ہوئی عملی شکل ہے۔ صلوٰۃ کا تعلق پوری زندگی سے ہے اور یہ تمام اعمالِ حیات کو سمیٹ لیتی ہے۔ پس صلوٰۃ میں جو افضل النوافل اور شب زندہ داری کو قائم کرنا ہے، اس کا ایک اثر تو یہ ہے کہ وہ فرائض کو کوئی بوجھ سمجھ کر نہیں ادا کرتا۔ دوسرا تقاضا یہ ہے کہ اپنے باقی وظائف و اعمالِ زندگی میں بھی صرف اتنا ہی کچھ کرنے پر اکتفا نہیں کرتا، جو اس پر عائد کیے گئے ہوں بلکہ اپنی خوش دلی سے وہ کچھ بھی کرتا ہے جو اس کے فرائض سے زیادہ ہو۔ حضور ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنی اصل ڈیوٹی سے بھی زیادہ کام کرنے کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرے۔

آخر میں حضور ﷺ نے ان چاروں باتوں پر عمل کرنے کا نتیجہ یوں بیان فرمایا کہ "تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ" (اس طرح سلامتی کے ساتھ بہشت میں داخل ہو جاؤ گے) یہ چاروں ایسی بنیادی چیزیں ہیں جن کا نتیجہ فی الواقع جنت ہی ہے۔ لیکن جنت اسی کے لیے ہے جس کی نظر آخرت پر ہو اور اس کے کسی کام کا مقصد محض حصولِ دنیا نہ ہو بلکہ اخروی انعام ہو۔ اس انسان کی بلندی کا کون اندازہ کر سکتا ہے جو دنیا میں رہ کر بڑے سے بڑا کارنامہ انجام دیتا ہے، دوسروں کی بھلائی اور فائدے کے کام میں اپنی توانائیاں صرف کرتا ہے اور سب کو نفع پہنچاتا ہے، مگر کوئی دولت یا عہدہ اور جاہ و منصب نہیں چاہتا۔ اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی کسی سے کوئی اجر نہیں طلب کرتا۔ وہ جو کچھ کرتا ہے، اللہ کی خوش نودی اور اخروی صلے کے لیے کرتا ہے۔ اس کا جس طرح اللہ پر ایمان ہوتا ہے اسی طرح اخرت کی سزا و جزا پر بھی ہوتا ہے۔ یہی ایمان بالآخرت وہ خطِ امتیاز ہے جو کافر کو مومن سے جدا کرتا ہے، ورنہ محض اچھا معاشی نظام تو غیر مسلم معاشرے میں بھی ہوا کرتا ہے۔

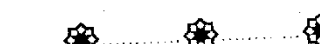

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھانے والی چیز کو معیوب نہیں قرار دینا چاہیے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ مَاعَابَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم طَعَامًا قَطُّ اِنِ اشْتَهَاهُ اَكَلَهُ وَاِنْ كَرِهَهُ تَرَكَهُ۔ (صحیح بخاری، کتاب الاطعمه، باب ماعاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم طعاماقط)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کھانے میں کبھی کوئی نقص نہیں نکالا، اگر کھانے کو جی چاہا تو کھالیا، نہ چاہا تو چھوڑ دیا۔

یہ روایت صرف ایک جملے پر مشتمل ہے۔ لیکن اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایسی بابرکت عادت کا ذکر کیا گیا ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بلندیٔ اخلاق کا پتا چلتا ہے اور آپ کے حلم، تواضع اور بردباری کے ایک نہایت اہم پہلو کی وضاحت ہوتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ کھانے پینے کی چیزوں میں نقص نہیں نکالتے تھے۔ جو بھی ایسی چیز جس کا کھانا ممنوع نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دی جاتی، اسے نہایت خوشی سے قبول فرماتے۔ اگر کھانے کو جی چاہتا تو کھالیتے ورنہ واپس کر دیتے۔ اس میں عیب نہیں نکالتے تھے اور چیز پیش کرنے والے کو پریشانی میں نہیں ڈالتے تھے۔

بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ گھر میں کوئی چیز پکائی گئی ہو، یا کسی کے ہاں دعوت میں گئے ہوں، کھانے میں نقص نکالنا شروع کر دیتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں، اس میں گھی کم ہے، کبھی ارشاد ہوتا ہے، مرچ زیادہ ہے، کبھی کہا جاتا ہے نمک تھوڑا ہے، نمک لاؤ، کبھی آواز آتی ہے میٹھا کم یا زیادہ ہے۔ اس طرح وہ پکانے والے اور صاحبِ خانہ کو مصیبت میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ وہ بے چارہ اس صورت حال سے پریشان ہو جاتا ہے اور اسے کچھ نہیں سوجھتا کہ کس کو کیا جواب دے۔ اس نے روپے خرچ کیے ہیں، وقت خرچ کیا ہے، لیکن نقص نکالنے اور عیب جوئی کرنے والوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے سامنے اس کی حیثیت ایک مجرم کی سی ہوتی ہے۔ اس طرح کی باتیں کرنا عام معاشرتی اخلاق کے بھی خلاف ہے اور اسلام کے بھی خلاف ہے۔

بعض لوگوں کو تو یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ گھر میں اگر کوئی ایسی چیز پکائی گئی ہے جو اُن کی طبیعت کے خلاف ہو تو ایک طوفان بپا ہو جاتا ہے۔ برتن توڑ دیے جاتے ہیں، پکی ہوئی چیزیں باہر پھینک دی جاتی ہیں اور مار پیٹ تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ یہ حرکت غلط اور آدابِ انسانیت کے منافی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کھانے پینے کی چیزوں کو معیوب نہیں قرار دیتے تھے۔ اگر کوئی چیز طبیعت کے مطابق ہے تو کھالی اگر طبیعت کے مطابق نہیں تو نہ کھائی۔

بلاشبہ بعض لوگ بعض چیزیں نہیں کھاتے، مثلاً بعض حضرات آلو نہیں کھاتے، چاول نہیں کھاتے، مچھلی نہیں کھاتے، گائے کا گوشت نہیں کھاتے۔ یہ قابلِ اعتراض بات نہیں۔ ان کی طبیعت نہیں مانتی، یا طبیب نے ان چیزوں کے استعمال سے روک دیا ہے، ٹھیک ہے، بڑی خوشی سے نہ کھائیں۔ دنیا کا کوئی اخلاق یا کوئی ادب انھیں ان چیزوں کے کھانے پر مجبور نہیں کر سکتا۔

قابلِ اعتراض اور خلافِ ادب چیز ایسا طرزِ عمل اختیار کرنا ہے، جس سے دوسروں کی ہتک اور توہین کا پہلو نکلتا ہو، اور جس کی وجہ سے مجلس میں اسے ندامت اور شرمندگی محسوس ہو۔۔۔!

رسول اللہ ﷺ کی یہ مبارک عادت ہر شخص کو اختیار کرنی چاہیے اور کھانے پینے کی چیزوں میں نقص نکالنے کی بری عادت ترک کر دینی چاہیے۔ البتہ گھر میں پکانے والوں کو ضرور سمجھانا چاہیے کہ کون سی چیز کس طرح پکائی جائے اور مرچ مصالحہ کتنی مقدار میں ڈالا جائے۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تقسیم اشیا میں اسلامی اخلاق

عَنْ اَنَسِ بْنِ رضی اللہ عنہ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اُتِيَ بِلَبَنٍ قَدْ شِيْبَ بِمَاءٍ وَعَنْ يَمِيْنِهِ اَعْرَابِيٌّ وَعَنْ يَسَارِهِ اَبُوْبَكْرٍ فَشَرِبَ ثُمَّ اَعْطَى الْاَعْرَابِيَّ وَقَالَ الْاَيْمَنَ فَالْاَيْمَنَ۔

(جامع ترمذی، ابواب الاشربۃ باب ماجاء ان الایمنین احق بالشرب)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ پیش کیا گیا، جس میں پانی ملایا گیا تھا۔ آپ کے دائیں جانب ایک اعرابی بیٹھا تھا اور بائیں جانب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے خود پیا، پھر اعرابی کو دیا، اور فرمایا، دائیں جانب سے شروع کرو، دائیں جانب سے شروع کرو۔

اسلام اونچ نیچ یا ذات پات کا قائل نہیں ہے، نہ وہ کسی کو بلاوجہ تکریم یا تخصیص کا مستحق گردانتا ہے۔ نہ کسی کی توہین یا تذلیل کرتا ہے۔ نہ کسی کو بلاسبب کسی پر ترجیح دیتا ہے۔ وہ انسانیت کا دین ہے۔ اس کے کچھ اصول ہیں اور کچھ قواعد اور قوانین ہیں، جن کو وہ ہر موقعے پر لائقِ عمل اور قابلِ اتباع قرار دیتا ہے۔ اس کی نظر میں گورے کو کالے پر، عربی کو عجمی پر، آقا کو غلام پر اور مالک کو مزدور پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔ اس نے انسان کی جان پرکھ اور اس کے اکرام واحترام کا ایک پیمانہ مقرر کر رکھا ہے۔ جو شخص اس پیمانے پر پورا اترتا ہے، وہ اس کے نزدیک اولیت کا مستحق ہے۔

اس حدیث کو دیکھیے اس میں ایک نہایت عمدہ بات کی وضاحت کی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کسی صحابی نے دودھ پیش کیا، جس میں پانی کی آمیزش تھی، اس وقت بارگاہ رسالت میں جو لوگ حاضر تھے، ان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے اور ایک اعرابی بھی تھا، جسے بدو، دیہاتی یا گنوار کہا جاتا ہے۔ اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب بیٹھے تھے اور بدو یا دیہاتی دائیں جانب تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا۔ اس کے بعد حاضرین مجلس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اسے تقسیم کرنا شروع فرمایا۔ آپ نے سب سے پہلے دودھ بدو کو دیا۔ کیوں کہ وہ آپ ﷺ کے دائیں جانب بیٹھا تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بائیں طرف بیٹھے تھے۔ ساتھ ہی آپ ﷺ نے لوگوں کو دو مرتبہ فرمایا، دائیں جانب سے شروع کرو، دائیں جانب سے شروع کرو۔

اس چند لفظی حدیث میں صراحت کے ساتھ لوگوں کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ مجلس میں کوئی چیز تقسیم کرو تو دائیں طرف سے شروع کرو۔ وہ چیز کھانے پینے کی ہو یا کسی اور استعمال میں آنے والی ہو۔۔۔۔۔۔۔!

تقسیم کرتے وقت یہ ہرگز نہیں دیکھنا چاہیے کہ بائیں جانب کوئی بڑی شخصیت تشریف فرما ہے اور دائیں طرف کوئی کم حیثیت آدمی بیٹھا ہے، لہٰذا پہلے بڑے کا حق بنتا ہے نہیں! اس میں بڑے چھوٹے کا کوئی لحاظ نہیں ہے۔ اندازہ فرمائیے، رسول اللہ ﷺ کی اس مجلس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں جو ذاتی طور پر بہت بڑی حیثیت کے مالک ہیں، اسلامی معاشرے میں بھی ان کا مرتبہ بہت بلند ہے، رسول اللہ ﷺ کے نزدیک بھی ان کو انتہائی قدر و منزلت حاصل ہے اور آپ ﷺ ان کو بے حد احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ دوسری طرف ایک اعرابی اور بدو بیٹھا ہے، جو ظاہر ہے، اس مرتبے کا نہیں ہے۔ لیکن کوئی چیز تقسیم ہوتی ہے تو نبی اکرم ﷺ اس بدو کو پہلے عنایت فرماتے ہیں اور صدیق اکبر کی باری بعد میں آتی ہے۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ بدو، آپ کے دائیں جانب بیٹھا ہے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بائیں جانب ہیں۔! پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں: اَلْاَیْمَنَ فَالْاَیْمَنَ!! دائیں جانب سے شروع کرو! دائیں جانب سے شروع کرو۔!!

ہمارے معاشرے میں عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ وہ تقسیم کے وقت دائیں بائیں کا خیال نہیں رکھتے، بلکہ شخصیت کا خیال رکھتے ہیں، اور اس طرف سے شروع کرتے ہیں، جس طرف معاشرتی اعتبار سے کوئی بڑا آدمی بیٹھا ہو۔ یہ بات اسلامی آداب اخلاق کے منافی ہے۔ اسلامی طریقہ یہ ہے، جس پر خود نبی ﷺ نے عمل کر کے دکھایا کہ دائیں جانب سے کوئی چیز دینا شروع کیجیے اگرچہ اس طرف معاشرتی لحاظ سے کوئی کم حیثیت کا آدمی بیٹھا ہو۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذمے داریوں کی وسعت

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ کُلُّکُمْ رَاعٍ وَّمَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ فَالْاَمِیْرُ الَّذِیْ عَلَی النَّاسِ رَاعٍ عَلَیْھِمْ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْھُمْ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰی اَھْلِ بَیْتِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْھُمْ وَالْمَرْاَۃُ رَاعِیَۃٌ عَلٰی بَیْتِ بَعْلِھَا وَ وَلَدِہٖ وَھِیَ مَسْئُوْلَۃٌ عَنْھُمْ وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلٰی مَالِ سَیِّدِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْہُ اَلَافَکُلُّکُمْ رَاعٍ وَّکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ۔

(صحیح بخاری، کتاب فی العتق وفضله، باب کراهیة التطاول علی الرقیق)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم سب حاکم ہو اور اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہو۔ وہ شخص جو لوگوں کا امیر ہے، ان کا نگہبان ہے اور ان کے بارے میں جواب دہ ہے۔ گھر کا (بڑا) آدمی اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اور ان کے بارے میں جواب دِہ ہے، عورت اپنے شوہر اور اس کے بیٹے کے گھر کی نگہبان ہے اور اس کے بارے میں جواب دہ ہے۔ ملازم اپنے مالک کے مال کا نگہبان ہے اور اس کے بارے میں جواب دہ ہے۔ خبردار! تم سب کسی نہ کسی کے نگہبان ہو اور سب اپنی رعیت کے متعلق جواب دہ ہو۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ معاشرے کا ہر شخص اپنا ایک خاص دائرۂ اثر رکھتا ہے، جس میں اس کو حاکم اور ذمے دار کی حیثیت حاصل ہے، اور جو لوگ اس کے حلقہ اثر میں شامل ہیں، ان کے ہر عمل و فعل کے بارے میں وہ عند اللہ اور عند الناس جواب دہ اور مسئول ہے۔ یہ ذمہ داری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محدود بھی ہے اور غیر محدود بھی۔ اس میں گھر کی چار دیواری سے لے کر پوری مملکت کی وسیع و عریض حدود کی ذمے داریاں شامل ہیں۔

اسلام کی رُو سے اوّلین ذمے دار ملک کا حکمران طبقہ ہے۔ اس پر رعیت کے تمام حقوق اور مفادات کے تحفظ اور نگاہ داشت کی بہت بڑی ذمے داری عائد ہوتی ہے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ پورے احتیاط، کامل حکمت عملی اور انتہائی دیانت داری کے ساتھ اس اہم ذمے داری سے سبک دوش ہونے کی کوشش کرے۔ ان کی اخلاقی، روحانی اور دینی و علمی تربیت میں ہمہ تن مصروف رہے۔ پھر ان کی روزمرہ کی جو دینوی ضروریات ہیں، ان کی تکمیل کے لیے کوئی کسر اٹھا نہ رکھے۔ اسے اس بات کا ہر وقت خیال رہنا چاہیے کہ اس کی رعایا کس حال میں ہے، اس کی معاشی ضروریات کیا ہیں، اقتصادی حالت کیسی ہے، زرعی صورتِ حال کیا ہے، تجارت کی گاڑی کس نہج پر چل رہی ہے، ملازمت پیشہ طبقہ کن حالت سے دوچار ہے، رعیت کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کس صورت میں ہو سکتی ہے، چوروں اور رہزنوں سے لوگ محفوظ ہیں یا نہیں ہیں۔ سمگلنگ اور چور بازاری تو نہیں ہو رہی ہے۔ لوگوں کی اخلاقی حالت پست تو نہیں ہو گئی ہے۔ ان کی تعلیم و تعلم کا معاملہ کس نوعیت کا ہے؟ اور اس قسم کی تمام ذمے داریاں حاکمِ وقت پر عائد ہوتی ہیں، اور اس کے بارے میں وہ اللہ کے نزدیک جواب دہ ہے۔ صحیح بخاری کی اس حدیث میں صاف لفظوں میں فرمایا گیا ہے کہ:

فَالْاَمِيْرُ الَّذِيْ عَلَى النَّاسِ رَاعٍ عَلَيْهِمْ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُمْ

یعنی وہ شخص جو لوگوں کا امیر ہے، ان کا نگہبان ہے اور ان کے بارے میں جواب دہ ہے۔

پھر اس بات کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ نگہبانی کی یہ ذمہ داری فقط امیر مملکت ہی پر عائد نہیں ہوتی، معاشرے کے ہر فرد پر عائد ہوتی ہے اور بارگاہ خداوندی میں وہ ان لوگوں کے بارے میں مسئول ہیں جو ان کے دائرہ اثر میں ہیں۔ اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد بالکل واضح ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ

کہ تم اپنی اپنی جگہ سب حاکم ہو اور تم سے اپنی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

حدیث میں حاکمیت اور ذمے داری کو اس طرح تقسیم کیا گیا ہے کہ مرد اپنے گھر والوں کا حاکم اور ذمے دار ہے۔ اس کا فرض ہے کہ اپنے اہلِ خانہ کی تمام حرکات وسکنات کا خیال رکھے۔ ان کی اچھی تربیت کرے، برائی کے ارتکاب سے باز رکھے اور اچھائی کی تعلیم دے۔ عورت اپنے شوہر اور اس کی اولاد کے معاملات کی نگرانی کرے، اس میں خیانت کی مرتکب نہ ہو اور جو گھریلو ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے، اس کو ہر ممکن طریقے سے پورا کرے۔ ملازم بھی اس ذمے داری کی زنجیر میں جکڑا ہوا ہے، وہ اپنے مالک کے اس مال کا جس کی نگرانی اس کو سونپی گئی ہے، ذمے دار ہے۔

حدیث میں نوعِ انسان کے ہر طبقے کو اپنے فرائض بجالانے اور اپنی ذمے داریاں پورا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ کوئی بھی طبقہ اس سے مستثنیٰ نہیں۔ عام طور پر صرف طبقۂ علما کو اصلاحِ معاشرہ کا ذمے دار ٹھہرایا جاتا ہے، حالاں کہ اسلام نے ہر شخص کو جو کسی کی کفالت کر رہا ہے، ذمے دار قرار دیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہت بڑی برائی

عَنْ اَبِیْ بَکْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلَا اُحَدِّثُکُمْ بِاَکْبَرِ الْکَبَائِرِ؟ قَالُوْا بَلٰی یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم، قَالَ اَلْاِشْرَاکُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ قَالَ وَجَلَسَ وَکَانَ مُتَّکِئًا، قَالَ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ أَوْ قَوْلُ الزُّوْرِ فَمَا زَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُهَا حَتّٰی قُلْنَا لَیْتَهٗ سَکَتَ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا میں تمھیں یہ نہ بتاؤں کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (ضرور بتایئے) فرمایا! اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بتائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ پھر اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ فرمایا، (یاد رکھو!) جھوٹی شہادت یا جھوٹی بات (بہت بڑے گناہوں میں شامل ہے) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات اس انداز اور تسلسل کے ساتھ فرما رہے تھے کہ ہم نے یہ چاہا کہ کاش آپ صلی اللہ علیہ وسلم چپ ہو جائیں۔!

یہ حدیث حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ابوبکرہ ان کی کنیت اور نُفَیْع ان کا اسم گرامی ہے۔ حدیث میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خود دریافت فرمایا کہ میں تمھارے لیے اس چیز کی وضاحت نہ کردوں کہ سب سے بُرا عمل اور سب سے بڑا گناہ یعنی اکبر الکبائر کیا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کمال اظہارِ ادب اور اسلوبِ خطاب ملاحظہ ہو کہ سب نے انتہائی تکریم اور بہ درجہ غایت احترام میں عرض کیا، بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم، کیوں نہیں؟ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ضرور بتایئے کہ سب سے بڑی معصیت کیا ہے اور وہ کون سا عمل ہے، جس کے ارتکاب سے انسان کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دو باتوں کو اکبر الکبائر قرار دیا، ایک اللہ کے ساتھ شرک کو، دوسرے والدین کی نافرمانی کو..... اس وقت آپ تکیے یا کسی اور چیز کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ فوراً اُٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا، دیکھو، ایک چیز اور بھی ہے جس کا ارتکاب بہت بڑا گناہ ہے۔ اور وہ ہے جھوٹی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شہادت دینا یا جھوٹی بات کرنا۔ مختصر الفاظ میں شرک کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو حاجت روا سمجھنا، اس کے سامنے جھکنا، اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کے لیے دوسرے کے دروازے پر دستک دینا۔ شرک عمل میں بھی ہوتا ہے، قول میں بھی ہوتا ہے اور عقیدے میں بھی۔! یہ بڑی باریک اور نازک شے ہے۔ شرک انتہائی دبے پاؤں آتا ہے اور انتہائی خاموشی کے ساتھ انسان کے قول و عمل میں داخل ہوتا اور عقیدے میں سرایت کر جاتا ہے اور تمام کیے کرائے پر پانی پھیر دیتا ہے۔

پھر اس کے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ماں باپ کی نافرمانی بھی عظیم ترین معصیت اور بہت بڑا گناہ ہے۔ ماں باپ کی اطاعت و فرماں برداری کے لیے قرآن مجید اور احادیث رسول اکرم ﷺ میں متعدد مقامات پر مختلف انداز میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ماں باپ کو اللہ کی بہت بڑی نعمت قرار دیا گیا اور ان کی خدمت کو نہایت ضروری ٹھہرایا گیا ہے۔ ان کی ہر وہ بات ماننا جو شریعت کے منافی نہ ہو، قرآن اور حدیث کی رُو سے فرض ہے۔ ماں باپ کی نافرمانی کا ذکر اس حدیث میں ایک ہی جملے میں اشراک باللہ کے ساتھ کیا گیا ہے، یعنی جس طرح کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانا اکبر الکبائر ہے، اسی طرح ماں باپ کی نافرمانی کرنا بھی بہت بڑا گناہ ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خاص طور سے بیٹھ کر صحابہ کو خطاب کیا اور زور دے کر فرمایا کہ جھوٹی گواہی دینا اور عام بول چال میں جھوٹ بولنا بھی بہت بڑا گناہ ہے۔ اس موقعے پر آپ کے لہجے میں تیزی آ گئی اور آپ نے شدت کے ساتھ اس کی مذمت فرمائی اور بار بار اپنے الفاظ دہرائے۔ آپ کے اسلوب کلام میں تیزی اور شدت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حدیث کے راوی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمارا جی چاہتا تھا کہ اب آپ خاموشی اختیار فرمالیں۔ کیوں کہ آپ کذب بیانی اور جھوٹی گواہی کی جس سختی کے ساتھ مذمت فرما رہے تھے، وہ آپ کے الفاظ اور پیرایۂ بیان سے نمایاں تھی۔

بلاشبہ جھوٹی گواہی اور کذب بیانی غایت درجے کا بدترین فعل ہے۔ اس سے انتہائی دور رس اور خطرناک نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ معاشرتی بگاڑ، باہمی دشمنی، لامتناہی عداوت اور قتل و غارت کا اصل باعث یہی جھوٹی گواہی اور کذب بیانی ہے۔ جس طرح سچی گواہی نہ دینا اور سچ نہ بولنا بہت بڑا گناہ ہے، اسی طرح جھوٹی گواہی دینا اور جھوٹ بولنا بھی معصیت کبریٰ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی اپنی جگہ اپنے اندر بڑی جامعیت اور وسعت رکھتا ہے۔ اگر اسے مدارِ عمل ٹھہرایا جائے تو تمام معاشرتی اور اجتماعی برائیوں کا خود بخود خاتمہ ہو جاتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اکرام مہمان کا طریقہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ

(صحیح بخاری، کتاب الادب باب اکرام الضیف وخدمته)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔

یوں تو دنیا کے نظام تمدن میں مہمان کی حیثیت ہمیشہ نمایاں رہی ہے اور ہر دور اور ہر مقام میں اسے قابلِ احترام سمجھا گیا ہے، لیکن مشرقی تمدن میں مہمان نوازی کو بالخصوص اہمیت دی گئی ہے۔

ہر شخص کسی نہ کسی وقت اور کسی نہ کسی صورت میں کسی کا مہمان ہوتا ہے، لہٰذا معاشرے کے نظام میں اس کی حیثیت اخلاق کے باہمی تبادلے کی سی ہے۔ آج ہم اپنے مہمان کی تکریم اور اس سے بہتر سلوک کریں گے، تو کل وہ ہمارے ساتھ عزت کا برتاؤ کرے گا۔ اہلِ عرب میں مہمان کو بے حد لائق اعزاز سمجھا جاتا تھا اور اس کی خدمت اور حفاظت کو میزبان اپنا فرض قرار دیتا تھا۔ اسلام کا ظہور ہوا تو اس نے اس فرض میں مزید اضافہ کیا، اس کی اہمیت کو بڑھایا اور مہمان کے حقوق کو تفصیل سے بیان کیا۔

حدیث میں مہمان نوازی اور اس کی تواضع کو ایمانِ کامل کا ایک جزو قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہے، اس کو چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔ یعنی ایمان کی تکمیل میں مہمان کی عزت و تکریم بھی شامل ہے۔ اس موضوع کی متعدد حدیثیں ہیں، جن میں اکرامِ مہمان کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ ایسے واقعات بھی حدیث کی کتابوں میں درج ہیں کہ بعض صحابہ کرام نے مہمان کے لیے اس قدر فیاضی کا ثبوت دیا کہ اپنا اور اپنے اہل وعیال کا کھانا مہمان کو کھلا دیا اور خود بھوکے رہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام نے آدابِ مہمان نوازی وضاحت سے بیان کیے ہیں اور بتایا ہے کہ میزبان کو مہمان سے کس طرح پیش آنا چاہیے۔ مثلاً

۱۔ مہمان اور میزبان میں گفتگو کا آغاز باہمی سلام سے ہونا چاہیے۔

۲۔ مہمان آئے تو موسم اور حالات کے مطابق اس کے کھانے پینے کا فوراً انتظام ہونا چاہیے۔

۳۔ کھانے پینے کا انتظام اس کے سامنے نہیں کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ اگر اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ میرے اکل وشرب کا سامان تیار کیا جا رہا ہے تو ممکن ہے، وہ اس کو روک دے۔

۴۔ تھوڑی دیر کے لیے مہمان سے الگ ہو جانا چاہیے، تاکہ وہ آرام کر سکے یا دوسری ضروریات سے فارغ ہو سکے۔

۵۔ مہمان کے سامنے اپنی حیثیت کے مطابق بہترین کھانا پیش کرنا چاہیے۔

۶۔ مہمان کو نہایت ادب کے ساتھ کھانے کے لیے کہنا چاہیے۔

۷۔ مہمان کے کھانے سے خوش ہونا چاہیے۔ مغموم نہیں ہونا چاہیے۔ بعض بخیل قسم کے لوگ کھانا تو مہمان کے سامنے پیش کر دیتے ہیں، لیکن ان کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ مہمان نہ کھائے، یا کم کھائے، تاکہ وہ کھانا ان کے کام آئے۔

اسلام نے جس طرح میزبان کو آدابِ مہمان داری سکھائے ہیں، اسی طرح مہمان کو بھی کچھ ہدایت دی ہیں۔ مثلاً

۱۔ اگر مہمان کچھ نہ کھانا پینا چاہے تو اچھے الفاظ میں معذرت کرے تاکہ میزبان کی دل شکنی نہ ہو۔

۲۔ مہمان کو کھانے میں نقص نہیں نکالنا چاہیے۔

۳۔ مہمان کو کھانا ضائع نہیں کرنا چاہیے جیسا کہ بارات کے موقعے پر یا عام دعوتوں میں کیا جاتا ہے۔

۴۔ مہمان کو میزبان کے خوانِ کرم سے حدِ ضرورت سے زیادہ فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے اور اس کو تکلیف پہنچانے سے بچنا چاہیے۔ اس لیے ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ مہمانی تین دن تک ہے، اس کے بعد وہ جو کچھ کھائے گا، صدقہ ہوگا، جس کو کوئی خوددار اور غیور مہمان پسند نہیں کرے گا۔

بہر حال مہمان کی عزت وتکریم اسلام کی رو سے ضروری ہے اور اس کے لیے جس قدر فیاضی ہو سکے کرنی چاہیے۔

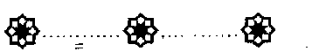

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ کے نزدیک پسندیدہ اعمال

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم اَیُّ الْعَمَلِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ؟ قَالَ الصَّلٰوةُ عَلٰی وَقْتِهَا قَالَ ثُمَّ اَیٌّ؟ قَالَ بِرُّالْوَالِدَیْنِ، قَالَ ثُمَّ اَیٌّ ؟ قَالَ الْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (صحیح بخاری، کتاب الأدب باب ووصینا الإنسان بوالدیه)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل کون سا ہے؟ فرمایا، وقت پر نماز پڑھنا۔ عرض کیا، پھر کون سا؟ فرمایا، ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا۔ عرض کیا، پھر کون سا؟ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔

اس حدیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں کو اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل قرار دیا ہے۔ اگرچہ فقط انہی میں بارگاہِ خداوندی میں محبوبیتِ عمل کو محدود نہیں قرار دیا جا سکتا، تاہم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان تین چیزوں پر عمل کا بہت بڑا دارومدار ہے اور امورِ خیر میں ان کو انتہائی اہمیت حاصل ہے۔

نماز اسلام کے پانچ بنیادی اور اساسی ارکان میں سے ہے۔ جو شخص مسلمان کہلاتا ہے لیکن تارکِ نماز ہے، اس کا کوئی عمل دربارِ الٰہی میں قبول نہیں۔ حدیث کی رو سے مسلمان اور کافر کے درمیان نماز کو حدِ فاصل کی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن وحدیث میں بار بار نماز کی تلقین فرمائی گئی ہے اور تاکید کی گئی ہے کہ نماز تمام آداب کو ملحوظ رکھ کر پڑھی جائے، کامل خشوع وخضوع سے ادا کی جائے، اعتدال وتوازن اور اطمینان وسکون سے یہ فریضہ ادا کیا جائے، رکوع وسجود اور قیام وقعود میں کوئی کمی نہیں ہونی چاہیے، وقت کی پابندی کی جائے اور اس میں کسی نوع کی غفلت نہ برتی جائے۔ جو لوگ نماز میں ان باتوں کا خیال نہیں رکھتے اور پورے اہتمام وانہماک سے نماز ادا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں کرتے، وہ ہرگز نماز کی ادائیگی کا حق ادا نہیں کرتے۔ وقت بے وقت نماز پڑھنا اور کامل یک سوئی سے یہ فریضہ ادا نہ کرنا، اللہ کے نزدیک قابلِ پرسش ہے۔ قرآن وحدیث میں ان نمازیوں کی مذمت فرمائی گئی ہے جو بے توجہی اور عدم انہماک سے نماز پڑھتے ہیں۔ جی لگا کر اور حضورِ قلب سے نماز پڑھنا اور وقت پر پڑھنا ہی اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور محبوب عمل ہے۔

دوسرا عمل جو اللہ کے نزدیک انتہائی پسندیدہ عمل ہے، ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک اور نیکی کا برتاؤ ہے۔ اس کا قرآن مجید میں بھی حکم دیا گیا ہے اور ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تمھارے رب نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ تم فقط اللہ کی عبادت کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ۔ یعنی اللہ کی عبادت اور ماں باپ سے حسنِ سلوک کا اکٹھا ذکر کیا گیا ہے اور ان دونوں چیزوں کو بنیادی اہمیت دی گی ہے۔ اس حدیث میں بھی رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ نماز کے بعد ماں باپ کے احترام اور ان سے حسنِ سلوک کا نمبر آتا ہے۔ جو لوگ ماں باپ کو قابلِ احترام نہیں گردانتے اور ان سے اچھا سلوک نہیں کرتے، وہ خدا کے نزدیک قابلِ گرفت ہیں۔ ماں باپ کا مرتبہ شرعی اعتبار سے بہت اونچا ہے اور وہ ہر لحاظ سے لائق اکرام ہیں۔

تیسرا عمل راہِ خدا میں جہاد کرنا ہے۔ جہاد کو قرآن وحدیث کی رو سے عبادت کا درجہ حاصل ہے اور اس کی متعدد مقامات پر مختلف اسالیب بیان میں بے حد اہمیت بیان فرمائی گئی ہے۔ جہاد ہاتھ میں تلوار لے کر بھی کیا جاتا ہے اور زبان وقلم سے بھی۔! جیسے حالات ہوں اور جس صورت میں مناسب ہو، جہاد کرنا چاہیے اور خلوصِ نیت اور خوفِ خدا کے تمام تقاضوں کو سامنے رکھ کر کرنا چاہیے۔

جہاد کا مطلب یہ ہے کہ نیکی کو پھیلانے اور برائی کے دروازوں کو بند کرنے کے لیے اپنی تمام تر طاقت صرف کر دینی چاہیے۔ نیکی جس صورت میں بھی معاشرے میں عام ہو سکتی ہے، اس کے لیے پوری جدو جہد کرنی چاہیے۔ اس میں کسی قسم کی سستی اور کاہلی کا مظاہرہ قطعاً نہیں ہونا چاہیے۔

یہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی کی مختصر تشریح ہے۔ جو لوگ اس پر عمل پیرا ہو گئے، انھوں نے دین اور دنیا میں کامیابی حاصل کر لی۔

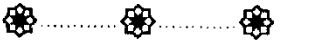

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حفاظتِ نظر کے فوائد

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَا اِيَّاكُمْ وَالْجُلُوْسَ بِالطُّرُقَاتِ فَقَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَالَنَا مِنْ مَّجَالِسِنَا بُدٌّ نَتَحَدَّثُ فِيْهَا فَقَالَ: فَإِذَا أَبَيْتُمْ إِلَّا الْمَجْلِسَ فَأَعْطُوا الطَّرِيْقَ حَقَّهٗ قَالُوْا وَمَا حَقُّ الطَّرِيْقِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ؟ قَالَ غَضُّ الْبَصَرِ وَكَفُّ الْاَذٰى وَرَدُّ السَّلَامِ۔

(بخاری، کتاب الاستئذان باب بدء الاسلام)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے ارشاد فرمایا: لوگوں کی گزرگاہوں میں بیٹھنے سے پرہیز کرو۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ وہ تو ہمارے بیٹھنے کی جگہیں ہیں۔ ہم وہاں باتیں کرتے ہیں فرمایا، اگر تم ضرور بیٹھنا چاہتے ہو تو گزرگاہ کو اس کا حق ادا کرو۔ عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! اس کا حق کیا ہے؟ فرمایا، نظر نیچی رکھنا، کسی کو تکلیف پہنچانے سے بچنا اور سلام کا جواب دینا۔

اسلامی آداب و اخلاق کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ بعض چیزیں بظاہر دیکھنے میں معمولی ہوتی ہیں لیکن نتیجے کے لحاظ سے بڑی مضرت رساں ہوتی ہیں اور اسلام کے مقرر کردہ دائرۂ اخلاق سے یکسر خارج.....! اور بعض چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں، جو اگرچہ ظاہری لحاظ سے ادنیٰ درجے کی نظر آتی ہیں، لیکن اخلاق حسنہ کا عظیم الشان ذخیرہ ان میں مضمر ہوتا ہے۔ اسی پر غور کیجیے کہ بعض لوگ گلیوں میں بیٹھ جاتے ہیں۔ گزرگاہوں میں چارپائیاں اور کرسیاں بچھا لیتے ہیں۔ یہ غیر اہم چیز معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقتاً اس کے اثرات بڑے دور رس ہوتے ہیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اس سے روک دیا۔ کیوں کہ اس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے، بالخصوص عورتیں ذہنی طور پر اس سے سخت اذیت محسوس کرتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے نہایت مختصر الفاظ میں انتہائی عمدگی سے اس کی وضاحت فرمادی۔ فرمایا۔ اگر تم کسی وجہ سے ضرور ہی راستہ استعمال کرنا چاہتے ہو تو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تین چیزوں کا خیال رکھو۔

ایک یہ کہ نظر نیچی رکھو۔

دوسرے یہ کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچاؤ، یعنی پورا راستہ ہی روک کر نہ بیٹھ جاؤ۔

تیسرے یہ کہ راستے سے گزرنے والے تمھیں سلام کہیں تو اس کا جواب دو۔

اگرچہ یہ تینوں باتیں بڑی اہم ہیں، تاہم غض بصر یعنی نظر کو محفوظ رکھنا اور اس کو آوارگی سے بچانا سب سے اہم ہے۔ بعض لوگ نظر کی حفاظت نہیں کرتے۔ اس کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیتے ہیں اور وہ دور تک آنے جانے والوں کا تعاقب کرتی رہتی ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا اس ضمن میں ایک بڑا روح نواز قول ہے۔ فرماتے ہیں:

مَنْ اَطْلَقَ طَرْفَهٗ كَثُرَ اَسَفُهٗ

یعنی جس نے اپنی نظر کو آوارہ چھوڑ دیا، اس نے بہت زیادہ افسوس جمع کر لیا۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ "الداء والدواء" میں فرماتے ہیں کہ جس نے اپنی نظر کی حدوں کو وسیع کر دیا، اس نے اپنے آپ کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈال لیا۔ وہ مزید فرماتے ہیں کہ نظر ایک بہت بڑا حادثہ ہے، جس سے انسان دوچار ہوتا ہے۔ نظر خطرہ پیدا کرتی ہے، خطرہ غلط سوچ بچار کو دعوت دیتا ہے، غلط سوچ بچار جنسی جذبات کو ابھارتی ہے، جنسی جذبات ارادے کا روپ دھارتے ہیں، ارادہ قوت حاصل کرتا ہے، اور اس میں عزم پیدا ہوتا ہے۔ پھر بالآخر ایسے فعل تک نوبت جا پہنچتی ہے جو رک نہ سکا اور اس کے لیے اسباب فراہم ہوتے چلے گئے۔

شیخ سفارینی حنبلی نے اپنی کتاب "غذاء الالباب شرح منظومة الآداب" میں غضِ بصر کے مسئلے پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ یہ بحث بڑی دلچسپ ہے اور اس کے تمام پہلو قلب کی گہرائیوں میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ اس میں انھوں نے غض بصر (نظریں نیچی رکھنے) کے فوائد بیان کیے ہیں۔ یہ دس فوائد ہیں۔ ذیل میں نمبروں کی ترتیب سے ان فوائدِ عشرہ کا اردو ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ غضِ بصر کا پہلا فائدہ یہ ہے کہ دل حسرت و ہوس کے جراثیم سے محفوظ رہتا ہے۔ جو شخص نظر کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دے، اس کی حسرتوں میں مسلسل اضافہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتا رہتا ہے۔ لہٰذا قلب وضمیر کے لیے سب سے زیادہ ضرر رساں یہی آوارگیٔ نظر ہے۔ جب یہ جادۂ اعتدال سے ہٹ جائے تو ذہنِ انسانی میں ایسی چیزوں کی تمنا کروٹ لینے لگتی ہے جن تک رسائی بھی ناممکن ہے اور جن سے اغماض بھی مشکل ہے، کیونکہ نظر و بصر کی بے احتیاطیاں انسان کو خواہشات اور ناروا تمناؤں کے ایسے موڑ پر جا کھڑا کرتی ہیں، جن سے پیچھے ہٹنا آسان نہیں ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ غضِ بصر سے اقلیم قلب کو نور اور روشنی کی بے بہا نعمت عطا ہو جاتی ہے۔ جس سے آنکھ، چہرہ، اور تمام جوارح مستنیر ہوتے رہتے ہیں۔ نظر کی بے راہ روی اگر انسان کو ظلمت و معصیت میں مبتلا کر دیتی ہے اور اس سے امن وسکون کی نعمت چھین لیتی ہے تو اس کے برعکس حفاظت نظر اس کو اطمینانِ قلب اور راحتِ ضمیر کے سامان بہم پہنچاتی ہے۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے "روضة المحبين و نزهة المشتاقين" میں اس پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ نے ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾ اے پیغمبر! مومنوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں۔) کے بعد ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اسی لیے فرمایا ہے کہ غضِ بصر کی نعمت میسر ہو تو اللہ کا نور انسان کو اپنے احاطے میں لے لیتا ہے۔ بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں:

فَمَنْ غَضَّ بَصَرَهٗ عن محاسن امرأة اورث الله قلبه نوراً

یعنی جو شخص غیر عورت کے حسن سے اپنی نظر کو بچائے رکھے گا، اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نور کا خزانہ عطا فرمائے گا۔

۳۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ غضِ بصر انسان کی فراست کو صحت و توانائی کی دولت بخشتی ہے، کیونکہ یہ بھی نور اور اس کا بہترین ثمرہ ہے۔ جب دل کی دنیا نورِ ایمان سے بھر جائے گی تو لازماً فراست میں توانائی آئے گی، اس لیے کہ دل صاف و شفاف آئینے کی مانند ہے اور اس میں اسی قسم کی چیز دکھائی دیتی ہے، جس قسم کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ وہ دراصل ہوتی ہے۔ نظر بازی ایک طرح کا بدنما داغ ہے، جب انسان اپنی نظر کو آزاد چھوڑ دے گا تو اس کے آئینۂ دل پر دھبے پڑ جائیں گے اور اس کی روشنی آہستہ آہستہ مٹتی جائے گی۔ شجاع کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، جس نے اپنے ظاہر کو اتباعِ سنت پر لگا دیا، باطن کی اصلاح کا ذمہ اٹھالیا، حرام چیزیں دیکھنے سے نظر کو محفوظ رکھا، اپنے آپ کو خواہشات سے دور کرلیا اور اکلِ حلال کی پابندی کی، اس کی قوتِ فراست میں مسلسل اضافہ ہوتا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اسی قسم کا بدلہ دیتا ہے، جیسا کہ وہ عمل کرتا ہے۔ جو شخص ناروا چیزوں سے نظر کو محفوظ رکھے گا، اللہ تعالیٰ اس کے عوض میں اس کے لیے نورِ بصیرت عام کردے گا۔ یہ تو بدلا ہے، جو شخص جیسا عمل کرے گا ویسا ہی اس کا نتیجہ اس کے سامنے آئے گا۔

۴۔ چوتھا فائدہ یہ ہے کہ غضِ بصر سے انسان کے سامنے علم کے دروازے کھل جاتے ہیں اور وہ نیکی کی راہ پر گامزن ہوجاتا ہے اور اس کے اسباب نہایت آسانی سے مہیا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ درحقیقت وہ نورِ قلب ہے جو غضِ بصر کے نتیجے میں اسے حاصل ہوا۔ جب قلب، روشنی سے منور ہوجاتا ہے تو اس پر علم وعرفان کے خزانے منکشف ہونے لگتے ہیں۔ لیکن جو شخص نظر کو آوارہ چھوڑ دے اور اس کو قابو میں نہ رکھے، اس پر علم کے دروازے بند ہوجاتے ہیں، اس کا آئینۂ دل مکدر ہوجاتا ہے۔ اس کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے اور حکمت ومعرفت کے باب اس پر مسدود ہوجاتے ہیں۔

۵۔ پانچواں فائدہ یہ ہے کہ غضِ نظر سے دل میں قوت وثبات اور شجاعت وبسالت کے جوہر پیدا ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو فہم وفراست کی نعمت سے مالا مال کردیا جاتا ہے۔ ایک صحابی سے ایک اثر منقول ہے کہ جو شخص اپنی خواہشات کی مخالفت کرتا ہے، شیطان اس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن جو شخص خواہشات کی رسی میں بندھا ہوا ہو اور ان کا تابع ہوکر رہے، اس کا دل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضعف و مداہنت کا مسکن بن جاتا ہے اور اس میں بعض خطرناک گمراہیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ اس کے برعکس وہ شخص بہت ہی خوش قسمت ہے جس نے اپنے آپ کو قابو میں رکھا اور ہوائے نفس کی اتباع سے گریز کرتا رہا۔ جو شخص اللہ کی رضا کو ہوائے نفس پر ترجیح دیتا ہے اس نے اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیا اور وہ تقویٰ کے مضبوط اور ناقابلِ تسخیر قلعے میں داخل ہوگیا۔

۶۔ چھٹا فائدہ یہ ہے کہ غضِ بصر سے دل کو سرور اور فرحت کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔ جو آلودگی نظر کی عارضی خوشی سے کہیں زیادہ مسرت افزا ہے۔ اس سے ناروا افکار پیدا کرنے والا دشمن مغلوب ہوتا ہے۔ جنیت کا زور ٹوٹتا ہے اور نفس پر غلبہ وتفوق حاصل ہوتا ہے۔ جب انسان جذبۂ جنسیت کو اللہ کے خوف کی وجہ سے دبالے تو اس کو اللہ تعالیٰ ایسی مسرتِ قلبی اور لذتِ روحانی سے نوازتا ہے جس کی افادیت کی کوئی انتہا نہیں اور جس میں مسرتیں ہی مسرتیں پنہاں ہیں۔ یہی وہ موڑ ہے، جس سے عقل اور خواہش کی راہیں الگ الگ ہوتی ہیں۔ عقل سلیم کی رہنمائی نجات کا ذریعہ ہے اور خواہشاتِ نفس کی اتباع، نکبت وذلت کا باعث۔

۷۔ ساتواں فائدہ غضِ بصر کا یہ ہے کہ دل ہوس وشہوت اور حرص وآز کی زنجیروں سے آزاد ہوجاتا ہے، اور یہی وہ چیز ہے جو انسان کے لیے اخلاقی اعتبار سے سب سے زیادہ فرحت رساں ہے۔

۸۔ آٹھواں فائدہ یہ ہے کہ اس سے جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ بند ہوجاتا ہے۔ نظر بازی انسان کو جنسیت پر ابھارتی ہے اور خیالات کے قافلوں کو غلط راہوں پر لگادیتی ہے۔ اگر اس سے پرہیز کیا جائے تو کامیابی کے کواڑ کھل جاتے ہیں۔ انسان حیرت انگیز طور پر روحانیت کی دولت سے مالا مال ہوجاتا ہے، اور اچھی اور بری چیزیں واضح شکل میں اس کے سامنے آجاتی ہیں۔

۹۔ نواں فائدہ یہ ہے کہ غضِ بصر سے عقل کو قوت واستحکام اور مضبوطی واستواری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاصل ہوتی ہے، اور نظر کی آوارگی عقل وخرد اور فہم وفراست سے محرومی کا باعث بنتی ہے۔ عقل کا خاصہ یہ ہے کہ وہ انجام وعواقب کو سامنے رکھتی ہے، اور ہوس و شہوت بے عقلی اور نادانی کو جنم دیتی ہیں۔

۱۰۔ دسواں فائدہ یہ ہے کہ غضِ بصر دل کو شہوت کی مدہوشیوں سے نجات دلاتی اور غفلت کے پردوں کو چاک کرتی ہے، اور آوارگی نظر انسان کو اللہ کی یاد سے غافل اور آخرت کی فکر سے بے پروا کر دیتی ہے۔ اس سے عقل، کم فہمی کی دبیز تہوں کے نیچے دب جاتی ہے اور سنجیدہ غور وفکر کی راہیں انسان کے لیے بند ہو جاتی ہیں۔ اسے یہ توفیق ہی نہیں رہتی کہ برائی کے غلط نتائج پر غور کر سکے اور نیکی کے خوش کن لمحات سے فکر ونظر کو بہلا سکے۔ اس کی سوچ کے زاویے محدود ہو جاتے ہیں اور عقل و ہوش کا میدان سمٹ جاتا ہے۔ وہ اتنا اندھا اور عاقبت نااندیش ہو جاتا ہے کہ فائدے کو نقصان اور نقصان کو فائدہ سمجھنے لگتا ہے اور بالآخر یہی چیز اس کی روحانی بربادی اور اخلاقی تباہی کا باعث بنتی ہے۔

یہ ہیں غضِ بصر کے دس فائدے جو ہر وقت انسان کے پیش نگاہ رہنے چاہئیں۔ یہ انسان کی دنیوی کامیابی کا ذریعہ بھی ہیں اور اخروی کامیابی کا بھی.....!

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک فریضہ

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم طَلَبُ کَسْبِ الْحَلَالِ فَرِیْضَۃٌ بَعْدَ الْفَرِیْضَۃِ۔ (مشکوٰۃ کتاب البیوع)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، فرض کی ادائیگی کے بعد، ایک فرض، کسبِ حلال کی طلب ہے۔

اسلام نے مسلمان پر کئی چیزیں فرض کی ہیں، جن پر عمل کرنا ضروری ہے، مثلاً نماز فرض کی ہے کہ دن اور رات میں پانچ وقت بہر حال پڑھنی چاہیے۔ انسان تندرست ہو، بیمار ہو، سفر میں ہو، حضر میں ہو، یہاں تک کہ حالتِ جنگ میں ہو، ہر صورت میں نماز ادا کرنا فرض ہے۔ کھڑا ہو کر نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر پڑھے، بیٹھ کر پڑھنا مشکل ہو تو لیٹ کر پڑھے، نماز پڑھنا ہی پڑے گی۔

اسی طرح اگر تندرست ہو بیمار نہ ہو تو رمضان کے روزے رکھنا فرض ہے۔ سفر یا عذر کی صورت میں البتہ بعد میں رکھے جا سکتے ہیں۔ اگر صاحبِ نصاب ہو تو زکوٰۃ ادا کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ مال دار اور دولت مند ہو تو زندگی میں ایک مرتبہ حج کرنا بھی فرض ہے۔

کلمہ شہادت اور قبول اسلام کے بعد یہ اسلام کے بنیادی ارکان اور فرائض ہیں جن پر عمل کرنا ہر حال اور ہر صورت میں ضروری ہے۔

ان کے علاوہ کچھ اور فرائض بھی ہیں جو مسلمان پر عائد ہوتے ہیں۔ مثلاً غریب کی مدد کرنا، یتیم کے سر پر دستِ شفقت رکھنا، مسکین سے ہمدردی کا برتاؤ کرنا، بیواؤں اور مستحق لوگوں کی، ان کی جائز ضرورت کے مطابق روپے پیسے سے امداد کرنا۔ ہمسائے سے حسن سلوک کرنا، مقروض سے مالی تعاون کرنا، لوگوں سے حسن اخلاق سے پیش آنا، مسلمان اجتماعی یا انفرادی طور پر کسی تکلیف میں مبتلا ہوں تو ان کی تکلیف رفع کرنے کے لیے کوشاں ہونا۔

اس کے ساتھ ہی ایک بڑا فرض اور بھی ہے، جس کا ذکر اس مختصر سی حدیث میں کیا گیا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جو دیگر فرائض کے ساتھ وابستہ ہے اور وہ ہے کسبِ حلال! یعنی حلال کی کمائی!!

ایسے لوگ بھی دنیا میں موجود ہیں اور اچھی خاصی تعداد میں ہیں، جو باقاعدہ نماز پڑھتے اور روزے رکھتے ہیں لیکن انھوں نے نماز، روزے اور ذرائع آمدنی کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ وہ چور بازاری کرتے ہیں، سمگلنگ کرتے ہیں، ان کے لینے کے باٹ اور، دینے کے اور ہیں، کاروبار میں جھوٹ بولتے ہیں، قدم قدم پر غلط بیانی سے کام لیتے ہیں، اپنی مطلب براری کے لیے لوگوں سے دھوکا اور فریب کرتے ہیں، دفتروں میں ملازم ہیں، اور بے کار بیٹھے رہتے ہیں، یہ سب چیزیں غلط، خلافِ اسلام اور خلافِ شریعت ہیں، لیکن اس کا انھیں قطعاً کوئی احساس نہیں ہوتا۔ ان کے نزدیک یہ کوئی گناہ کی بات نہیں، کیوں کہ وہ فرائض بجالاتے ہیں، یعنی نماز پڑھتے ہیں، رمضان کے روزے رکھتے ہیں، حج بیت اللہ کرتے ہیں اور مسجدوں کو چندہ دیتے ہیں۔ حدیث رسول اللہ ﷺ کی رُو سے محض ان فرائض کی ادائیگی کفایت نہیں کرتی، جب کہ آمدنی کے ذرائع صحیح نہ ہوں اور جس طریقے سے رزق حاصل کیا جارہا ہے، وہ نقص وعیب سے پاک نہ ہو۔

جس طرح نماز، روزہ اور صاحب حیثیت ہونے کی صورت میں حج اور زکوٰۃ فرض ہے اسی طرح کسبِ حلال کی تلاش اور رزقِ حلال بھی فرض ہے۔ یعنی فرائض کا ایک طویل سلسلہ ہے، جس میں کسبِ حلال کی سعی وطلب بھی شامل ہے۔

جو شخص کھانے پینے اور حصول رزق میں احتیاط سے کام نہیں لیتا اور جو کچھ سامنے آیا، ہڑپ کر جاتا ہے، بارگاہ خداوندی میں اس کی دعا کو بھی شرفِ قبولیت حاصل نہیں ہوتا۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص انتہائی خشوع وخضوع سے اور انتہائی عاجزی سے اللہ کے حضور دعا مانگتا ہے، مگر اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس کا کھانا پینا اور لباس وغیرہ سب حرام کے ذرائع سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایسے شخص کی دعا کیوں کر قبول ہوسکتی ہے۔

بہر کیف رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث اپنے الفاظ اور مفہوم میں بالکل واضح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آمدنی کے ذرائع کو معمولی نہ سمجھو، کسبِ حلال کی طلب اور کوشش بھی دوسرے فرائض کی طرح فرض ہے۔ اس کا ہر وقت اہتمام کرو۔ فرائض کی فہرست اس کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمر رسیدہ لوگوں کی تکریم کا حکم

عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا أَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخًا لِسِنِّهٖ إِلَّا قَيَّضَ اللّٰهُ لَهٗ مَنْ يُكْرِمُهٗ عِنْدَ سِنِّهٖ (ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی اجلال الکبیر)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو نوجوان کسی بوڑھے شخص کی اس کے بڑھاپے کی وجہ سے عزت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے کے وقت ایسے شخص کو مقرر فرما دے گا جو اس کی عزت کرے گا۔

اس دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے ماں باپ یا قریبی رشتہ دار بڑھاپے کی منزل میں داخل ہو جائیں تو نہ وہ ان کی خدمت کرتے ہیں اور نہ ان کے لیے عزت و تکریم کا کوئی لفظ ان کی زبان سے نکلتا ہے۔ وہ ان کے وجود کو اپنے لیے بوجھ قرار دیتے ہیں اور بھول جاتے ہیں کہ انھوں نے چھوٹی عمر میں تکلیف اور مشقت کے ساتھ ان کی پرورش کی ہے، بہتر طریقے سے ان کی تربیت کا اہتمام کیا ہے، اپنی حیثیت اور حالات کے مطابق انھیں تعلیم دلائی ہے اور ان کی ضرورتیں پوری کرتے رہے ہیں۔

عمر رسیدہ لوگ کوئی بھی ہوں، ماں باپ یا کوئی اور۔ ان کی خدمت کرنا اور ان سے تکریم کے ساتھ پیش آنا اسلام میں ضروری قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں فرمایا ہے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوْٓا إِلَّآ إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَآ أَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ أُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ (سورہ بنی اسرائیل: ۲۳،۲۴)

ترجمہ: تمھارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور اگر تیرے سامنے ان میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے ہوں نہ کہنا اور نہ انھیں جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا اور عجز و نیاز سے ان کے آگے جھکے رہو اور ان کے حق میں دعا کرو کہ اے پروردگار جس طرح انھوں نے میری بچپن میں (شفقت سے) پرورش کی ہے تو بھی ان کے حال پر رحمت فرما۔

یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اولاد کو حکم دیا گیا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہیں۔ لیکن اس حدیث میں جو اوپر درج کی گئی ہے عام ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جو شخص عمر رسیدہ لوگوں کی تعظیم کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ایسے اسباب فرما دے گا کہ جب وہ خود عمر کی اس منزل کو پہنچے گا تو لوگ اس کی تعظیم بجا لائیں گے اور نہایت خوشی کے ساتھ اس کی خدمت کا فریضہ سرانجام دیں گے۔ نیکی کا بدلہ بہر حال نیکی کی صورت میں ملے گا۔ کر بھلا ہو بھلا اسی کو کہا جاتا ہے۔

اپنے سے بڑے کی عزت کرنا اور کمزور اور ناتواں لوگوں سے تکریم کے ساتھ پیش آنا بہت بڑی نیکی ہے جس کا اللہ کی بارگاہ سے لازماً صلہ ملے گا۔ امام ترمذی نے یہ حدیث ابواب البر و الصلہ میں درج کی ہے اور اسے ''باب جاء فی اجلال الکبیر'' میں ذکر کیا ہے، یعنی بڑی عمر کے شخص کے ساتھ اکرام و احترام کا حکم۔

مغرب میں تو ایک مدت سے عمر رسیدہ لوگوں کی تعظیم اور خدمت کا تصور ختم ہو گیا ہے۔ وہاں بوڑھوں کے لیے سرکاری طور پر ایسے گھر بنا دیے گئے ہیں، جہاں انھیں بھیج دیا جاتا ہے اور وہ ان گھروں میں تا دم مرگ پڑے رہتے ہیں۔ آل اولاد سے ان کا کوئی معاشرتی تعلق باقی نہیں رہتا۔ لیکن اسلام میں یہ صورت حال نہیں ہے۔ اسلامی احکام کی رو سے بڑوں کی عزت کرنا اور ان کی خدمت بجا لانا نہایت ضروری ہے۔ وہ بڑے افراد ماں باپ ہوں، بہن بھائی ہوں یا کوئی اور۔ ان کے مذہب و معاشرے کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی۔ کسی مذہب، کسی معاشرے اور کسی نقطۂ فکر سے تعلق رکھتے ہوں، اگر وہ بڑھاپے کی حدود میں داخل ہو گئے ہیں تو اپنی حیثیت کے مطابق ان کی خدمت اور ان کا احترام شرعی اور اخلاقی اعتبار سے لازم ہو جاتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مال و دولت سے رغبت کا نتیجہ

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَوَاللّٰهِ مَا الْفَقْرَ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنْ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ اَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوْهَا كَمَا تَنَافَسُوْهَا وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا اَهْلَكَتْهُمْ۔ (صحیح مسلم، کتاب الزھد)

ترجمہ: عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخدا مجھے تمھارے بارے میں اس بات کا اندیشہ نہیں کہ تم فقر و فاقے میں مبتلا ہو جاؤ گے، بلکہ اندیشہ یہ ہے کہ تم پر اسی طرح دنیا کی فراخی آ جائے گی، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر آئی۔ پھر تم اس سے اسی طرح رغبت کرنے لگو گے، جس طرح تم سے پہلے لوگ کرتے تھے، اور وہ تمھیں اسی طرح ہلاکت میں ڈال دے گی، جس طرح ان کو ہلاکت میں ڈال دیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد گرامی میں اپنی امت کو ایک نہایت اہم بات کی طرف توجہ دلائی ہے، اور دنیا کے مال و متاع سے وابستگی پیدا کرنے سے خاص انداز کے ساتھ منع فرمایا ہے۔

بات یہ ہے کہ عہد رسالت میں ایک ایسا وقت بھی آیا جب مسلمان مالی پریشانی میں مبتلا تھے اور ان کی بڑی تعداد کو غربت و تنگ دستی نے گھیر لیا تھا۔ مخالفین اسلام اس سے بہت خوش تھے، وہ جب دیکھتے کہ مسلمان افلاس کا شکار ہیں تو انتہائی مسرت کا اظہار کرتے اور کہتے کہ یہ لوگ ہمیشہ فقر و فاقے کی زندگی بسر کریں گے، آرام و راحت اور مال و دولت ان کی قسمت میں نہیں۔ ظاہر ہے اس صورت حال کا کچھ نہ کچھ اثر مسلمانوں پر بھی پڑتا تھا اور اپنی عسرت سے انھیں ذہنی تکلیف ہوتی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی مالی پریشانی کو دیکھ کر نہایت دل لگتی بات ارشاد فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس بات کا قطعاً اندیشہ نہیں کہ تم مالی لحاظ سے کمزور ہو اور غربت و افلاس کی زندگی بسر کرتے ہو، یہ تو ایک عارضی اور چند روزہ معاملہ ہے۔ یہ تکلیف بہر حال ختم ہو گی۔ مجھے اندیشہ اس بات کا ہے کہ جب تم پر دنیا کشادہ ہو جائے گی، تمھیں مال و نعمت کی فراوانی حاصل ہو جائے گی،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمھاری غربت، امارت میں بدل جائے گی اور تمھارا افلاس، آسودگی کے قالب میں ڈھل جائے گا۔ اس وقت ایسا نہ ہو کہ تم اسی طرح دنیا اور اس کے مال واسباب سے محبت ورغبت کرنے لگو، جس طرح تم سے پہلے لوگ کرتے تھے، اور پھر یہی چیز تمھاری ہلاکت و بربادی کا باعث بن جائے۔

اس حدیث میں نبی ﷺ نے درحقیقت یہ بات بیان فرمائی ہے کہ دنیا کے مال و دولت کی فراوانی اور شان وشکوہ سے عام طور پر حالات بدل جاتے ہیں۔ انکسار کی جگہ غرور اور تواضع کی بجائے تکبر آجاتا ہے۔ چھوٹے اور غریب طبقے سے تعلقات ختم ہو جاتے ہیں، ان کے بجائے امیر اور مال دار لوگوں سے رسم وراہ پیدا کر لی جاتی ہیں۔ ہر وقت دنیا کمانے اور دولت جمع کرنے کی حرص انسان کو پریشان کرتی رہتی ہے۔

عادات بدل جاتی ہیں۔ تعلقات وروابط کے سلسلے بدل جاتے ہیں، سوسائٹی بدل جاتی ہے۔ میل جول میں، اٹھنے بیٹھنے میں، چلنے پھرنے میں تبدیلی آجاتی ہے۔ مال دار آدمی، رشتے ناتے بھی مال داروں سے کرتا ہے۔ قریبی رشتے داری یا بہن بھائی کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ ہر مجلس میں یہ فرق نمایاں نظر آتا ہے۔ سرمایہ دار، سرمایہ دار کے پاس بیٹھا ہے اور غریب اپنے جیسے غریب سے محوِ گفتگو ہے، پھر سرمایہ دار خاص قسم کے گھمنڈ اور غرور میں مبتلا ہے، جب کہ غریب کے چہرے پر مسکنت اور پژمردگی کے آثار نظر آتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ سرمائے کی کثرت سے اس قسم کے حالات پیدا ہو جاتے ہیں تو اس کا نتیجہ دنیوی اور اُخروی لحاظ سے ہلاکت اور تباہی کی صورت میں نکلتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ مال دار ہونے کے بعد مسلمانوں کے ذہن بھی ان غلط باتوں کو قبول کر لیں اور پھر وہ اسی طرح اخلاق وکردار کی دولت سے خالی ہاتھ ہو جائیں جس طرح کہ ان سے پہلے لوگ ہوتے رہے ہیں۔

اس حدیث کا مطلب خدانخواستہ یہ نہیں کہ انسان کاروبار سے دست بردار ہو جائے اور مال و دولت حاصل کرنے کے تمام ذرائع ترک کر دے۔ مطلب یہ ہے کہ صرف حصولِ زر کو مقصدِ حیات نہ ٹھہرایا جائے بلکہ حصولِ دولت کی کوشش کے ساتھ ساتھ یادِ خدا کا سلسلہ بھی جاری رکھا جائے اور غربا و مساکین کے حقوق بھی پورے کیے جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ زبان پر نوٹوں کی گنتی قبضہ کر لے، لہجہ سیم وزر سے گونجنے لگے اور روپیہ پیسا تکیہ کلام قرار پا جائے۔ اگر نوبت یہاں تک پہنچ گئی تو یہ اخلاق کی موت اور صاف ستھرے کردار کی ہلاکت کا باعث ہوگی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ اعضائے جسم جن کی حفاظت کامیابی کی ضمانت ہے

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ يَّضْمَنْ لِيْ مَابَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ۔ (صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مجھے اپنے جبڑوں اور ٹانگوں کے درمیان کے اعضاء کو محفوظ رکھنے کی ضمانت دے، میں اسے جنت کی ضمانت دوں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مبارک حدیث میں جو کچھ بیان فرمایا گیا ہے، اس کو انسانی زندگی میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس میں انسان کی دنیوی اور اخروی زندگی کی نجات اور کامیابی کا ایک بنیادی نسخہ بالکل آسان لفظوں میں بتا دیا گیا ہے۔ اگر انسان اپنے عمل و حرکت اور گفتار و کردار میں اس کو پیش نظر رکھے تو اس کے لیے فوز و فلاح کے تمام راستے ہر وقت کھلے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسانی جسم کے وہ حصے جو اس کو گناہ کی راہ پر لگانے اور معصیت کی دلدل میں پھنسانے کا باعث بنتے ہیں، وہ اس کے پاؤں سے لے کر دماغ تک کے اعضاء پر محیط ہیں۔ ان میں پیٹ، معدہ، دل، زبان، اور اس کے متعلقات شامل ہیں۔ انسان دماغ سے سوچتا، دل میں ایک منصوبہ بناتا، زبان سے اس کا اظہار کرتا، پاؤں سے چلتا اور ہاتھوں کو کسی کام کی تکمیل کے لیے حرکت میں لاتا ہے۔ اگر ان اعضا کو امورِ خیر کے لیے استعمال کرتا ہے تو اس کا نتیجہ اُخروی فوز و فلاح یعنی حصولِ جنت کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ اگر خدانخواستہ ان اعضائے جسمانی کی مدد سے وہ شر اور برائی کی طرف حرکت کناں ہوتا ہے تو اس کے لیے آخرت کی کامیابی کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور وہ خود ہی اپنے لیے عذاب الٰہی میں مبتلا ہونے کے اسباب پیدا کر لیتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الرقاق میں بیان کیا ہے۔ ''رقاق'' جمع ہے رِقت کی۔ رقت کے معنی ہیں، نرمی، رافت اور لینت کے۔۔۔۔! پھر اس کے لیے جو ذیلی عنوان قائم کیا گیا ہے، وہ ہے ''باب حفظ اللسان''۔۔۔۔ یعنی زبان کی تمام مکروہات سے حفاظت کرنا، سب برائیوں سے اس کو بچائے رکھنا، ہر قسم کی آلائشوں سے اس کو مصئون رکھنا اور ایسا کوئی لفظ زبان سے نہ نکالنا جو غلط نتائج پیدا کرنے کا باعث بن سکتا ہو اور جس سے برائی کے دروازے تک پہنچنے کے امکانات ابھر سکتے ہوں۔

اللہ کی بے شمار نعمتوں میں سے زبان بہت بڑی نعمت ہے جو اس نے انسان کو عطا فرمائی ہے۔ اس کو انتہائی غلط اور ناروا باتوں کے لیے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور بہ درجہ غایت صحیح اور عین موافق کتاب وسنت امور کے لیے بھی!

جو شخص زبان کو فحش کلامی اور برائی سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کو کسی خلافِ حقیقت یا منافی اخلاق بات کے لیے استعمال نہیں کرتا، وہ اس عالمِ آب وگل کا بہترین شخص ہے۔ اسی لیے حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ کوئی غلط بات زبان سے نہیں نکالنی چاہیے۔ اگر کوئی بات کرنا مقصود ہو تو اچھی بات کرنی چاہیے ورنہ خاموش رہنا چاہیے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ۔ (صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان)

ترجمہ: یعنی جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ زبان سے اچھی بات نکالے، اگر اچھی بات نہیں سوجھتی تو چپ رہے۔

اعضائے انسانی میں زبان کو انتہائی اہمیت حاصل ہے۔ اسی سے انسان اکرام واحترام کے بلند ترین مرتبے پر رسائی حاصل کرتا ہے اور اسی سے ذلت کی پستی میں جا گرتا ہے۔ ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ زبان کو بہتر طریقے سے استعمال کیا گیا تو فتح وکامرانی کی مشکل سے مشکل منزلیں آسانی سے طے کر لیں، اور غیر متوازن اور غلط انداز سے اس کو حرکت دی گئی تو ناکامی و نامرادی کے وہ داغ اٹھانے پڑے کہ پوری دنیا میں ہمیشہ کے لیے ذلیل وخوار ہو کر رہ گئے۔

نیکی، صلح جوئی اور ایک دوسرے سے خیر خواہی کے جذبات بھی اسی سے پیدا ہوتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ اور دشمنی، عداوت، بدخواہی اور باہمی نفرت وحقارت کی راہیں بھی اسی سے نکلتی ہیں۔

بہرحال پاؤں سے لے کر زبان تک تمام اعضا کی حفاظت نہایت ضروری ہے۔

پاؤں سے غلط راہوں کی طرف بڑھنا، ہاتھوں سے منافیِ اسلام حرکات کا ارتکاب کرنا، پیٹ میں ناجائز چیزوں کو ڈالنا، معدے کو اشیائے حرام سے بھرنا، زبان کو بُری باتوں کے لیے حرکت دینا اور دماغ سے خلافِ شرع امور کے لیے سوچ بچار کرنا، سب کتاب وسنت کی ضد ہے۔ اس سے انسان دنیا میں بھی ناکام اور بدنام ہوتا ہے اور آخرت میں بھی ذلت ورسوائی سے دوچار ہوگا۔

جو شخص ان اعضا کی صیانت کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واضح الفاظ میں اس کو جنت کی ضمانت دیتے ہیں۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی روشنی میں حصولِ جنت کی اصل کنجی یہی اعضا ہیں۔ اگر یہ انسان کے قابو میں ہیں اور ان سے وہ کوئی ناجائز کام نہیں لیتا تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس کے لیے جنت کا دروازہ کھل گیا اور اخروی کامیابی کی راہیں ہموار ہوگئیں، کیونکہ آخرت میں انہی اعمال کی جزا یا سزا ملے گی جن کا وہ دنیا میں مرتکب ہوا ہے۔ اگر دنیوی زندگی معصیت کی آلودگیوں سے پاک رہی تو آخرت میں اس کے نتائج بہرحال بہتر نکلیں گے۔ لیکن اگر دنیا کی زندگی برائیوں کے ارتکاب میں کٹی ہے، تو پھر آخرت میں اس کی سزا بھگتنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

پاؤں کے درمیان کی حفاظت کرنے کا مطلب فحش حرکات سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا اور جنسی آوارگی سے بچنا ہے۔

معاشرتی اصلاح اور انفرادی واجتماعی اخلاق کی رفعت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ اگر اس کے مطابق عمل کی بنیادیں استوار کی جائیں تو دنیا سے تمام برائیوں کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔

3/J-504 جوہر
کتاب نمبر 354
www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اُس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے میری حدیث سنی، اُسے یاد کیا اور دوسروں تک پہنچایا۔'' (ترمذی) اسی جذبہ کے تحت ہر دور کے مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی اور احادیث پر ہزاروں کتابیں لکھیں، لکھ رہے ہیں اور قیامت تک لکھتے رہیں گے، اس کے باوصف اس موضوع کی شادابی اور تروتازگی میں کوئی فرق آیا ہے اور نہ آئے گا۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک تازہ کڑی، گل تازہ کی طرح تازہ، ہمارے فاضل بزرگ مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''ارمغانِ حدیث'' ہے، جس میں انہوں نے آداب واخلاق اور حقوق ومعاملات سے متعلق ایک سو احادیث مبارکہ کو متن اور ترجمہ وتشریح کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ احادیث مبارکہ کی ایسی کتابوں کے مطالعہ سے جہاں علم وفکر کے چراغ جلتے ہیں وہاں قدم اسوۂ رسول ﷺ پر چلنے اور رب کی رضا ڈھونڈنے کے لیے بیقرار اٹھ جاتے ہیں۔ محبت، تحمل، رواداری، حسن اخلاق اور اسوۂ رسول ﷺ کے نور سے روشن راہوں پر چلنے والے دونوں جہانوں میں کامیاب ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یقیناً ''ارمغان حدیث'' کے مطالعہ سے آپ کے ویران دل میں بہار آئے گی، گھروں میں سکون اور خوشحالی کے پھول کھلیں گے۔ محسن کائنات ﷺ کے فرامین پر مشتمل یہ کتاب روشن خیالی کے اندھیروں سے نجات کی راہ ہموار اور شوقِ عمل کا ذریعہ بنے گی۔ انشاء اللہ

TARIQ ACADEMY
PRINTERS & PUBLISHERS
Saleemi Chowk, Opp. Al-Fateh Ground,
Faisalabad. Pakistan.
Ph: 0092041 8546964, 8715768
E-mail: ilmoagahi74a@yahoo.com, Web: www.ilmoagahi.com